سلسلہ دلچسپ واقعات نمبر 3

دلچسپ

ایمان افروز واقعات

مؤلف

مولانا ارسلان بن اختر

مکتبہ الارسلان

دلچسپ

ایمان افروز واقعات

مکتبہ ارسلان اُردو بازار، کراچی۔
فون: 0333-2103655

نام کتاب .... دلچسپ ایمان افروز واقعات
مولف .... مولانا ارسلان بن اختر
بااہتمام .... ارسلان بن اختر
اشاعت اوّل .... جولائی 2004ء
قیمت ....

ملنے کا پتہ:

کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی۔ بیت القرآن اردو بازار، کراچی۔ صدیقی ٹرسٹ نزد لسبیلہ چوک۔ اقبال بک ڈپو (اقبال نعمانی صدر)۔ اسلامی کتب خانہ نزد بنوری ٹاؤن۔ دارالاشاعت اردو بازار، کراچی۔ علمی کتاب گھر اردو بازار، کراچی۔

لاھور: مکتبہ رحمانیہ غزنی اسٹریٹ اردو بازار، لاہور۔ ادارہ اسلامیات انارکلی بازار، لاہور مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار، لاہور۔

راولپنڈی: مکتبہ رشیدیہ مدینہ مارکیٹ، راجہ بازار، راولپنڈی۔

دلچسپ

ایمان افروز واقعات

مؤلف

مولانا ارسلان بن اختر

شعبہ تحقیق و تصنیف:

مکتبہ ارسلان

اردو بازار، کراچی۔

فون: 0333-2103655

فہرست مضامین

موضوعات	صفحہ نمبر

پھیکا خربوزہ

ایک حلیم الطبع اور نیک شخص نے بازار سے خربوزہ خریدا، گھر پہنچنے پر جب بیوی نے اسے کاٹ کر کھایا تو وہ پھیکا نکلا۔ بیوی بگڑنے لگی اور دیر تک بڑبڑاتی رہی۔

اس شخص نے بیوی سے پوچھا ''تم کس پر غصہ کررہی ہو؟ مجھ پر یا دکاندار پر؟ اس کاشتکار پر جس کے کھیت میں یہ خربوزہ پیدا ہوا یا اس خدا سے برہم ہو جس نے اسے پیدا کیا؟''

بیوی جزبز ہوکر چپ رہی تو شوہر نے کہا۔ ''اگر میرے بس میں ہوتا تو میں پھیکا خربوزہ ہرگز نہ لیتا۔ اگر دکاندار کو اس کے پھیکا ہونے کا علم ہوتا تو وہ اسے میرے ہاتھ فروخت نہ کرتا اور اگر کسان کو اختیار ہوتا تو کبھی بھی پھیکا خربوزہ اگانے پر تیار نہ ہوتا۔ اب صرف خدا باقی رہ جاتا ہے جو صاحب اختیار و قدرت ہے اور تمہارا یہ غصہ خدا کے سوا کسی اور پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

تمام خزانوں کے مالک سے تعلق

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں، میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ نہایت ہی خوش ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ ''دنیا میں تو قحط ہے اور تو ایسا خوش ہے۔''

کہنے لگا کہ ''میں فلاں شخص کا غلام ہوں، میرا کھانا، کپڑا اس کے ذمہ ہے اور اس کے پاس ایک گاؤں ہے، اس سے آمدنی آجاتی ہے۔ وہ اس میں سے مجھے دونوں وقت کھانے کو دیتا ہے۔ اس لئے میں بالکل بےفکر ہوں۔''

یہ سن کر میرے دل پر ایک چوٹ لگی کہ تیرے مالک کے پاس تو زمین اور آسمان کے خزانے ہیں اور پھر تو اس قدر فکرمند ہے۔ تو واقعی جب خدا سے نزدیکی بڑھ جاتی ہے تو بےفکری ہوجاتی ہے۔

دیکھئے معمولی سے مالدار کے ساتھ تعلق ہوجانے سے کیسی بےفکری ہوجاتی ہے تو جو تمام خزانوں کا مالک ہے اس کے ساتھ تعلق رکھنے سے بےفکری کس طرح نہ ہو۔

مسلمانوں کے اختلافات کا انجام

اندلس، جس کے ساحل پر مشہور اسلامی جرنیل طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا ڈالی تھیں۔ جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے انتہائی شان و شوکت سے حکمرانی کی، جہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی مسلمانوں کی عظمت رفتہ پر آنسو بہا رہی ہے، جہاں کی نہریں اور باغات، محل اور کوٹھیاں آج بھی اپنے معماروں کو یاد کرتی ہیں۔ آپ جانتے ہیں وہاں کیسے اور کب زوال آیا؟

وہاں اسی وقت زوال آیا جب مسلمانوں نے کلام اللہ کو پس پشت ڈال دیا تھا اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ وہ ایک دوسرے پر فتوے لگا رہے تھے اور اسلام کے بجائے اپنے خاندانوں اور قومیتوں پر فخر کرتے تھے۔ ایک مسلمان سردار دوسرے مسلمان سردار کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا، بلکہ ایک دوسرے کے خلاف عیسائیوں سے بھی مدد طلب کر لیتے تھے۔ مسلمانوں نے خود عیسائیوں کے ہاتھ سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا، جس کی وجہ سے عیسائیوں کے دل سے اسلام اور مسلمانوں کا وقار اور رعب ختم ہو گیا۔

تلاوت قرآن نے فرشتوں کو بھی رلا دیا

ایک صحابی ؓ تہجد میں قرآن پڑھتے ہوئے رو پڑے۔ نبی علیہا الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ''تیرے قرآن پڑھنے اور رونے نے اللہ کے فرشتوں کو بھی رلا دیا۔''

سبحان اللہ، ان کو روتا دیکھ کر اللہ کے فرشتوں کو بھی رونا آ گیا۔ ان کو قرآن پاک کا ایسا مزہ اور لطف آیا کرتا تھا، تیر لگ رہے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں اور پھر اپنے ساتھی کو جگا کر ایک صحابی کہتے ہیں کہ اگر مجھے اپنے فرض منصبی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیروں پر تیر کھاتا رہتا، لیکن سورۂ کہف مکمل پڑھ لیتا اور ہمارا حال یہ ہے کہ قریب سے مچھر بھی گزر جائے تو نماز کی ساری کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو قرآن کریم کی ایک لذت ہے، اپنا ایک لطف ہے۔

تھوڑا سا وقت بھی ذکر سے خالی نہیں

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر محدث اور عالم تھے اور علم و فضل کا بہت اونچا مقام رکھتے تھے اور صحیح بخاری کی شرح ''فتح الباری'' کے مصنف تھے، ان کا یہ حال تھا کہ جس وقت وہ فتح الباری لکھتے اور لکھنے کے دوران قلم پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی، چونکہ اس زمانے میں لکڑی کے قلم ہوتے تھے، لکھتے لکھتے جب ان کی نوک خراب ہوجاتی تو چاقو سے اس پر قط لگانا پڑتا تھا تو جب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب لکھنے کے دوران قلم پر قط لگانے کی ضرورت پیش آتی تو جتنا وقت قلم پر قط لگانے میں گزرتا، اتنا وقت بھی خالی گزارنا گوارہ نہیں تھا، اس لئے اس وقت کو ذکر اللہ میں گزارتے۔ لہذا جب ذکر انسان کا جزو زندگی بن جاتا ہے تو اس کے بغیر انسان کو چین نہیں آتا۔

زادراہ کا غیب سے انتظام:

ایک دفعہ حضرت امیر علی ہمدانی نے حج کا ارادہ کیا۔ سفر کے دوران آپ کے پاس جتنا زادراہ تھا، ختم ہوگیا۔ آپ بہت پریشان ہوئے کہ حج پر کیسے جائیں اور اگر حج پر نہ جائیں تو واپس کیسے گھر لوٹیں؟ کوئی واقف و شناسا پاس نہ تھا، جس سے مدد طلب کرتے۔ اسی پریشانی میں آپ نے خدا سے دعا کی۔ اے اللہ! میرے حق میں تو وہ بہتری کر جس میں تیری رضا اور خوشی ہو۔ اس کے بعد آپ مطمئن ہوکر درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپ کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ کو ایک ضعیف عورت نے آ کر جگایا اور کہا:



اے علی! میں حج کرنے کے لئے کافی مدت سے رقم جمع کرتی رہی۔ اب جب رقم جمع ہوگئی تو میں عمر کے ایسے حصے میں پہنچ چکی ہوں کہ حج کے لئے سفر کرنے سے معذور ہوگئی ہوں۔ شاید اللہ کو میرا حج کرنا منظور نہیں۔ میں اس معذوری کی وجہ سے سخت پریشان تھی کہ ایک روز خواب میں مجھے آنحضرت ﷺ نے حکم

دیا کہ میں اپنی ساری جمع شدہ پونجی امیر علی کو دے دوں۔ کیونکہ ان کا زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ میں کئی سالوں سے حجاز کے قافلے دیکھتی ہوں، مگر تم مجھے کہیں نظر نہیں آئے۔ آج میری مراد بر آئی اور تم نظر آ گئے۔ لہٰذا یہ لو میری جمع شدہ پونجی جو میں نے حج کے لئے جمع کی تھی۔ تم حج پر جاؤ اور روضہ رسول ﷺ پر پہنچ کر میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا، خدا کے حبیب ﷺ! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔

قرآن مجید کی تدوین

اب آیئے قرآن پاک کی تدوین اور اس کے جمع ہونے کا جائزہ لیا جائے۔ قرآن پاک نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چار طرح سے محفوظ کیا گیا۔

❁ ...... ایک صورت تو یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ پر جب وحی آتی تو اس وقت آپ ﷺ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو بلاتے اور خود ان کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ان صحابہ رضی اللہ عنہ کو کاتبین وحی کہتے ہیں۔ ان کے نام آج تک کتابوں میں باقاعدہ محفوظ ہیں۔

❁ ...... دوسری صورت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ خود حافظ قرآن تھے۔ جب رمضان المبارک آتا تو آپ ﷺ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ بیٹھ کر دُور کیا کرتے تھے۔

❁ ...... تیسری صورت یہ تھی کہ کئی ہزار صحابہ رضی اللہ عنہ ایسے بھی تھے جنہیں شروع سے آخر تک قرآن پاک یاد ہو گیا تھا۔

❁ ...... نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن پاک کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ کسی نے چمڑے پر لکھا، کسی نے پتھر پر لکھا اور کسی نے پتوں پر لکھا۔

پتوں پر لکھا ہوا قرآن مجید

فقیر کو سمرقند جانے کا موقع نصیب ہوا تو وہاں کی لائبریری میں لوہے کی تختیوں پر لکھا ہوا قرآن پاک دیکھا۔ لائبریری کی انچارج عورت نے ایک دوسرا نسخہ دکھایا۔ کہنے لگی۔ یہ ایک نادر چیز ہے۔ جب فقیر نے دیکھا تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے پتوں کی رگیں بھی اب تک اس طرح صاف نظر آتی تھیں جیسے شبنم کے درخت کا پتہ سامنے رکھ لیں تو اس کے اندر رگیں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ فقیر نے ان کو ہاتھ لگا کر دیکھا، وہ درخت کے پتے تھے، مگر انہیں کتابی شکل میں بند کیا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ کب لکھا گیا تھا، تاہم یہ یقینی طور پر کاغذ کی ایجاد سے پہلے کی بات ہوگی۔ سبحان اللہ! آج تک پتوں پر لکھا ہوا قرآن پاک محفوظ ہے۔

وھاں کونسا گارڈ ھوگا

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے اپنے سارے مریدین اور متعلقین کو یہ ہدایت تھی کہ جب کبھی ریلوے میں سفر کرو، اور تمہارا سامان اس مقدار سے زائد ہو، جتنا ریلوے نے تمہیں مفت لے جانے کی اجازت دی ہے، تو اس صورت میں اپنے سامان کا وزن کراؤ اور زائد سامان کا کرایہ ادا کرو، پھر سفر کرو۔

خود حضرت والا کا اپنا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ریلوے میں سفر کے ارادے سے اسٹیشن پہنچے، گاڑی کے آنے کا وقت قریب تھا، آپ اپنا سامان لے کر اس دفتر میں پہنچے جہاں پر سامان کا وزن کرایا جاتا تھا اور جا کر لائن میں لگ گئے۔ اتفاق سے گاڑی میں ساتھ جانے والا گارڈ وہاں آ گیا اور حضرت والا کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کہ ''حضرت آپ یہاں کیسے کھڑے ہیں؟''



حضرت نے فرمایا کہ ''میں سامان کا وزن کرانے آیا ہوں۔''

گارڈ نے کہا کہ ''آپ کو سامان کا وزن کرانے کی ضرورت نہیں، آپ کے لئے کوئی مسئلہ نہیں۔ میں آپ کے ساتھ گاڑی میں جا رہا ہوں۔ آپ کو زائد سامان کا کرایہ دینے کی ضرورت نہیں۔''

حضرت نے پوچھا کہ ''تم میرے ساتھ کہاں تک جاؤ گے؟''

گارڈ نے کہا کہ میں فلاں اسٹیشن تک جاؤں گا۔

حضرت نے پوچھا کہ ''اس اسٹیشن کے بعد کیا ہوگا؟''

گارڈ نے کہا کہ ''اس اسٹیشن پر دوسرا گارڈ آئے گا، میں اس کو بتا دوں گا کہ یہ حضرت کا سامان ہے، اس کے بارے میں کچھ پوچھ گچھ مت کرنا۔''

حضرت نے پوچھا کہ ''وہ گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟''

گارڈ نے کہا کہ ''وہ تو اور آگے جائے گا، اس سے پہلے ہی آپ کا اسٹیشن آ جائے گا۔''

حضرت نے فرمایا کہ ''میں تو اور آگے جاؤں گا (یعنی آخرت کی طرف جاؤں گا) اور اپنی قبر میں جاؤں گا۔ وہاں پر کونسا گارڈ میرے ساتھ جائے گا؟ جب وہاں آخرت میں مجھ سے سوال ہوگا کہ ایک سرکاری گاڑی میں سامان کا کرایہ ادا کئے بغیر جو سفر کیا اور جو چوری کی اس کا حساب دو تو وہاں پر کونسا گارڈ میری مدد کرے گا؟''

ایک شخص کا متوکل علی اللہ بن جانا

بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک شخص طلب رزق کے لئے گھر سے نکلا۔ فصلوں کی کٹائی کا موسم تھا۔ راستے میں بارش آ گئی۔ وہ شخص بارش سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھسا۔ غار میں اس نے ایک اندھے عقاب کو دیکھا (یہ پرندہ باز کی طرح پرندوں کا شکار کرتا ہے اور سید الطیور یعنی پرندوں کا سردار کہلاتا ہے) وہ شخص متفکر ہوا اور یہ سوچنے لگا کہ یہ اندھا عقاب کہاں سے کھاتا ہوگا؟

وإذ بحمامة قد دخلت تستكن في الكهف من المطر فوقعت فوق العقاب فأمسكها العقاب فأكلها فرجع ذلک الانسان إلی مكانه وتوكل علی الله

یعنی ''اچانک ایک کبوتر بارش سے بچنے کے لئے غار میں گھسا اور جا کر عقاب پر بیٹھ گیا۔ عقاب نے اسے دبوچ کر کھایا۔ وہ شخص اسی جگہ سے واپس ہو کر متوکل علی اللہ بن گیا۔''

اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا بڑی سعادت ہے۔ افسوس کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی شانِ عظیم اور اس کی عظیم قدرت وعلم سے غافل ہیں۔ مال و دولت کو طاقت کا، عزت کا اور راحتوں کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دل، ان کی نگاہیں دنیائے رنگ و بو میں الجھی ہوئی ہیں۔ موت کے وقت یہ سب غفلتیں دور ہو جائیں گی۔ مگر اس وقت انابت الی اللہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اب پچھتاتے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

حجاج کے یقین کی طاقت:

حجاج بن یوسف نے ہزاروں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ وہ اس امت کا سفاک ترین شخص تھا، لیکن پھر بھی اس نے کبھی زندگی میں تہجد کی نماز قضا نہیں کی۔ ایک ہفتے میں قرآن ختم کیا کرتا تھا۔ اللہ پر اعتماد اور یقین ایسا تھا کہ ایک مرتبہ اس کی بیوی پر کچھ آسیبی اثرات ہو گئے۔ اس نے عامل بلایا۔ اس عامل نے لوہے کی ایک کیل دم کر کے رکھ دی اور کہا ''اسے زمین میں دبا دو۔''

حجاج بن یوسف نے پوچھا ''یہ کیا ہے؟''

عامل نے کہا۔ ''دو طاقتور ترین آدمی بلواؤ۔''

جب وہ آ گئے تو عامل نے کہا: ''اس کیل کے نیچے لکڑی رکھ کر اسے اٹھاؤ۔''

وہ دونوں آدمی زور لگاتے رہے لیکن وہ چھوٹی سی کیل نہ ہلائی جا سکی۔ حجاج نے یکے بعد دیگرے دو دو کا اضافہ کر کے بارہ آدمی اسی کام پر لگائے مگر پورے بارہ طاقتور آدمی مل کر بھی اس لکڑی کو نہ اٹھا سکے۔ جس پر لوہے کی کیل رکھی ہوئی تھی۔ اب عامل نے کہا۔ ''دیکھی اس کی طاقت۔''

حجاج نے کہا۔ ''پیچھے ہٹ جاؤ۔'' اپنی چھڑی اٹھائی اور پھر یہ آیت ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش پڑھ کر چھڑی سے کیل کو حرکت دی تو کیل ہوا میں اڑتی ہوئی دور جا گری۔

حجاج نے عامل سے کہا۔ ''بھاگ جاؤ، میں تمہارے عملوں کا محتاج نہیں ہوں۔'' حجاج کے یقین کی طاقت نے عامل کے سحر کو توڑ دیا۔ عامل وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلا۔

فرشتے مصافحہ کرتے ہیں:

ایک مرتبہ ان کی کمر میں ایک پھوڑا نکلا، پھوڑا بھی ایسا کہ پورے ۳۲ برس تک وہ پھوڑا رہا۔ حالت یہ کہ بیٹھ نہیں سکتے تھے، کروٹ نہیں لے سکتے تھے، بس چت لیٹتے تھے۔ کھانا کھا رہے ہیں تو بھی چت لیٹے ہوئے ہیں۔ استنجا کر رہے ہیں تو بھی چت لیٹ کر۔ نماز پڑھ رہے ہیں تو اشاروں سے۔

۳۲ برس پورے اس حالت میں گزرے۔ اندازہ لگائیے کس قدر عظیم تکلیف ہوئی کتنی اذیت برداشت کی ہوئی ہوگی۔ لیکن اس تکلیف کے



باوجود ان کے چہرے پر نظر پڑتی تھی تو چہرے پر تکلیف کے آثار دور دور تک دکھائی نہیں دیتے تھے۔ چہرہ بالکل تروتازہ اور ہشاش بشاش دکھائی دیتا تھا۔ لوگوں نے پوچھا ''حضرت! بیماری تو آپ کو اتنی شدید ہے کہ اذیت کی کوئی انتہا نہیں۔ بیٹھ نہیں سکتے، اٹھ نہیں سکتے، لیکن چہرہ اتنا شاداب کہ کسی تندرست آدمی کا بھی نہیں ہو سکتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟''

جواب میں انہوں نے فرمایا۔ ''ہاں! اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ نے مجھے یہ تکلیف دی تو میں نے اللہ سے شکوہ نہیں کیا، صبر اور تحمل سے کام لیا اور کہا: اے اللہ! تیرا شکر ہے، تو جس حالت میں رکھے، میں اسی پر راضی ہوں۔ میں نے اس حالت پر راضی رہنے کا اظہار کیا اور خود کو اللہ کے حوالے کر دیا، صبر سے کام لیا اور صبر ہی نہیں، شکر بھی کیا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا، یہ کہ ۳۲ برس سے روزانہ اس بستر کے اوپر فرشتے مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگرچہ میں نے ارادے سے مجاہدہ نہیں کیا، یہ تقدیری مجاہدہ ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے، یعنی بیماری لاحق ہوگئی اور میں نے صبر کیا، تو یہ ہے تو اضطراری مجاہدہ، مگر میں نے اس مجاہدے کو قبول کر کے صبر کیا۔ اس مجاہدے کی برکت سے اللہ نے میرے دل کے دروازے کھول دیئے اور اب فرشتوں سے مصافحہ کرتا ہوں۔''

یہ تھے صحابی حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ، اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے تندرست کو تسلی دی کہ تو تندرستی کو اللہ کو راضی کرنے اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ بنا اور بیمار کو بیماری میں تسلی دی کہ تو اگر صبر کرے اور ثواب کی امید رکھے، صابر اور راضی رہے تو یہ بیماری اللہ کی رضا اور اس تک پہنچنے کا ذریعہ بن جائے گی۔

بیوہ کے زمین کے ٹکڑے کے بدلے میں پورا محل دے دیا

کہا جاتا ہے کہ خلیفہ وقت حکم بن عبدالرحمٰن ثالث کو اپنا محل بنوانا تھا۔ اتفاق سے جو زمین پسند کی گئی اس میں ایک غریب بیوہ کا جھونپڑا آتا تھا، اس بیوہ کو کہا گیا کہ یہ زمین قیمتاً دے دے، مگر اس نے انکار کیا۔ خلیفہ نے زبردستی قبضہ کر کے اس زمین پر اپنا محل بنوالیا، اس بیوہ نے قاضی کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی شکایت کی۔ قاضی نے اسے تسلی دے کر کہا کہ اس وقت تم جاؤ، میں کسی مناسب وقت میں تمہارا انصاف کرنے کی کوشش کروں گا۔ خلیفہ حکم بن عبدالرحمٰن جب پہلے پہل محل اور باغ کو دیکھنے گیا تو اسی وقت قاضی بھی وہاں ایک گدھا اور خالی بوری لے کر آ گیا اور خلیفہ سے وہاں سے مٹی بھرنے کی اجازت چاہی، اجازت دے دی گئی۔

قاضی نے اس بورے میں مٹی بھر کر عرض کی کہ ''مہربانی فرما کر اس بورے کو اٹھانے میں اس کی مدد کی جائے۔'' خلیفہ نے اسے ایک مذاق سمجھا اور بورے کو ہاتھ لگا کر اٹھانے کی کوشش کی۔ چونکہ وزن زیادہ تھا، خلیفہ سے ذرا بھی نہ اٹھا۔ موقع مناسب تھا، لوہا گرم تھا، قاضی نے فوراً چوٹ لگائی، کہا ''اے خلیفہ! جب تو اتنا بوجھ اٹھانے کے قابل نہیں تو قیامت کے دن جب ہم سب کا مالک انصاف کرنے کے لئے عرش پر جلوہ افروز ہوگا اور جس وقت وہ بیوہ جس کی زمین تم نے زبردستی لے لی ہے اپنے پروردگار سے انصاف چاہے گی تو اتنی بھاری زمین کا بوجھ کس طرح اٹھا سکو گے؟'' خلیفہ پر اس برمحل بات کا بڑا اثر ہوا اور اس نے فوراً یہ محل اس کے لوازمات سمیت اس بیوہ کے حوالے کر دیا۔

ہمت مرداں مدد خدا کا سچا واقعہ

ایک نوجوان نے میٹرک کا امتحان دیا اور وہ اچھے نمبروں پر کامیاب ہوا۔ اس کے والد اور والدہ دونوں بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس کا والد بیمار بھی تھا اور کمزور بھی تھا۔ کام بھی نہ کرسکتا تھا۔ بچے نے باپ سے کہا، ابا مجھے کالج میں داخلہ دلوادیں۔ باپ نے کہا کہ ہم تو نان شبینہ کو ترستے ہیں، بیٹا تو دکان بناتا کہ کچھ ہمارے لئے کھانے پینے کا بندوبست ہو۔

باپ نے تین ہزار روپے سے اس کے لئے اپنے گھر کی بیٹھک میں ایک کریانے کی دکان بنائی، وہ بے چارہ اسکول میں فرسٹ آنے والا بچہ کریانے کی دکان چلانے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے پڑھنے کا شوق تھا۔ اس نے .F.Sc (ایف ایس سی) کی کتابیں لے لیں اور چوری چھپے پڑھنی شروع کر دیں۔ والدہ کو پتہ نہیں ہے، والد کو پتہ نہیں ہے، لڑکا فارغ وقت میں دکان پر کتاب پڑھتا، جب کوئی گاہک آتا تو اسے سودا دے دیتا۔ خیر اس نے .F.Sc کی فزکس، کیمسٹری اور میتھ کی ساری کتابیں پرائیویٹ خود پڑھ لیں۔ کہیں کہیں اٹکنے لگا تو اس نے ایک پروفیسر صاحب سے کہا میں پڑھنا چاہتا ہوں، مجھے پریکٹیکل بھی کرنے ہیں۔ آپ میری مدد کریں۔

پروفیسر صاحب نے کہا، میں پریکٹیکل کرواتا ہوں۔ مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ مجھے تو خوشی ہوگی۔ اب دیکھو اس بچے نے کتنی عقلمندی کا مظاہرہ کیا کہ جس دن پریکٹیکل ہوتا اپنے سودا لانے کا وہی دن مقرر کرتا اور چار دن پہلے ہی والد کو کہتا کہ میں نے فلاں دن سودا لانا ہے۔ والد کہتا، بہت اچھا۔ اس دن یہ لڑکا پیسے لیتا اور بازار میں جاتا اور ایک بہت ہی دیندار، پرہیزگار آدمی کو لسٹ دیتا کہ یہ سودا نکال کر رکھو اور میں ابھی آتا ہوں۔ جتنی دیر میں دکاندار سودا نکالتا یہ لڑکا اس وقت کالج میں جا کر پریکٹیکل کر لیتا۔ پریکٹیکل کر کے واپس آتا تو سودا اٹھا کر گھر آتا۔ باپ کو پتہ نہ چلتا کہ بیٹا صرف سودا لے کر آیا ہے یا سودے کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل بھی کر کے آیا ہے۔ حتیٰ کہ امتحان شروع ہو گیا۔

امتحان بھی اس نے سودے کی آڑ میں دے دیا۔ .F.Sc کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ آپ یقین کریں کہ یہ لڑکا پرائیویٹ امتحان کے بعد لاہور بورڈ میں سیکنڈ آیا۔ جب اخبار میں خبر آئی تو محلے والے اس کے والد کو مبارکباد دینے لگے۔ باپ کہتا ہے کہ میرا بیٹا تو پڑھتا ہی نہیں۔ وہ تو دکانداری کرتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں تیرا بیٹا بورڈ میں سیکنڈ آیا ہے۔

حتیٰ کہ لوگوں نے تسلی دلائی کہ معاملہ یوں تھا۔ پھر کچھ لوگوں نے مل ملا کر چند ایک صاحب حیثیت لوگوں کو صورت حال بتائی اور ان کو کہا کہ اگر آپ اپنی طرف سے کوئی پرائیویٹ اسکالرشپ دے دیں تو لڑکا بھی پڑھ جائے گا اور ماں باپ کو بھی کچھ مل جائے گا۔

چنانچہ اس کے لئے دو تین ہزار روپے کا بندوبست کیا۔ اس اسکالرشپ میں سے کچھ تو اس کے ماں باپ کو دیا

کہ آپ یہ لیں اور مزے سے بیٹھ کر کھائیں۔ لڑکے کو یونیورسٹی میں داخل کروائیں تاکہ یہ وہاں سے انجینئرنگ کر سکے۔ اس نے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں داخلہ لیا۔ سول انجینئرنگ میں کورس کیا۔ آج وہ لڑکا ایکسین لگا ہوا ہے۔ گاڑی اس کو ملی ہوئی ہے، کوٹھی اس کو ملی ہوئی ہے۔ اس کے ماں باپ اس کوٹھی میں رہتے ہیں۔

یہ سچا واقعہ ہے۔ اس سے کیا نتیجہ نکلا کہ جب انسان دل میں مصمم ارادہ کر لیتا ہے تو وہ کام کر گزرتا ہے۔ سچ ہے کہ خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

اللہ کی مدد کا ایک حیرت انگیز واقعہ

سید نعمت اللہ جزائری کتاب ''انوار نعمانیہ'' میں یہ واقعہ لکھتے ہیں:

ایک رات چند چور کسی کے گھر میں گھس گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ گھر کا سارا مال اٹھا کر لے جائیں۔ لیکن جب کمرے میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ میاں بیوی اور ایک شیر خوار بچہ سب کے سب سو رہے ہیں۔ چور آپس میں کہنے لگے ہوسکتا ہے یہ بچہ جاگ جائے اور ماں باپ اس کے رونے کی آواز سن کر اٹھ جائیں۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس بچے کے جھولے کو اٹھا کر باہر رکھ دیا جائے۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بچے کا جھولا اٹھا کر گلی میں رکھ دیا۔ پھر وہ گھر کا ساز و سامان اٹھا اٹھا کر باہر رکھنے لگے۔ جب سارا سامان گھر کے باہر رکھ چکے تو اس خیال سے کہ شاید کوئی چیز رہ گئی ہو، گھر میں آ کر دوبارہ اچھی طرح جائزہ لینے لگے۔ عین اسی وقت بیوی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ بچے کا جھولا نہیں ہے۔ فوراً ہی اپنے شوہر کو جگایا اور دونوں گھبرائے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ صحن کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمام چور اس وقت کمرے میں چھپے ہوئے تھے۔

دونوں میاں بیوی کمرے سے باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ گھر کا سارا سامان اور بچے کا جھولا گلی میں موجود ہے۔ جیسے ہی یہ دونوں اپنے کمرے سے نکل کر گلی میں پہنچے، پورا گھر دھڑام سے گر گیا اور تمام چور اس کے ملبے میں دب کر رہ گئے! یہ دونوں حیران تھے اور انہیں کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ سارا سامان کون باہر لے کر آیا ہے۔ صبح کو جب مزدوروں نے آ کر ملبہ ہٹایا تو اس میں سے چوروں کی لاشیں برآمد ہوئیں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کی برکت

مجھے اپنے بزرگوں سے یہ حاصل ہوا ہے۔ وہ یہ کہ جب کسی کی بیوی امید سے ہو، اور اس کی یہ خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بیٹا عطا فرمادے تو وہ عورت اپنی شہادت کی انگلی کو اپنی ناف کے اردگرد گھمائے اور اکتالیس مرتبہ ''یامتین'' پڑھے اور پڑھنے کے بعد یہ کہے کہ یااللہ! میرے پیٹ میں جو بچہ ہے، میں نے اس کا نام آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ''محمد'' رکھ دیا۔ اس عمل کی یہ برکت ہے کہ اس سے لڑکا پیدا ہوتا ہے کیونکہ ''محمد'' نام کا لڑکا ہی ہوسکتا ہے۔ لڑکی نہیں ہوسکتی۔ لیکن یہ سب تدبیریں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو کسی کو ان تدابیر کے اختیار کرنے کے باوجود لڑکی عطا فرمادیں اور کتنے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو ان تدبیروں کے بغیر لڑکا عطا فرمادیتے ہیں۔

یہ تدابیر ایسی ہیں جیسی دوا، کہ ایک ہی دوا ایک وقت میں کام کرتی ہے اور دوسرے وقت میں کام نہیں کرتی۔ دو مریض ہیں اور ان دونوں کو ایک ہی بیماری ہے، ایک دوا سے اس کو صحت حاصل ہو رہی ہے اور دوسرے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ لہٰذا جس طرح دواؤں کے اثرات ہیں، ان تدابیر کے اندر بھی اثرات ہیں، وہ اثرات دراصل اللہ تعالیٰ کے حکم کے محتاج ہیں۔ اب آدمی کا کام ہے کہ دوا بھی کرے، تدابیر بھی اختیار کرے، اور اس کے ساتھ دعا بھی کرے۔ پھر جو کچھ اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اس پر راضی رہے۔ اسی کا نام عبدیت اور بندگی ہے۔

قرآن مجید سن کر کمیونسٹ رو پڑے:

آپ نے مصر کے مشہور قاری عبدالباسط عبدالصمد کا نام سنا ہوگا۔ لوگ ان کی کیسٹیں بھی سنتے ہیں۔ ایک مرتبہ اس عاجز نے امریکہ کا دورہ کیا۔ اس میں قاری عبدالباسط عبدالصمد بھی تھے۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے اور یہ عاجز کبھی انگلش میں، کبھی اردو میں جیسا مجمع ہوتا، ایسا بیان کر دیتا اور آپ کو پتہ ہی ہے کہ وہ کیسا قرآن پڑھتے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ ''قاری صاحب! آپ اتنا قرآن پاک پڑھتے ہیں، آپ نے قرآن پاک کا کوئی معجزہ دیکھا؟''

وہ کہنے لگے ''میں نے کئی معجزے دیکھے۔''

عرض کیا۔ ''ہمیں بھی سنا دیجئے۔''

تو انہوں نے نام لیا کہ ''ایک مرتبہ ہمارے ملک کے بڑے صدر کو روس جانا پڑا، کوئی اپنا کام ہوگا، وہاں کے حکام نے ان سے میٹنگ کے بعد کہا۔ کیا مسلمان بنے پھرتے ہو، چھوڑو اس مسلمانی کو، ہماری طرح بن جاؤ، ہم تمہاری مدد کریں گے، تم ترقی یافتہ قوموں میں شامل ہو جاؤ گے۔'' اس کے بعد اس نے بات کرنے کی کوشش تو کی، لیکن بات نہ بن پڑی۔

دو تین سال کے بعد پھر ان کا جانا ہوا (قاری صاحب کہتے ہیں کہ) مجھے اطلاع ملی کہ صدر صاحب چاہتے ہیں کہ تم بھی ''ماسکو'' چلو۔ فرمایا یہ سن کر میں بڑا حیران ہوا کہ عبدالباسط کی ضرورت پڑے عرب میں، امارات میں، پاکستان میں، ہندوستان میں، جہاں جہاں مسلمان ہوتے ہیں وہاں۔ روس میں تو کافر دین و مذہب کو مانتے ہی نہیں۔ دہریئے ہیں۔ وہاں میری کیا ضرورت پڑی؟

لیکن میں نے تیاری کی اور ساتھ چل پڑا۔ کہنے لگے۔ وہاں ان کی پھر میٹنگ ہوئی۔ میٹنگ کے بعد قاری صاحب کے بارے میں صدر صاحب نے کہا کہ یہ میرے دوست ہیں۔ یہ آپ کے سامنے کچھ پڑھیں گے۔ وہ نہ سمجھے کہ کیا پڑھیں گے۔ قاری صاحب نے کہا کہ مجھے اشارہ ملا تو میں نے پڑھنا شروع کر دیا اور پڑھا بھی کیا:

طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقی الا تذکرۃ لمن یخشٰی

''طٰہٰ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے نہیں اتارا کہ آپ تکلیف اٹھائیں بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے اتارا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔'' (پ۱۶، سورہ طٰہٰ، آیت۱۴)

کہتے ہیں کہ دو رکوع میں نے پڑھے اور ان دو رکوع میں وہ آیتیں بھی پڑھیں:

اننی انا اللہ لاالہ الا انا فاعبدنی و اقم الصلوٰۃ لذکری

''میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔'' (پ۱۶، سورۂ طٰہٰ، آیت۱۴)

ان آیتوں کو سن کر کسی دور میں حضرت عمرؓ بھی ایمان لے آئے تھے۔ کہتے ہیں جب میں نے دو رکوع پڑھے اور سر اٹھایا تو میں نے قرآن مجید کا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ سامنے بیٹھے ہوئے دہریوں میں سے چار بندے ایسے تھے جو آنسوؤں سے رو رہے تھے۔ کہنے لگے، سب حیران ہو گئے۔ ہمارے صدر صاحب نے پوچھا کہ ''آپ کیوں رو رہے ہو؟''

کہنے لگے۔ ''ہمیں تو پتہ نہیں کہ اس نے کیا پڑھا ہے۔ لیکن اس کے پڑھنے میں تاثیر ایسی تھی کہ دل ہمارے موم ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''

فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن پاک کا یہ معجزہ دیکھا کہ جو اسے مانتے نہیں، جانتے نہیں، اگر ان کے سامنے پڑھا جائے تو ان کے سینوں میں بھی اترتا چلا جاتا ہے۔ ان کے دلوں میں بھی اثر پیدا کرتا ہے۔

چھوٹے سے عمل کو چھوٹا نہ سمجھو نہ معلوم......:

ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل اور ایک شخص ایک نہر پر وضو کر رہے تھے۔ امام صاحب نیچے کی طرف تھے، وہ مخالف طرف اس نے خیال کیا۔ یہ بے ادبی ہے کہ میرے وضو کا پانی ان کی طرف جا رہا ہے۔ وہ اٹھا اور ان کے نیچے کی طرف جا بیٹھا، بس اتنا عمل اس نے کیا۔ ایک بزرگ کا احترام کیا۔ انتقال کے بعد اس کو کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا ''کیا گذری؟''

کہا ''اور تو کچھ میرے پاس نہ تھا۔ صرف حضرت امام کے ایک دن کی تعظیم کرنا کام آ گئی۔ اسی واسطے حدیث میں ہے کہ ''کسی چھوٹے عمل کو چھوٹا نہ سمجھ نہ معلوم اللہ پاک کو کونسا عمل پسند آ جائے۔''

جو شخص مجھے دیکھے کسی پر ظلم نہ کرے:

ایک شخص پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ ''جو شخص مجھے دیکھے، کسی پر ظلم نہ کرے۔''
ایک شخص نے اس کی پکار سن کر پوچھا۔ ''اے شخص! تیری کیا کہانی ہے۔''
اس نے اپنی یہ کہانی سنائی۔ ''میں ایک سپاہی تھا، ایک دن میں ساحل پر آیا، میں نے ایک شکاری کو دیکھا۔ اس نے ایک مچھلی پکڑی۔ میں نے اس سے کہا ''یہ مچھلی مجھے دے دو۔'' اس نے انکار کیا۔ ''میں نے کہا ''میرے ہاتھ فروخت کر دو۔'' اس نے انکار کیا۔ میں نے اس کے سر پر ایک کوڑا مار اور مچھلی اس سے چھین لی۔ مچھلی کو ہاتھ میں لٹکاتے گھر کی



طرف چل پڑا۔ اچانک مچھلی نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا اور چبا ڈالا۔ انگوٹھا چھڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن انگوٹھا اس وقت نکلا جب اس میں سوراخ ہو چکے تھے۔

میں نے اس کو طبیب کو دکھایا، اس نے بتایا کہ یہ مرض آکلہ ہے۔ انگوٹھا کاٹنا پڑے گا ورنہ یہ مرض سارے جسم میں پھیل جائے گا اور تو ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے انگوٹھا کٹوادیا۔ لیکن مرض ہاتھ میں آ گیا۔ پھر میں نے ہاتھ کٹوادیا۔ مرض پھر آگے بڑھا تو میں چیخ پڑا۔ وحشت کے انداز میں بھاگ نکلا۔ جنگل میں ایک درخت کے نیچے مجھے نیند آ گئی۔ کسی نے خواب میں کہا۔ ''کب تک اپنے اعضاء ایک ایک کر کے کٹوائے گا۔ جس کا حق چھینا ہے، اسے لوٹا دے۔''

اس وقت مجھے وہ مچھلی یاد آ گئی، میں فوراً ساحل پر پہنچا۔ شکاری وہاں موجود تھا۔ اسے اپنا حال بتایا۔ اس سے معافی مانگی۔ میرا حال دیکھ کر اس نے کہا۔ ''میں نے تجھے معاف کیا۔''

اس کے یہ کہتے ہی میرے ہاتھ کے کیڑے گرنے لگے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ ''آپ نے بددعا کیا کی تھی؟ اتنا تو بتادیں؟''

اس نے بتایا میں نے کہا تھا ''اے اللہ! تو نے ہی اسے اور مجھے پیدا کیا ہے۔ اسے مجھ سے قوی بنایا ہے اور مجھے کمزور، اس نے مجھ پر ظلم کیا، نہ تو نے مجھے اس سے بچایا، نہ اتنی طاقت دی کہ اس کے ظلم سے محفوظ رہتا اور اپنے آپ کو اس سے بچالیتا۔ میں تجھ سے تیری اسی قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اسے قوی کیا اور مجھے کمزور بنایا۔ اس شخص کو مخلوق کے لئے عبرت بنادے۔''

یہ بددعا سنانے کے بعد اس نے کہا۔ ''لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں تیرے ساتھ زیادتی ہوئی۔ ایک مچھلی کی خاطر مجھے ایسی بددعا نہیں کرنا چاہئے تھی۔ لہٰذا اب تو میری طرف سے یہ قبول کر لے اور اسے اپنے کام میں لے۔''

یہ کہہ کر اس نے مجھے بیس ہزار درہم دیئے۔ لہٰذا میں پکارتا رہتا ہوں ''جو مجھے دیکھے وہ کسی پر ظلم نہ کرے۔''

میں نے جانا! یہ بھی میرے دل میں ہے:

مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی کہ فلاں گاؤں نعوذ باللہ مرتد ہو گیا ہے۔ آپؒ نے مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ کو روانگی کا حکم فرمایا۔ مولانا احمد سعید نے گاؤں پہنچ کر حالات معلوم کئے۔ دریافت کیا کہ یہ آریہ لوگ ان گاؤں والوں سے کیا کہتے ہیں اور کیسے بہکاتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ آریہ لوگ یہ کہتے ہیں۔ ''تمہارے باپ دادا سب ہندو تھے، مسلمانوں نے آ کر تم سب کو زبردستی مسلمان بنایا اور تمہاری چوٹیاں کاٹیں۔''

مولانا احمد سعید نے جلسے کا اعلان کیا اور (جب لوگ جمع ہو گئے تو) کھڑے ہو کر فرمایا:

''آج اس گاؤں میں آ کر ایک بہادر قوم کے سپوتوں سے مل کر میں بے انتہاء خوش ہوں۔ ملکانہ قوم دنیا کی چند بہادر قوموں میں سے ایک ممتاز قوم ہے۔ یہ

قوم ہندوستان کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ تمہارے باپ دادا نے ہمیشہ ہندوستان کی حفاظت کی ہے۔ دشمنوں سے کبھی ہار نہیں مانی اور بھائی مجھے ان لوگوں پر بڑی حیرت ہوتی ہے جو تمہارے باپ دادوں کو تمہارے منہ پر بزدل اور ڈرپوک کہتے ہیں اور تم جوان سور ماؤں کی اولاد ہو، سنتے بھی ہو اور برا بھی نہیں مانتے۔ لوگ تمہیں آ کر بہکاتے ہیں کہ تمہارے باپ دادوں کو مسلمانوں نے مار مار کر زبردستی مسلمان بنایا اور ان کی گردنیں پکڑ پکڑ کر چوٹیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ کیا تمہارے باپ دادا واقعی ایسے ہی کمزور اور ڈرپوک تھے؟ مجھے یقین نہیں آیا۔ دیکھو بھئی، یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارے باپ دادا سے کوئی آنکھ بھی نہیں ملا سکتا تھا۔ وہ اسلام کو ایک اچھا اور سچا دین سمجھ کر مسلمان ہوئے تھے۔ کیا اب تم اپنے سچے دین کو چھوڑ کر اپنے باپ دادوں کی روحوں کو صدمہ نہیں پہنچا رہے ہو؟''

تقریر ختم ہوتے ہی تمام لوگ پھر مسلمان ہو گئے۔ ایسے ہوتے تھے ہمارے اکابرین اور ان کی تقریریں۔ بقول غالب:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے جانا، یہ بھی میرے دل میں ہے

برائی کا انجام

ایک شخص کسی بادشاہ کا خاص آدمی تھا۔ جب وہ بادشاہ کے ساتھ جاتا تو یہ جملہ کہتا:

''احسان کرنے والے کے ساتھ بدلے میں اچھا سلوک کرنا چاہئے، کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی تیری طرف سے کافی ہو جائے گی۔''

ایک دوسرا شخص اس کے رتبے سے جلتا تھا، حسد کرتا تھا، یہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: ''حضور! جو شخص آپ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ جملہ کہتا ہے، وہ آپ کی پیٹھ پیچھے کچھ اور کہتا ہے، وہ کہتا ہے بادشاہ کے منہ سے بدبو آتی ہے۔''

بادشاہ نے یہ سن کر کہا۔ ''لیکن اس بات کی تصدیق کیسے ہو بھلا؟''

جواب میں اس نے کہا۔ ''جب وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو، اسے اپنے پاس بلوائیے، قریب آنے پر وہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لے گا تا کہ آپ کے منہ کی بدبو اسے محسوس نہ ہو۔''

بادشاہ نے اس کی بات سن کر کہا۔ ''ٹھیک ہے، ہم کل اس کا امتحان لیں گے۔''

ادھر اس شخص نے درباری کی اپنے گھر دعوت کی، اسے ایسا کھانا کھلایا جس میں بہت لہسن تھا۔ اتنے میں دربار کا وقت ہو گیا۔ وہ شخص معمول کے مطابق بادشاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا اور اپنا وہی جملہ دہرایا۔ ''احسان کرنے والے کے ساتھ بدلے میں اچھا سلوک کرنا چاہئے، کیونکہ بدی کرنے والے کو تو خود اس کی بدی تیری طرف سے کافی ہو جائے گی۔''

بادشاہ نے اسے نزدیک آنے کے کہا۔ اب اسے خوف محسوس ہوا کہ وہ تو لہسن کھا کر آیا ہے، کہیں بادشاہ کو بُو نہ محسوس ہو۔ چنانچہ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور بادشاہ کے نزدیک چلا گیا۔ بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ جو کچھ اس شخص نے کہا تھا، وہی سچ ہے۔ بادشاہ نے اسی وقت اپنے ایک عامل کے نام رقعہ لکھ کر اسے دیا۔ اس نے رقعہ میں لکھا تھا، جب یہ شخص رقعہ لے کر پہنچے تو اسے قتل کر دینا اور اس کی کھال میں بھوسہ بھروا کر ہمارے پاس بھیج دینا۔

یہ شخص رقعہ لے کر دربار سے نکلا۔ بادشاہ کا معمول یہ تھا کہ جب کسی کو انعام دینا ہوتا تو رقعہ لکھ کر اس عامل کے پاس بھیج دیتا تھا۔ باہر وہ حاسد موجود تھا، اس کے ہاتھ میں رقعہ دیکھ کر اس نے گمان کیا کہ اسے تو الٹا بادشاہ نے انعام دے ڈالا۔ چنانچہ بولا۔ ''لاؤ، رقعہ میں پہنچا دیتا ہوں۔''

اس نے رقعہ اسے دے دیا۔ وہ اس عامل کے پاس پہنچا۔ اس نے رقعہ کو پڑھا اور بتایا۔ ''اس میں لکھا ہے کہ تمہیں قتل کر کے تمہاری کھال میں بھوسہ بھروا کر بادشاہ سلامت کے پاس بھیج دیا جائے۔''

اب تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ گھبراہٹ کے عالم میں اس نے عامل کو ساری بات بتائی اور کہا۔

''آپ یہ رقعہ مجھے دے دیں، میں اصل آدمی کو جا کر دے دیتا ہوں۔ وہ خود یہ رقعہ آپ کے پاس لے آئے گا۔''

اس پر عامل نے کہا۔ ''لیکن بادشاہ نے اس رقعے میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ رقعہ لے کر آئے، اسے قتل کر دیا جائے اور رقعہ تو تم ہی لے کر آئے، لہذا میں مجبور ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے جلاد کو اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ اس کی کھال میں بھوسہ بھروایا اور بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ ادھر دوسری صبح معمول کے مطابق یہ دربار پہنچا۔ بادشاہ اسے زندہ دیکھ کر حیران ہوا۔ اس نے پوچھا۔ ''تم نے رقعے کا کیا کیا؟''

اس نے ساری بات بتا دی۔ یہ بھی بتایا کہ خود بادشاہ کے بارے میں اس نے کیا کہا تھا اور پھر لہسن کھلانے کے بارے میں بھی بتایا۔ اب ساری بات بادشاہ کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے کہا۔ ''جو ہوا اچھا ہوا، خیر اپنا کام کر گئی، بدی

کرنے والے کو اس کی بدی ہی تیری طرف سے کافی ہوگئی۔"

کیا ہوا دل کو تیرے کیوں اس قدر رکھتا ہے غم:

حضرت شرف الدین محمد البوصیری رحمتہ اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری کے معروف و بلند پایہ عالم حدیث، صوفی، عاشق رسول کریم ﷺ اور شاعر وادیب ہیں۔ آپ پر آخری عمر میں فالج کا حملہ ہوا اور بہت علاج معالجہ کرایا، مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر آپ نے تمام علاج سے مایوس ہوکر یہ ارادہ کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہوں اور پھر اسی کے واسطے سے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں صحت کی دعا و درخواست پیش کروں۔ چنانچہ آپ نے قصیدہ لکھنا شروع کیا۔ جس وقت قصیدہ اختتام پذیر ہوا تو آپ کو نیند سی آ گئی۔

خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے جسم پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور چادر اوپر ڈال دی، بس فوراً آپ صحیح ہو گئے، نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو صحیح وسالم پایا۔

حضرت امام بوصیریؒ خود فرماتے ہیں کہ صبح جب میں باہر نکلا تو ایک درویش سے میری ملاقات ہوئی جو ناواقف تھا۔ مگر اس نے مجھے کہا کہ "آپ نے جو نعتیہ قصیدہ لکھا ہے وہ سناؤ۔"

میں نے پوچھا کونسا قصیدہ سناؤں؟"

انہوں نے کہا" وہ قصیدہ جس کی ابتداءً امن تذکر جیران بذی سلم سے ہوتی ہے۔"

پھر اس درویش نے بتلایا کہ " خدا کی قسم کل رات میں نے تمہیں حضور ﷺ کے دربار میں یہی قصیدہ پڑھتے سنا ہے۔" میں نے یہ قصیدہ ان کے حوالے کر دیا۔

بس پھر اس قصیدہ کا بڑا چرچا ہوا۔ حتیٰ کہ اس وقت کے بڑے وزیر بہاؤالدین نے اس قصیدہ کو نقل کروایا اور وہ اس قصیدہ کو کھڑے ہوکر ادب سے سنا کرتا تھا۔ قصیدہ کے اردو مترجم محمد فیاض الدین نظامی لکھتے ہیں کہ ۱۹۵۶ء میں، میں نے اس قصیدہ کو مسجد نبوی ﷺ کی چھت کے گنبدوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا دیکھا۔

یہ قصیدہ جو بعد میں قصیدہ بردہ کے نام سے معروف ہوا اور بڑے بڑے علماء وصلحاء نے اس کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے، ہم اپنے قارئین کے لئے نقل کر رہے ہیں۔ تا کہ جسے توفیق ہو وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی دعا حاضر کرے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ ہمارے لئے بھی عشق وادب سے لبریز یہ کلام دعاؤں کی قبولیت کا قوی وسیلہ بنے گا۔ چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں:

امن تذکر جیران بذی سلم

مزجت دمعا جری من مقلة بدم
کیا تمہیں یاد آگئے ہمسایگان ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دم بدم

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمة
او اومض البرق فی الظلمآء من اضم
یا صبا لائی ہے سمت کاظمہ سے اک پیام
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوم اضم

فما نعینیک ان قلت اکففا ھمتا
وما لقلبلک ان قلت استفق بھم
کیا ہوا آنکھوں کو تیری رو رہی ہیں زار زار
کیا ہوا دل کو تیرے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

ایحسب الصب ان الحب منکتم
ما بین منسجم منہ ومضطرم
ہے عبث تیرا گمان چھپتا نہیں ہے رازِ عشق
اس کو افشا کررہے ہیں سوزِ دل اور چشمِ نم

لولا الھوی لم ترق دمعا علی طلل
ولا ارقت لذکر البان والعلم
یوں نہ دیوانوں پہ روتا گر نہ ہوتا سوزِ عشق
مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصہ بان و علم

فکیت تنکر حبا بعد ماشھدت
بہ علیک عدول الدمع والسقم
عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں
ہیں گواہ معتبر صورت تیری اور چشمِ نم

شریک حیات کے انتخاب میں عقل مند عورت:

ام ابان بن عتبہ بن ربیعہ کے شوہر ابان بن سعید بن الاعاص بن امیہ تھے۔ جو جنگ اجنادین میں شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے شوہر کو ان کے ساتھ صرف دو راتیں بسر کرنے کا موقعہ ملا اور پھر شہید ہو گئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کے شوہر یزید بن ابی سفیان تھے جو وفات فرما گئے تھے تو جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو حضرت عمر بن خطابؓ نے ان کو پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے انکار کردیا۔ پوچھا گیا کس وجہ سے انکار کردیا ہے تو کہا ''وہ ترش روآتے ہیں، اسی طرح جاتے ہیں، ان کے دروازے بند رہتے ہیں اوران کا مال بھی کم ہے۔''



پھران کو حضرت زبیر بن العوام نے پیغام بھیجا تو ان کو بھی انکار فرمادیا۔ پوچھا کیوں؟ تو کہا کہ ''ان کا ایک ہاتھ عورت کی چوٹی میں اور دوسرا کوڑے میں رہتا ہے۔''

پھر حضرت علیؓ نے ان کو پیغام نکاح دیا تو بھی انکار کردیا پھر پوچھا گیا کیا وجہ ہے؟ فرمایا ''عورتوں کو ان سے صرف مباشرت ملتی ہے اور کچھ نہیں۔''

پھر حضرت طلحہؓ نے پیغام بھیجا تو کہا یہ میرے لئے صحیح شوہر بننے کے حقدار ہیں۔ پوچھا گیا یہ کیسے؟ فرمایا کہ ''میں ان کے اخلاق سے باخبر ہوں۔ اگر آتے ہیں تو ہنستے مسکراتے اور جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے۔ اگر بیوی سوال کرے تو عطا کرتے ہیں اور اگر آپ چپ رہیں تو وہ خود ابتداء کرتے ہیں اور اگر کام کریں تو وہ شکریہ ادا کرتے ہیں اور گر کوئی خطا سرزد ہو جائے تو اس کے لئے استغفار کرتے ہیں۔''

جب حضرت طلحہؓ نے ان سے سہاگ رات گزار لی تو حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ حضرت طلحہؓ سے فرمایا۔ ''اے ابومحمد! اگر آپ اجازت دیں تو میں ام ابان سے کچھ بات کرلوں؟''

حضرت طلحہؓ نے فرمایا ''بات کرلیں۔''

تو یہ گئے اور کہا۔ ''السلام علیک اے اپنے جان کو عزیز رکھنے والی۔''

تو ام ابان نے جواب دیا ''وعلیک اللہ۔''

پھر حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''تو نے ہم میں سے جس کو چاہا انکار کر دیا اور ابن بنت الحضرمی سے شادی کر لی۔''
توام ابان نے کہا ''قسمت کا فیصلہ ہے۔''
حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ''بہر حال آپ (کا انتخاب بہت عمدہ ہے کہ آپ نے) ہم میں سب سے خوبصورت اور سب سے سخی اور گھر والوں کے بارے میں سب سے بہتر سے شادی کی ہے۔''

حضرت جنید بغدادیؒ کے ساتھ دستر خوان پر پرندہ کا کھانا کھانا

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کسی شخص نے تحفۃً کوئی پرندہ بھیجا۔ جس کو انہوں نے قبول فرمالیا اور ایک مدت تک اپنے پاس رکھ کر اس پرندہ کو رہا کر دیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا کہ اس پرندہ نے مجھ سے فریاد کی کہ ''جنید! افسوس ہے کہ آپ تو اپنے احباب کی مناجات سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور میں بے مونس و غم خوار آپ کے اس پنجرے میں مقید رہوں۔''
میں نے اس کی یہ درد بھری فریاد سن کر اس کو آزاد کر دیا اور وہ پرندہ جاتے وقت یہ کہہ کر اڑ گیا کہ ''جب تک کوئی پرندہ ذکرِ الٰہی میں مصروف رہتا ہے وہ جال کے پھندے سے آزاد رہتا ہے۔ اور جہاں ذکر الٰہی سے غفلت ہوئی کسی نہ کسی جال کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ میں تو بس ایک ہی مرتبہ ذکر سے غافل ہوا تھا کہ مجھے اس کی سزا میں پنجرے کی قید میں مقید ہونا پڑا۔ ہائے افسوس ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اکثر و بیشتر یادِ الٰہی سے غافل رہتے ہیں۔ حضرت جنید! میں آپ سے مستحکم وعدہ کرتا ہوں کہ اب کبھی ایسا نہ کروں گا۔''
اس کے بعد کبھی کبھی وہ پرندہ حضرت جنیدؒ کی زیارت کے لئے آتا اور دستر خوان پر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا۔ چنانچہ جب حضرت جنیدؒ کا انتقال ہوا تو وہ پرندہ بھی تڑپ کر زمین پر گرا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر لوگوں نے اس پرندہ کو بھی حضرت جنیدؒ کے ساتھ ہی دفن کر دیا اور مدت کے بعد حضرت جنیدؒ کے مریدوں میں سے کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کر دریافت کیا کہ ''حضرت آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟''
تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ''اس پرندے پر رحم کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بھی رحم فرما دیا۔''

علم میراث وریاضی میں مہارت کا ایک عجیب واقعہ:

مامون کے دربار میں ایک عورت نے آ کر فریاد کی کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس نے ترکے میں ۶۰۰ اشرفیاں چھوڑی ہیں، لیکن مجھے صرف ایک اشرفی دی گئی ہے۔ لہذا مجھے میرا حق دلایا جائے۔

مامون نے ذرا سکوت کیا اور دل ہی دل میں غور کیا، حساب لگایا اور کہا کہ تمہارا حصہ ایک ہی اشرفی بنتا ہے۔ عورت یہ بات سن کر حیران رہ گئی۔ حاضرین دربار بھی تعجب کرنے لگے۔ ایک عالم نے پوچھا ''کیوں اور کس طرح یہ ہوسکتا ہے؟''

مامون نے کہا ''متوفی کی دو بیٹیاں ہوں گی، چھ سو میں دو تہائی یعنی چار سو اشرفیاں ان کا حق ہے۔ ایک والدہ اور ایک بیوہ ہوگی۔ والدہ کا چھٹا حصہ ہوتا ہے سو اشرفیاں والدہ کی ہوئیں۔ آٹھواں حصہ بیوی کا ہوتا ہے۔ پچھتر اشرفیاں بیوی کو ملیں۔ صرف پچیس اشرفیاں بچیں۔ متوفی کے بارہ بھائی ہوں گے۔ یہ پچیس اشرفیاں بھائیوں اور ایک بہن میں تقسیم کی جائے گی۔ بہن سے بھائی کا حصہ دو چند ہوتا ہے۔ ہر ایک بھائی کے حصے میں دو اشرفیاں اور بہن کے حصے میں ایک اشرفی ہوگی۔''

جب عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا ''واقعی متوفی نے یہی وارث چھوڑے ہیں۔'' مامون کی حساب دانی اور معاملہ فہمی پر اہل دربار دنگ رہ گئے۔

تاریخ کے اسباق

چارلس بیئرڈ سے کہا گیا کہ وہ تاریخ کے اسباق کا خلاصہ پیش کرے تو انہوں نے خلاصہ صرف چار جملوں میں اس طرح پیش کیا۔

۱۔ خدا جس کو تباہ کرنا چاہتا ہے اسے اقتدار دے کر پاگل کر دیتا ہے۔

۲۔ خدا کی چکی دھیرے دھیرے چلتی ہے مگر بہت باریک پیستی ہے۔

۳۔ شہد کی مکھی اسی پھول کو بارآور کرتی ہے جس کا رس چراتی ہے۔

۴۔ جب اندھیرا زیادہ ہو تو ستارے نظر آنے لگتے ہیں۔

حقیقی معنوں میں مجاہد بنئے

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیئے تھے اور جب ایرانی سپہ سالار رستم نے عالم بے چارگی میں سرد آہ کھینچی اور کہا ''دیو آ گئے ......'' اور وہ زمانہ بھی یاد ہے جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی افواج قاہرہ شہنشاہان روما کے چھکے چھڑا رہی تھی اور جب صلاح الدین ایوبی رحمتہ اللہ کی للکار ایوان یورپ میں تہلکہ مچا دیتی تھی ...... جب ترکان عثمانی کے سربکف نوجوان آسٹریلیا کے دارالخلافہ کا محاصرہ کررہے تھے ...... جب بحیرہ روم کی نیلی سطح پر کسی قوم کا جہاز ہماری اجازت کے بغیر ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کیا آج بھی ہم میں وہ ہیبت موجود ہے؟ نہیں ...... سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہیبت کہاں سے اور کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ حقیقی معنوں میں مسلمان اور مجاہد بننے سے۔

مومیائی کا استعمال اور تلاش

ملا احمد تاریخ الحکماء میں فرماتے ہیں کہ شاہ ایران فریدون کے عہد میں کچھ سپاہی شکار کے لئے نکلے اور انہوں نے ایک ہرن کو تیروں سے زخمی کیا۔ مگر مجروح ہونے کے باوجود وہ بھاگ گیا اور مزید تلاش پر صحیح سلامت معلوم ہوا، حالانکہ تیر اس کے بدن میں پیوست تھا۔

ان سپاہیوں نے بڑی جدوجہد سے اسے پکڑا اور دیکھا کہ زخم کے قریب مومیائی لگی ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا تھا ہرن موضع مومیائی پر لیٹا تھا۔ اس کے بعد فریدون کے حکم سے اطباء نے اعضاء شکستہ اور زخموں پر اس کا استعمال کیا اور اس کو مفید پایا۔ اس وقت سے مومیائی استعمال ہونے لگی۔ یاد رہے مومیائی موم کی طرح نرم ایک مرہم ہے جو پہاڑوں سے حاصل ہوتی ہے۔



والدہ کی دعا سے امام بخاریؒ کو بینائی مل گئی

ابوعلی غسانی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھیں صغرسنی میں خراب ہوگئی تھیں، جس کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی۔ بہت سے اطباء سے علاج کیا، مگر فائدہ نہ ہوا۔ آپ کی والدہ آپ کی شفایابی کے لئے حسب عادت دعائیں کرتی رہیں۔

ایک رات خواب میں کیا دیکھتی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے ہیں اور خوشخبری دے رہے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹادی ہے۔ تمہاری دعاؤں اور گریہ وزاری کی وجہ سے اس کی آنکھیں درست فرمادی ہیں۔

صبح اٹھ کر انہوں نے دیکھا تو ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل بخاری کی آنکھیں واقعی درست ہوچکی تھیں اور بینائی واپس آچکی تھی۔

پھر اس کے بعد حضرت الامام کی بصارت اتنی قوی ہوگئی کہ پڑھنے، لکھنے کا کام چاند کی چاندنی میں بھی آسانی سے کرلیا کرتے تھے۔

ایک قاضی کا بادشاہ وقت کے خلاف فیصلہ

سلطان مظفر حلیم دسویں صدی ہجری میں گجرات کا والی تخت تھا۔ اسی کے عہد حکومت میں ایک گھوڑوں کے تاجر نے جانپانیر کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ بادشاہ نے اس سے گھوڑے خریدے ہیں اور قیمت ادانہیں کی۔ عدالت اسے گھوڑوں کی قیمت دلائے۔ قاضی نے اپنا قاصد بھیج کر بادشاہ کو عدالت میں طلب کرلیا۔ بادشاہ ملزم کی حیثیت سے عدالت میں آیا اور آداب بجا لاکر قاضی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ قاضی نے بادشاہ کو حکم دیا کہ عدالت کے آداب کوملحوظ خاطر رکھا جائے، عدالت میں اسے بیٹھنے کی اجازت ہے نہ زیادہ اونچی آواز میں بات کرنے کی! فیصلہ بادشاہ کے خلاف ہوا اور قاضی کے حکم پر بادشاہ کو اسی وقت رقم ادا کرنا پڑی۔

جب عدالت برخواست ہوئی تو قاضی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے قاضی کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا دیا اور صحیح فیصلہ کرنے پر اسے مبارکباد دی اور بولا ''یہ آپ کے امتحان کا وقت تھا۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ دیتے تو اس وقت انصاف کی کرسی پر نظر نہ آتے۔''

مغرب کی طرف جاتے ہی سورج ڈوب جاتا ہے:

بچو تقلید مغرب سے سنو! اے ایشیا والو
مغرب کی طرف جاتے ہی سورج ڈوب جاتا ہے

بے پردہ پھر رہی ہیں کیوں ملت کی بیٹیاں
رکھتی نہیں آج وہ خود کو حجاب میں
تہذیب یورپ نے سکھائی غلط روی
پانی سمجھ کے آ گئیں وہ کس سراب میں

شیطان جیسا بنانے والا عمل

ایک شخص نے شیطان سے پوچھا۔ ''وہ کیا عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ بہک جاتے ہیں؟''

شیطان نے کہا'' آج سے پہلے کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔ سنو وہ چار عمل یہ ہیں۔ بات بات پر قسم کھانا، جھوٹ بولنا، نماز نہ پڑھنا اور غیبت کرنا۔''

یہ سن کر وہ شخص بولا۔ ''خدا کی قسم! اب میں ان سب چیزوں سے بچوں گا۔''

یہ دیکھ کر شیطان بہت پشیمان ہوا اور بولا۔ ''واقعی انسان اشرف المخلوقات ہے۔ آج اس نے مجھے دھوکہ دے دیا۔''

رب سے رات کو مانگنے کا اثر

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امیر سبکتگین (محمود غزنوی کا باپ) نیشاپور میں مقیم تھا۔ ایک دن کسی عالم حدیث سے ایک حدیث سنی، جس کا ترجمہ یہ ہے ''پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: دنیا سے دل نہ لگاؤ، تجھے یہاں اس لئے نہیں لایا گیا اور بہشت سے لاپرواہی نہ ہو کہ تجھے اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے، رات کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھا کرو۔ مومنوں کی فتح اسی میں ہے اور مخلوق سے امید نہ رکھ کہ ان کے ہاتھ میں کوئی چیز ہے۔''

امیر سبکتگین نے یہ حدیث سنی تو اسے اپنے تمام کاموں کی بنیاد قرار دیا۔ چنانچہ وہ ہمیشہ فتح کی دعا رات کو مانگتا اور اپنی فتوحات کو اسی کا نتیجہ خیال کرتا۔ اس نے اپنے بیٹے محمود کو بھی اس عالم کے پاس بھیجا کہ وہ محمود کو وہی حدیث سنائیں۔ محمود نے حدیث سنی اور باپ کی طرح عمل کرنا شروع کر دیا۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ محمود کا لشکر بلخ کے دروازے پر پڑا تھا اور صبح کو ترکستان کے حکمران سے مقابلہ تھا۔ محمود آدھی رات کو اٹھا اور غسل کے لئے گرم پانی منگوایا، مگر نہ ملا۔ اس رات برفباری ہو رہی تھی۔ برفانی ہوا کے طوفان آ رہے تھے، اس کے باوجود اس نے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا، مصلیٰ بچھا کر عبادت کرنے لگا۔ مصاحبوں نے کہا بھی کہ صبح کو معرکہ درپیش ہے۔ آج کی رات تو آپ کو آرام کر لینا چاہئے۔

محمود نے کہا کہ ''میرا کام آج رات ہی کا ہے۔ کل کا کام اللہ تعالیٰ کا ہے، میرا نہیں۔'' چنانچہ صبح تک عبادت میں مصروف رہا۔ فجر کی اذان ہوئی تو اٹھا، نماز پڑھی اور آسمانی کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ ''الٰہی ہم دو فریقوں میں سے جو تیرے بندوں کے حق میں بہتر ثابت ہو اسے فتح عنایت کر۔'' یہ دعا مانگ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور سیدھے لڑائی کے میدان میں آئے۔ اس روز محمود غزنوی کو جو فتح حاصل ہوئی، وہ بہت حیرت انگیز تھی۔

جنہوں نے مجھے متاثر کیا:

راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کے انگریز سپرنٹنڈنٹ کرنل ہاورڈ نے اپنی کتاب ''ہندوستان کی یادیں'' میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''جن سیاسی قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت متاثر کیا، ان میں عطاء اللہ شاہ بخاری نام کا ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا۔ ان کا چہرہ مہرہ چرچ کے ان مقدس راہبوں کی طرح تھا جن کی تصویر یسوع مسیح سے مشابہ ہوتی ہے۔ ان مستشرقین کی طرح، جنہیں یورپ میں خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ہم اسے عرب کے بڑے بڑے قاموسیوں سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں ..... میں اسے دوست بنانا چاہتا تھا، لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی روک ہماری مختلف زبانیں تھیں۔ میں تو ان کی زبان کچھ نہ کچھ سمجھ ہی لیتا تھا، لیکن وہ انگریزی سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء کی اس اینٹی برٹش باقیات میں سے تھا جنہیں ہمارے پیشرووں نے پھانسی دے کر پیدا کیا تھا۔''

حجاج بن یوسف کے دربار میں سعید بن جبیر کی جرأت مندانہ گفتگو:

حجاج کا ظلم وستم دنیا میں مشہور ہے، گواس زمانہ کے بادشاہ باوجود ظلم وستم کے دین کی اشاعت کا کام بھی کرتے تھے، لیکن پھر بھی دیندار اور عادل بادشاہوں کے لحاظ سے وہ بدترین شمار ہوتے تھے اور اس وجہ سے لوگ ان سے بیزار تھے۔ سعید بن جبیر نے بھی ابن الاشعث کے ساتھ مل کر حجاج کا مقابلہ کیا۔ حجاج عبدالملک بن مروان کی طرف سے حاکم تھا۔ سعید بن جبیر مشہور تابعی اور علماء میں سے ہیں۔ حکومت اور بالخصوص حجاج کو ان سے بغض وعداوت کا ہونا بھی ضروری تھا۔

مقابلہ میں حجاج ان کو گرفتار نہ کر سکا۔ شکست کے بعد چھپ کر مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حکومت نے اپنے خاص آدمی کو مکہ کا حاکم بنایا اور پہلے حاکم کو اپنے پاس بلالیا۔ اس نئے حاکم نے جا کر خطبہ پڑھا۔ جس کے آخر میں عبدالملک بن مروان بادشاہ کا یہ حکم سنایا ''جو شخص سعید بن جبیر کو ٹھکانہ دے اس کی خیر نہیں۔'' اس کے بعد اس حاکم نے خود اپنی طرف سے بھی قسم کھائی کہ جس کے گھر سے وہ ملے اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کے گھر کو نیز اس کے پڑوسیوں کے گھر کو بھی

ڈھادوں گا۔



غرض بڑی وقت سے مکہ کے حاکم
نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیج
دیا۔ ان کو غصہ نکالنے اور ان کو قتل کرنے
کا موقع مل گیا۔ سامنے بلایا اور پوچھا۔
حجاج: تیرا نام کیا ہے؟
سعید: میرا نام سعید ہے۔
حجاج: کس کا بیٹا ہے؟
سعید: جبیر ہ بیٹا ہوں (سعید کا
ترجمہ نیک بخت ہے اور جبیر کے معنی اصلاح
کی ہوئی چیز)۔ اگرچہ ناموں میں معنی اکثر مقصود نہیں ہوتے، لیکن حجاج کو ان کے نام کا اچھے معنی والا ہونا پسند نہیں آیا۔

حجاج: نہیں تو شقی بن کسیر ہے (شقی کہتے ہیں بد بخت کو اور کسیر ٹوٹی ہوئی چیز)۔

سعید: میری والدہ میرا نام تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: تو بھی بد بخت اور تیری ماں بھی بد بخت۔

سعید: غیب کا جاننے والا تیرے علاوہ کوئی اور ہے (یعنی علام الغیوب)۔

حجاج: تو دیکھ اب میں تجھ کو زندگی کے بدلے کیسا جہنم رسید کرتا ہوں۔

سعید: اگر میں جانتا کہ یہ تیرے اختیار میں ہے تو تجھ کو معبود بنالیتا۔

حجاج: حضور ﷺ کی نسبت تیرا کیا عقیدہ ہے؟

سعیدہ: وہ رحمت کے نبی تھے اور اللہ کے رسول تھے جو بہترین نصیحت کے ساتھ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تیرا کیا خیال ہے؟

سعید: میں ان کا محافظ نہیں ہوں۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے۔

حجاج: تو ان کو برا کہتا ہے یا اچھا؟

سعید: جس چیز کا مجھے علم نہیں، میں اس میں کیا کہہ سکتا ہوں، مجھے اپنا ہی حال معلوم ہے۔

حجاج: ان میں سب سے پسندیدہ تیرے نزدیک کون ہے؟

سعید: جو سب سے زیادہ میرے مالک کو راضی کرنے والا تھا۔ بعض کتب میں بجائے اس کے یہ جواب ہے۔

''ان کے حالات بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔''

حجاج: سب سے زیادہ راضی رکھنے والا کون تھا؟

سعید: اس کو وہی جانتا ہے جو دل کے بھیدوں اور چھپے ہوئے رازوں سے واقف ہے۔

حجاج: میں قیامت میں کیسا آدمی ہوں گا؟

سعید: میں اس سے کم ہوں کہ غیب پر مطلع کیا جاؤں۔

حجاج: تو مجھ سے سچ بولنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

سعید: میں نے جھوٹ بھی نہیں کہا۔

حجاج: تو کبھی ہنستا کیوں نہیں؟

سعید: کوئی بات ہنسنے کی دیکھتا نہیں اور وہ شخص کیا ہنسے جو مٹی سے بنا ہو اور قیامت میں اس کو جانا ہو اور دنیا کے فتنوں میں دن رات رہتا ہو۔

حجاج: میں تو ہنستا ہوں۔

سعید: میری موت کا سبب پیدا کرنے والا اپنے کام سے فارغ ہو چکا۔

حجاج: میں اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ محبوب ہوں۔

سعید: اللہ پر کوئی بھی جرأت نہیں کرسکتا۔ جب تک اپنا مرتبہ معلوم نہ کرلے اور غیب کی اللہ ہی کو خبر ہے۔

حجاج: میں کیوں جرأت نہیں کرسکتا، حالانکہ میں جماعت کے بادشاہ کے ساتھ ہوں اور تو باغیوں کی جماعت کے ساتھ ہے۔

سعید: میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں اور فتنہ کو خود بھی پسند نہیں کرتا اور جو تقدیر میں ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حجاج: ہم جو کچھ امیر المومنین کے لئے جمع کرتے ہیں اس کو تو کیسا سمجھتا ہے؟

سعید: میں نہیں جانتا کہ کیا جمع کیا؟

(حجاج نے سونا چاندی اور کپڑے وغیرہ منگا کر ان کے سامنے رکھ دیئے)۔ سعید یہ کہ تو ان سے ایسی چیزیں خریدے جو بڑے گھبراہٹ کے دن یعنی قیامت کے دن امن پیدا کرنے والی ہوں، جس دن ہر دودھ پلانے والی دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور حمل گر جائیں گے اور آدمی کو اچھی چیز کے سوا کچھ بھی کام نہ دے گی۔

حجاج: ہم نے جو جمع کیا یہ اچھی چیز نہیں؟

سعید: تو نے جمع کیا تو ہی اس کی اچھائی کو سمجھ سکتا ہے۔

حجاج: کیا تو کوئی چیز اس میں سے اپنے لئے پسند کرتا ہے؟

سعید: میں صرف اس چیز کو پسند کرتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے۔

حجاج: تیرے لئے ہلاکت ہے۔

سعید: ہلاکت اس شخص کے لئے جو جنت سے ہٹا کر جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

حجاج: (دق ہو کر) بتلا کہ میں تجھے کس طریقہ سے قتل کروں؟

سعید: جس طرح قتل ہونا اپنے لئے پسند ہو۔

حجاج: کیا تجھے معاف کر دوں؟

سعید: معافی اللہ کے یہاں کی معافی ہے۔ تیرا معاف کرنا کوئی چیز بھی نہیں۔

حجاج نے جلاد کو حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ سعید باہر لائے گئے اور ہنسے۔ حجاج کو اس کی اطلاع دی گئی۔ پھر بلایا اور پوچھا۔ حجاج: تو کیوں ہنسا؟

سعید: تیری اللہ تعالیٰ پر جرأت اور اللہ تعالیٰ کے تجھ پر حلم سے۔

حجاج: میں اس کو قتل کرتا ہوں جس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفریق کی۔ پھر جلاد سے خطاب کر کے کہا۔ میرے سامنے ان کی گردن اڑاؤ۔

سعید: میں دو رکعت نماز پڑھ لوں؟ نماز پڑھی اور پھر قبلہ رخ ہو کر انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنيفا وما انا من المشركين پڑھا یعنی میں نے اپنا منہ اس پاک ذات کی طرف کیا جس نے آسمان وزمین بنائے اور میں سب طرف سے ہٹ کر ادھر متوجہ ہوا اور نہیں مشرکین میں سے۔

حجاج: اس کا منہ قبلہ سے پھیر دو اور نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو کہ انہوں نے بھی اپنے دین میں تفریق کی اور اختلاف پیدا کیا۔ چنانچہ فوراً آپ کا منہ پھیر دیا گیا۔

سعید: فاينما تولوا فثم وجه الله انه هو السميع العليم جدھر تم منہ پھیرو، ادھر بھی خدا ہے، وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

حجاج: اوندھا ڈال دو (یعنی زمین کی طرف کر دو) ہم تو ظاہر پر عمل کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سعید: منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى۔ ہم نے زمین ہی سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر دوبارہ تمہیں اٹھائیں گے۔

حجاج: اسے قتل کر دو۔

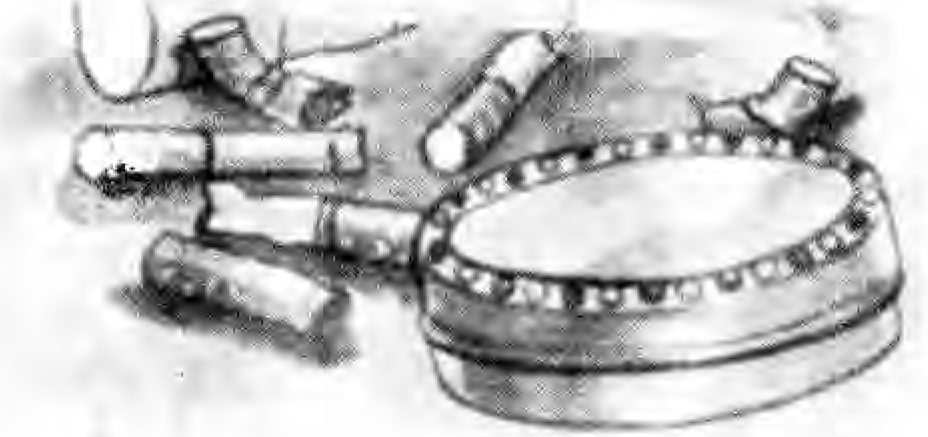
سعید: میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں۔ اشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له واشهد ان

محمدا عبدہ و رسولہ تو اس کومحفوظ رکھنا جب میں تجھ سے قیامت کے دن ملوں گا تو لے لوں گا، اس کے بعد وہ شہید کردیئے گئے۔ اناللہ و انا الیہ راجعون ۔ان کے انتقال کے بعد بدن سے خون بہت زیادہ نکلا، جس سے حجاج کو بھی حیرت ہوئی۔اپنے طبیب سے اس کی وجہ پوچھی۔اس نے کہا کہ ان کا دل نہایت مطمئن تھا اور قتل کا ذرا بھی خوف ان کے دل میں نہیں تھا۔اس لئے خون اپنے اصلی مقدار پر قائم رہا۔

نانا اور نواسے کا سگریٹ پینا اور چھوڑنا:

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے بھائی محمد امجد صابر کبیر والا سے آگے الہ آباد نامی بستی میں نانا ابو حکیم محمد بخش کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ان دنوں بھائی جان کی عمر بارہ تیرہ سال کے درمیان تھی۔

نانا ابو حکیم تھے اور ہومیو پیتھک کے قابل ڈاکٹر بھی۔ وہ روزانہ بھائی جان کو نماز عصر کے بعد ٹیوشن پڑھایا کرتے تھے۔ایک روز بھائی جان دکان پر بیٹھے نانا ابو سے پڑھ رہے تھے، کچھ مریض بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ''امجد بیٹے! یہ پیسے لے جاؤ اور عبدالکریم کے کھوکھے سے سگریٹ کی ایک ڈبی لے آؤ...... دوڑ کر جانا اور دوڑ کر آنا۔'' نانا ابو اچانک بھائی جان سے مخاطب ہوئے۔



''بہت اچھا نانا ابو..... سگریٹ کونسی لاؤں۔'' بھائی جان بولے۔

ان دنوں بہت سستا زمانہ تھا۔ ساٹھ روپے میں من گندم ملتی تھی۔ بارہ روپے سیر خالص دیسی گھی ملتا تھا۔ ڈالڈا گھی کا تصور بھی ان دنوں دیہاتی گھرانوں میں نہ تھا۔ ہاں البتہ شہروں میں یہ گھی باقاعدہ فروخت ہوتا تھا۔

بھائی جان دوڑتے ہوئے عبدالکریم کے کھوکھے پر پہنچے تو دیکھا چاچا عبدالکریم کھوکھے پر موجود نہیں تھا، بلکہ ان کا بیٹا نوید کھوکھے کی اکلوتی کرسی پر براجمان تھا۔نوید بھائی جان کا ہم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کا بہت اچھا دوست بھی تھا۔اس کے علاوہ وہ کبیر والا کے اسکول میں بھی اکٹھے ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے:

''سناؤ امجد..... کیا حال چال ہیں؟'' نوید بھائی کو دیکھ کر بولا۔

''ٹھیک ہوں یار۔'' بھائی جان نے کہا۔ پھر اس کے ہاتھوں میں سگریٹ دیکھ کر چونک پڑے۔ ''یہ..... یہ کیا

نوید...... تت...... تت...... تم سگریٹ پی رہے ہو؟''

نوید بھائی جان کی بوکھلاہٹ دیکھ کر محظوظ ہوا اور اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ ''یار! تم نے یہ محاورہ تو سنا ہی ہوگا کہ کوئلوں کے دلال کا منہ کالا ہو ہی جاتا ہے۔'' وہ بڑے دانشورارانہ انداز میں بولے۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ابو سگریٹ فروخت کرتے ہیں اور خود بھی بڑے شوق سے سگریٹ پیتے ہیں...... ایسے میں مابدولت کا دل بھی سگریٹ پینے کو چاہتا ہے...... اس لئے کبھی کبھار ایک آدھ سگریٹ کا سوٹا لگا لیتا ہوں۔''

بھائی جان اس کی بات سن کر یہ بھول گئے کہ وہ نانا ابو کے لئے سگریٹ خریدنے کے لئے آئے تھے۔ ''سگریٹ پینے سے کیا ہوتا ہے؟'' ان کے لہجے میں تجسس تھا۔

''ہوتا تو کچھ بھی نہیں، کبھی کبھار کھانسی کا دورہ پڑتا ہے...... بہرحال ابو بھی سگریٹ پیتے ہیں اور تمہارے نانا ابو بھی۔'' نوید نے کہا۔

نانا ابو کا نام سن کر یاد آیا کہ وہ نانا ابو کے لئے سگریٹ خریدنے آئے تھے۔ ''اوہ...... میں تو بھول ہی گیا کہ نانا ابو نے سگریٹ منگوائے تھے...... ایک ڈبی دے دو۔'' بھائی جان نے جلدی سے کہا۔

اسی دوران نوید نے ایک نیا سگریٹ سلگا لیا تھا۔ ''اچھا یار! ابھی دیتا ہوں...... لو تم بھی ایک سوٹا لگا لو۔'' نوید نے بھائی جان کو پیش کش کی۔

''نن...... نن...... نہیں......'' بھائی جان بوکھلا گئے، مگر دل میں انہوں نے سوچا۔ ''اگر نوید پی سکتا ہے تو وہ کیوں نہیں پی سکتے۔ نانا ابو اگر سگریٹ پی سکتے ہیں تو وہ کیوں نہیں۔''

''بس ڈر گئے...... بزدل کہیں کے......'' نوید نے بھائی جان کو چڑایا تو وہ نیم رضا مند ہو گئے۔

''وہ...... وہ کسی نے دیکھ لیا تو؟'' انہوں نے کمزور سا بہانہ بنایا۔

''ادھر آؤ، یہاں تم پوری ڈبی بھی بے فکر ہو کر کھینچ سکتے ہو۔'' نوید نے کھوکھے کے عقبی سمت اشارہ کیا۔

یہ بھائی جان کا سگریٹ کی جانب اٹھنے والا پہلا قدم تھا۔ زندگی میں پہلی بار بھائی جان نے سگریٹ پی۔ آدھے گھنٹے بعد جب وہ نانا ابو کی ڈبی لے کر واپس پہنچے تو نانا ابو نے پیار سے پوچھا۔ ''اتنی دیر...... کہاں رہ گئے تھے بیٹے؟''

''وہ...... نوید...... سگریٹ...... ابو...... نہیں تھا...... دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ نوید کے ابو نہیں تھے، اس لئے اس سے گپ شپ لگاتے ہوئے پتہ ہی نہ چلا کہ اتنی دیر ہوگئی۔'' بھائی جان شروع میں بے ربط انداز سے بولے، مگر پھر انہوں نے خود پر قابو پا لیا۔

اس وقت دکان مریضوں سے خالی ہو چکی تھی۔ نانا ابو زمانہ شناس اور جہاں دیدہ انسان تھے۔ وہ محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے تھے۔ انہوں نے بھائی جان کے لہجے سے اندازہ لگالیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ انہوں نے بھائی جان کو اپنے پاس بلایا...... پیار سے ان کا بوسہ لیا اور سامنے بیٹھنے کو کہا۔ وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ نانا ابو نے سگریٹ کی ڈبی کھولی...... وہ بھائی جان کا بوسہ لیتے ہوئے سونگھ چکے تھے کہ وہ سگریٹ پی کر آ رہا ہے۔ انہوں نے ڈبی سے تمام سگریٹ نکالے اور ایک ایک کر کے تمام سگریٹ توڑ ڈالے۔

بھائی جان حیرت سے انہیں یہ سب کرتے دیکھ رہے تھے۔ نانا ابو نے سگریٹ توڑ کر دکان سے باہر نالی میں پھینک دیئے اور بھائی جان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے ''امجد بیٹے! آج تم نے پہلی مرتبہ سگریٹ پیا ہے...... اس لئے میں نے آج سے سگریٹ پینا چھوڑ دیئے ہیں...... کیونکہ یہ عہدہ اب تم نے جو سنبھال لیا ہے۔'' نانا ابو کی بات سن کر بھائی جان کا دل چاہا کہ وہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔

بھائی جان ہمیں بتاتے ہیں کہ نانا ابو اس واقعہ کے بعد پندرہ سال بعد تک زندہ رہے اور سو سال کی عمر میں وفات پا گئے، مگر انہوں نے کبھی بھول کر بھی سگریٹ کو ہاتھ نہیں لگایا...... وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

بھائی جان نے اس دن سے جو سگریٹ پینا شروع کیا تو آج تک پیتے چلے آ رہے ہیں۔ آج کل وہ میرے استاد بھی ہیں۔ نیشنل کیڈٹ اسکول میں بچوں کو پڑھاتے ہیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، بازار سے ایک سگریٹ خرید کر لاؤں اور ان کے سامنے بیٹھ کر پیوں۔ شاید اس طرح وہ بھی اپنی سگریٹ کی ڈبی سے سگریٹ نکال کر توڑ ڈالیں اور نانا ابو کی طرح مجھ سے کہیں۔ ''حمزہ! آج سے میں سگریٹ کو چھوڑ رہا ہوں...... کیونکہ تم نے جو عہدہ سنبھال لیا ہے۔''

مگر دوستو! یہ سب کرتے ہوئے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں پہلی مرتبہ سگریٹ پینا میرے لئے تمام زندگی کا پینا نہ بن جائے۔ میں تو اتنی قوت ارادی بھی نہیں رکھتا کہ نانا ابو کی طرح سگریٹ پینا چھوڑ سکوں۔

مدینہ کی ہوا تو لگی ہے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک حاجی صاحب نے مدینہ منورہ کا رومال پیش کیا۔ آپؒ نے کمال عقیدت سے اسے چوما، آنکھوں پر رکھا اور سینے سے لگایا۔ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا ''حضرت یہ رومال تو یورپ سے بن کر جاتے ہیں، عرب کے بنے ہوئے تھوڑے ہیں۔''

حضرت نے فرمایا۔ ''میں بھی جانتا ہوں وہاں کے بنے ہوئے نہیں ہیں، لیکن ان کو مدینہ کی ہوا تو لگی ہے ناں!''

ایک دوسرے صاحب نے مدینہ منورہ کی کھجوریں پیش کیں، آپ نے کھجوریں تناول فرمانے کے بعد ان کی گٹھلیاں کھانے کے بجائے پیس کر پھانک لیں اور انہیں کچرے میں پھینکنا گوارہ نہ کیا۔

برکت:

حضرت تھانویؒ نے برکت کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ ایک نوجوان تھا، اس نے اپنے والدین کی بڑی خدمت کی۔ بھائیوں سے کہا کہ جائیداد کا حصہ آپ کے سپرد کر دیتا ہوں۔ والدین کی خدمت آپ میرے سپرد کر دیں، سودا کرلیا۔ چنانچہ اس نے ماں باپ کی خوب خدمت کی۔ ماں باپ فوت ہوگئے۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہتا ہے کہ فلاں پتھر کے نیچے تمہیں سو دینار ملیں گے کیونکہ تم نے ماں باپ کی بڑی خدمت کی ہے۔

پوچھا ''اس مین برکت ہوگی؟''

کہا ''برکت تو نہیں ہوگی۔''

نوجوان نے کہا ''میں نہیں لوں گا۔''

آپؒ کو ذوالنون کیوں کہا جانے لگا

حضرت ذوالنون بصریؒ ایک مرتبہ کشتی پر سفر کررہے تھے کہ کسی بیوپاری کا موتی کھو گیا اور سب نے آپ کو مشکوک تصور کر کے زدوکوب کرنا شروع کردیا۔ آپ نے آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا کہ ''اے اللہ تو علیم ہے کہ میں نے کبھی چوری نہیں، تو جانتا ہے کہ میں بالکل سچا ہوں۔'' یہ کہتے ہی دریا میں سے صدہا مچھلیاں منہ میں ایک ایک موتی دبائے نمودار ہوئیں اور آپؒ نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی نکال کر اس بیوپاری کو دے دیا۔ اس کرامت کے مشاہدے کے بعد تمام مسافروں نے معافی طلب کی۔ اسی وجہ سے آپ کا خطاب ذوالنون پڑ گیا۔

صبح اٹھا۔ بیوی کو بتایا ''بیوی نے کہا بے شک نہ لینا، لیکن جا کے دیکھو تو سہی پڑے بھی ہوئے ہیں کہ نہیں پڑے ہوئے۔''

اس نے کہا ''جب لینے نہیں تو میں جا کر دیکھتا بھی نہیں۔''

دوسری رات خواب میں آیا کہ ''دس دینار فلاں پتھر کے نیچے پڑے ہیں، ابھی موقعہ ہے لے لو، تمہاری خدمت کے بدلے میں مل رہے ہیں۔''

پوچھا ''برکت ہوگی۔''

کہا ''برکت تو نہیں ہوگی۔''

نوجوان کہنے لگا۔ ''مجھے نہیں چاہئے۔''

تیسری رات پھر خواب آیا کہ ''فلاں پتھر کے نیچے ایک دینار پڑا ہے، اب جا کر لے لو۔ اب موقعہ ہے۔''

پوچھا ''برکت ہوگی؟''

کہا ''ہاں، برکت ہوگی۔''

وہ صبح اٹھا، اس پتھر کے نیچے سے جا کر دینار اٹھالایا۔ گھر آتے ہوئے دل میں خیال آیا، کیوں نہ آج میں گھر میں پکانے کے لئے اچھی چیز لے جاؤں۔ اس نے مچھلی خریدی، جب گھر آیا تو اس کی بیوی نے مچھلی کو کاٹا تو اس مچھلی کے پیٹ سے ایک ایسا موتی نکلا جس کو بیچا تو ان کی زندگی کا پورا خرچ نکل آیا۔ یہ برکت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ انسان کو وہم وگمان تک نہیں ہوتا۔ (نزہۃ المجالس)

حکمت عملی کی بات

سکندر اعظم نے اپنے ایک قریبی دوست سے راز کی بات کہہ دی اور ساتھ یہ تاکید بھی کردی کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہ ہو۔ اتفاق سے اس دوست نے راز فاش کردیا۔ سکندر نے اپنے استاد ارسطو سے مشورہ کیا کہ ''ایسے شخص کی کیا سزا ہونی چاہئے؟''

''اگر کسی راز کا فاش کرنا جرم ہے تو پہلے اپنے آپ کو سزا دو۔'' ارسطو نے کہا اور سکندر بوڑھے فلسفی کا منہ دیکھتا رہ گیا۔

''جدھر مولا ادھر شاہ مولا''

اسی طرح ایک حکایت مشہور ہے کہ پنجاب میں ایک بزرگ تھے، شاہ دولا، ایک مرتبہ دریا زیادتی پر تھا، اور ان کے گاؤں کی طرف چلا آرہا تھا، لوگوں نے ان بزرگ سے کہا کہ ''دعا کیجئے، گاؤں کے ڈوبنے کا اندیشہ ہے۔''

ان بزرگ نے کہا کہ ''کل آنا، ہم دعا کریں گے اور پھاوڑے ساتھ لے آنا۔'' لوگ پھاوڑے ساتھ لے کر حاضر ہوئے تو فرمایا کہ ''دریا کا راستہ گاؤں کی طرف کھودنا شروع کردو۔''

لوگوں نے کہا ''اس طرح تو کل کی جگہ آج ہی گاؤں تباہ ہوجائے گا۔''

فرمایا ''مجھ سے دعا چاہتے ہو تو یوں ہی کرو، کیونکہ جدھر مولا ادھر شاہ دولا۔'' یہ لوگ بھی ایسے معتقد تھے کہ گاؤں کی طرف راستہ کھودنے لگے، بس فوراً دریا دور ہٹ گیا۔

یہ حکایت تو بہت بڑی ہے، میرا مقصود یہ ہے کہ وہ جدھر خدا کی مرضی دیکھتے ہیں ادھر ہی ہوجاتے ہیں۔

مسلم شریف دو سو مرتبہ تسبیح پر پڑھی

حضرت مولانا یحییٰ کو متنبی یاد تھی، حماسہ یاد تھی اور مسلم دو سو مرتبہ تسبیح پر پڑھی تھی۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا۔ ''حضرت! میرے پاس قصیدہ بردہ ہے۔ مگر اس کے تین چار صفحے نکلے ہوئے ہیں۔''

حضرت نے فرمایا۔ ''اچھا لکھ لو۔'' چنانچہ حضرتؒ نے تین چار صفحات ان کو زبانی لکھوا دیئے۔ سبحان اللہ۔ ہمارے اکابرین کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا کیا ہوا تھا۔ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ ان کے سینے ایسے کھلے ہوئے تھے گویا کتابیں ان کے سامنے کھلی ہوئی ہوں، جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم صبح کو پڑھتے ہیں تو شام کو بھول جاتے ہیں اور شام کو پڑھتے ہیں تو صبح کو یاد نہیں ہوتا۔

تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

فرمایا دوسروں کے عیوب کو دیکھنے کے بجائے اپنے عیب کے دور کرنے کی فکر کرو، توبہ کرو۔ اگر اپنے عیوب نظر آنے لگیں تو دوسروں کے عیوب باوجود نظر آنے کے اس کی طرف نظر جا ہی نہیں سکتی، کسی کا سارا بدن زخموں سے چور ہو تو دوسرے کی پھانس یا تراش اس پر کیا اثر کرے گی۔

بہادر شاہ ظفر نے لکھا ہے:

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر
رہے دیکھتے اوروں کے عیوب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر
تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

ایک عجیب چشمہ

غور کے عجائبات میں ایک چشمہ ہے، قرصہ صد بیشہ میں واقع ہے، جس کو چشمہ بانگ نماز کہتے ہیں۔ اس کا پانی ہر وقت ٹھہرا رہتا ہے۔ اگر کوئی اس جگہ اذان دے دے تو چشمہ سے پانی رواں ہو جاتا ہے اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پانی پھر ٹھہر جاتا ہے۔ میں نے یہ واقعہ ایسے شخص سے سنا ہے جس نے اس چشمہ کو بچشم خود دیکھا ہے۔ (روضات الجنات)

روزانہ شب بیداری کرنے والوں کے ساتھ ماہانہ شب بیداری کرنے والوں کا نام

شب بیداری اگر مہینے میں ایک دفعہ بھی ہو جائے تو اس کا بھی بہت فائدہ ہے۔ سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ سلف صالحین کے ساتھ نسبت ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی آدمی کا بینک میں ایک کروڑ کا اکاؤنٹ ہو اور کسی کا ایک ہزار کا اکاؤنٹ ہو تو جب لسٹ بنے گی تو نام تو ان دونوں کا ہی لسٹ میں آئے گا۔ قیامت کے دن بھی جب روزانہ کی شب بیداری کرنے والوں کا نام آئے گا تو ماہانہ شب بیداری کرنے والوں کا نام بھی آ جائے گا۔

استاد:

مسجد میں داخل ہونے کے لئے استاد نے جونہی اپنے جوتے اتارے شاگرد نے ان کو اٹھالیا۔ استاد اس وقت تو خاموش رہے، دوسری نماز کا وقت آیا تو استاد موقعے کی تاک میں تھے۔ جونہی شاگرد نے جوتے اتارے، انہوں نے جلدی سے ان کو اٹھالیا اور اپنے سر پر رکھ لئے۔ ''ارے ارے! یہ...... یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟'' شاگرد گھبرا گیا۔

اب استاد آگے آگے اور شاگرد پریشانی کے عالم میں پیچھے پیچھے۔ ساتھ میں کہہ رہے تھے۔ ''مہربانی فرما کر ایسا نہ کریں، میرا جوتا مجھے دے دیں، اللہ کے لئے جوتا سر پر نہ رکھئے۔''

اس پر استاد نے کہا۔ ''وعدہ کرو، آئندہ میرا جوتا نہیں اٹھاؤ گے۔''

شاگرد کو فوراً وعدہ کرنا پڑا، کیونکہ اس کے جوتے بدستور اس کے سر پر تھے۔ وعدہ لینے پر انہوں نے جوتے اپنے سر سے اتار کر شاگرد کے حوالے کئے۔ یہ استاد تھے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث۔''

ایک ولی کامل جو آگ سے صحیح سالم نکل آیا:

یمن کے جھوٹے مدعی نبوت نے انہیں بلایا اور ان سے اپنی نبوت کا اقرار لینا چاہا، لیکن انہوں نے حضور ﷺ کے بعد کسی کو نبی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہیں دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے حق میں بے ضرر بنا دیا اور یہ اس سے صحیح سالم نکل آئے۔

یہ عظیم ہستی حضرت ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ جن سے جھوٹا مدعی نبوت اسود عنسی نبوت کا اقرار لینا چاہتا تھا۔ یہ کرامت دیکھ کر لوگوں نے اسود عنسی کو مشورہ دیا کہ اب آپ انہیں مزید نہ چھیڑیں، البتہ اگر یہ آپ کے ملک میں رہے تو لوگوں میں آپ کے خلاف فساد مچائیں گے، اس لئے انہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں، چنانچہ انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ یمن سے جلاوطن ہو کر انہوں نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا، جب یہ مدینہ طیبہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر انہوں نے اپنی اونٹنی کو باندھا اور ایک ستون کی آڑ میں نماز پڑھنے لگے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو پوچھا ''کہاں سے آئے ہو؟''

جواب دیا ''یمن سے۔''

اس واقعہ کی شہرت مدینے تک پہنچ چکی تھی کہ اسود عنسی نے ایک مسلمان کو آگ میں ڈالا تھا۔ اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا۔ ''ہمارے اس دوست کا کیا قصہ تھا جسے اللہ کے دشمن نے آگ میں ڈالا تھا؟''

''وہ واقعہ عبداللہ بن ثوب کے ساتھ پیش آیا تھا۔'' ابو مسلم خولانی نے جواب دیا۔ عبداللہ بن ثوب ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ ہی کا نام تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''قسم کھا کر بتاؤ، وہ شخص تم ہی تو نہیں ہو؟''

''ہاں وہ میں ہی ہوں۔'' ابو مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا۔ ''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے امت محمدیہ کے ایسے شخص کو دیکھنے سے پہلے موت نہیں دی جس کے ساتھ خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ ہوا۔

ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ بڑے حق گو و جری تھے۔ حکام کو دوٹوک انداز میں نرم و گرم نصیحتیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ملازمین کو دو یا تین مہینوں کی تنخواہیں نہ ملیں۔ اسی دوران حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت ابو مسلم خولانی رحمتہ اللہ علیہ نے انہیں

کہا۔ ''اے معاویہ! یہ مال نہ تمہارا ہے، نہ تمہارے باپ کا، نہ تمہاری ماں کا۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کوٹھہرنے کا اشارہ کیا اور اندر تشریف لے جا کر غسل فرمایا اور تھوڑی دیر بعد آ کر کہا۔ ''لوگو! ابو مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ غصہ شیطانی اثر سے ہوتا ہے اور شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے اور پانی آگ کو بجھاتا ہے، لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ غسل کر لے، اب تم سب لوگ اپنی اپنی تنخواہیں وصول کر لو، اللہ برکت دے۔''

یقیناً ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کسی نے کہا ہے:

وہ لوگ جنہوں نے خون دے کر ہر پھول کی رنگت بخشی ہے
دو چار سے دنیا واقف ہے گمنام نہ جانے کتنے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں

امام جلال الدین سیوطیؒ نے کنز العمال کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہماری آنکھوں کے نور دین کے سرور محبوب رب کائنات جناب امام الانبیاء وخاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ (ﷺ) کی خدمت مبارک میں ایک شخص (سائل) نے حاضر ہو کر چند اہم اور ضروری باتوں کے متعلق سوالات کئے۔ نبی کریم ﷺ نے بعد حمد وثناء جوابات ارشاد فرمائے:

سائل: اے اللہ کے نبی ﷺ! میری خواہش ہے کہ بڑا عالم بن جاؤں۔

نبی کریم ﷺ: تو اللہ سے ڈرتا رہ، بس بڑا عالم بن جائے گا۔ یعنی اللہ کا خوف اور اس کے حکموں پر عمل، علم و حکمت کے خزانے خود بخود فراہم کر دے گا۔

سائل: میں چاہتا ہوں کہ دولت مند بن جاؤں۔

نبی کریم ﷺ: تو قناعت اختیار کر، مالدار ہو جائے گا۔

سائل: میری خواہش ہے کہ سب سے بہتر شخص ہو جاؤں۔

نبی کریم ﷺ: سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

سائل: میں سب سے عادل شخص بننا چاہتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ: اگر تو سب کے لئے وہی پسند کرے گا جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو سب سے زیادہ منصف اور عادل شخص بن جائے گا۔

سائل: میں اللہ کے دربار میں مقرب بننا چاہتا ہوں۔
نبی کریم ﷺ: ذکر الٰہی میں مصروف رہ تو تیری خواہش پوری ہو جائے گی۔
سائل: میں محسنوں اور نیکوکاروں سے ہونا چاہتا ہوں۔
نبی کریم ﷺ: اللہ کی عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو (اس طرح کہ جیسے) وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ (یہ ہی الفاظ حدیث جبرائیل امینؑ میں ہیں)۔
سائل: میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔
نبی کریم ﷺ: اپنے اخلاق درست کر لے، تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔
سائل: میں اطاعت گزاروں میں سے بننا چاہتا ہوں۔
نبی کریم ﷺ: اپنے فرائض ادا کرتا رہ، مطیع افراد میں تیرا شمار ہوگا۔
سائل: میں اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہونا چاہتا ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک ہوں۔
نبی کریم ﷺ: تو جنابت سے غسل کیا کر، اس کی برکت سے روزِ جزا گناہوں سے پاک اٹھے گا۔
سائل: میری خواہش ہے کہ حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔
نبی کریم ﷺ: تو کسی کے ساتھ ظلم نہ کر، قیامت کے دن نور میں اٹھے گا۔
سائل: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ پر رحم کرے۔
نبی کریم ﷺ: تو اپنی جان اور خلق خدا پر رحم کر، اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے گا۔
سائل: میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں۔
نبی کریم ﷺ: تو استغفار کیا کر، تیرے گناہ کم ہو جائیں گے۔
سائل: میں بزرگ بننا چاہتا ہوں۔
نبی کریم ﷺ: مصیبت پر لوگوں سے اللہ کی شکایت نہ کر، بزرگ ہو جائے گا۔
سائل: میں چاہتا ہوں کہ میرے رزق میں وسعت ہو۔
نبی کریم ﷺ: تو ہمیشہ باطہارت رہ، تیرے رزق میں برکت ہوگی۔
سائل: میں چاہتا ہوں اللہ اور رسول ﷺ کا دوست بن جاؤں۔
نبی کریم ﷺ: جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پسند ہیں ان کو پسند کر اور جن سے اللہ اور رسول ﷺ کو نفرت ہے ان سے نفرت کرے۔
سائل: میں اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ: کسی پر بے جا غصہ نہ کر، اللہ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔

سائل: میں اللہ کے دربار میں مستجاب الدعوات بننا چاہتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ: تو حرام چیزوں اور حرام باتوں سے بچ۔

سائل: میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ کو قیامت کے دن سب کے سامنے رسوانہ کرے۔

نبی کریم: اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر، اللہ تجھ کو رسوانہ کرے گا۔

سائل: میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے عیب چھپالے۔

نبی کریم ﷺ: تو اپنے بھائیوں کے عیب چھپا، اللہ تیرے عیب کی پردہ پوشی کرے گا۔

سائل: میری غلطیاں کیسے معاف ہوں گی؟

نبی کریم ﷺ: خوف خدا سے رونے، خدا سے عاجزی کرنے اور بیماری سے۔

سائل: کونسی نیکی اللہ کے نزدیک افضل ہے؟

نبی کریم ﷺ: اچھے اخلاق، انکساری، مصیبتوں پر صبر اور اللہ کے فیصلوں پر خوشی کا اظہار۔

شہزادہ کے دل میں استاد کی قدر و منزلت

بادشاہ کے بیٹے سے گھر میں کوئی شرارت ہوگئی۔ والدہ نے کہلوا بھیجا کہ شہزادہ گھر میں شوخی کرتا ہے، اسے سزا دی جائے۔ پیغام ملنے پر استاد نے دو تھپڑ شہزادے کے رسید کئے اور کان پکڑنے کے لئے کہا۔ اس نے کان پکڑ لئے۔ اس طرح اسے بہت تکلیف ہوئی، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، منہ سرخ ہوگیا۔ رونے لگا، لیکن استاد نے کوئی رعایت نہ کی۔ ایسے میں کسی نے آکر بتایا کہ بادشاہ سلامت کے وزیر شہزادے کو دیکھنے کے لئے آرہے ہیں۔ وزیر کی آمد کی اطلاع پاکر استاد نے شہزادے سے کہا "کان چھوڑ دو اور سنبھل کر بیٹھ جاؤ۔"

شہزادے کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھوں میں آنسو تھے، لیکن استاد کا حکم سنتے ہی فوراً رومال سے منہ صاف کرلیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ وزیر آئے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وزیر کے جانے تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ اپنی حالت وزیر پر ظاہر نہ ہونے دی۔ وزیر کے جانے کے بعد استاد نے کہا۔ "اگرچہ میں نے تمہیں سزا تمہاری بھلائی کے لئے دی تھی، پھر بھی تم نے اچھا کیا کہ وزیر سے اس بارے میں شکایت نہیں کی۔"

اس پر شہزادے نے کہا۔ "استاد محترم! جو شاگرد استاد کی شکایت کرتا ہے وہ کبھی مراد کو نہیں پہنچتا، میں آپ کی شکایت کر کے کیوں خود کو بے نصیب بناتا۔"

یہ تھا مامون الرشید جو خلیفہ ہارون الرشید کا بیٹا تھا، بڑا ہونے پر یہ خود بھی خلیفہ بنا اور بہت نامور بادشاہ ہوا۔

بچے کا حیرت انگیز ردعمل:

برطانیہ سے ایک لڑکا اسلام آباد میں کسی مدرسے میں قرآن مجید پڑھنے لگ گیا۔ کسی قاری نے اسے ڈنڈے لگائے، وہ باغی ہوگیا اور مسجد کے باہر انگریزی میں یہ لکھ کر چلا گیا:

I hate Qari. (میں قاری سے نفرت کرتا ہوں)۔

I hate Pakistan. (میں پاکستان سے نفرت کرتا ہوں)۔

I hate Islam. (میں اسلام سے نفرت کرتا ہوں)۔

بہت سے قاری Untrained (ناتجربہ کار) ہوتے ہیں۔ انہیں بچوں کو Motivate (مائل) کرنا نہیں آتا۔ جو انسان ڈنڈا اٹھاتا ہے وہ یہ ظاہر کررہا ہوتا ہے کہ میں زبان سے نہیں سمجھا سکتا، میں نے شکست کھائی ہے، فوراً مارنے کے بجائے روزانہ ۱۵ منٹ سمجھانے پر لگادیں تو بچے شوق سے سبق یاد کرلیں گے۔ غلطی کرنے پر فوراً ڈنڈا نہیں مارنا چاہئے، بلکہ بعض غلطیوں سے تو صرف نظر کرنی چاہئے۔ اگر بہت سخت غلطی کی ہے تو پھر تھوڑی سی سرزنش کردی جائے تاکہ وہ بچہ آئندہ محتاط رہے۔ کیا اصلاح کا طریقہ یہی ہے کہ ڈنڈے لگائے جائیں؟ یہ اصلاح کا صحیح طریقہ نہیں ہے؟ اس سے بچہ استاد سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ بعض قاری حضرات تو بچوں کو ایسے مارتے ہیں جیسے کوئی انتظام لے رہے ہوں۔



مجھ کو مجاہد بننا ہے

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب فرزند ارجمند حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مولانا محمد میاں سملکی جب دیوبند میں پڑھتے تو میری ہمشیرہ راشدہ خاتون جن کی عمر اس زمانہ میں سات آٹھ سال کی تھی اور بچیوں کے عام دستور کے مطابق اپنی گڑیا کی تقریب شادی کے انتظامات میں مصروف تھی، مولانا سملکی نے بازار سے کچھ بیش قیمت کپڑوں کے ٹکڑے گڑیا کے لئے خرید کردیئے۔

عصر کا وقت تھا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت معمولاً اپنے مخصوص کمرہ سے باہر تشریف لائے۔ آپ وضو کررہے تھے کہ ہمشیرہ کپڑوں کا یہ تحفہ لئے ہوئے سامنے سے گزریں۔ اشارہ سے بلاکر تحقیق حال کی اور معصوم بچی سے پوری کیفیت سننے کے بعد شدید غصہ کا اظہار فرمایا۔ الفاظ کچھ یہ تھے کہ ''یہ صاحب کیا اپنی دولت سے ہمارا علم خریدنا چاہتے ہیں۔''

مجاھد

مجھ کو مجاہد بننا ہے
دین کا تحفظ کرنا ہے
کفر سے ٹکر لینی ہے
حق کی شہادت دینی ہے
حق کو نافذ کرنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے
لے کر علم سچائی کا
بن کر نقیب اچھائی کا
خیر کی جانب بڑھنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے
قرآن کے سیپاروں سے
سنت کے میناروں سے
ہر سو اجالا کرنا ہے
مجھ کو مجاہد بننا ہے

جیسے اس نے کہا آپ بھی ویسا کہہ لیں:

ایک خارجی نے مسلمانوں کے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو فاسق اور فاسق زادہ کہا۔ خلیفہ نے عمر بن عبدالعزیز سے رائے لی کہ اسے کیا سزا دینی چاہئے؟ آپ نے فرمایا، جیسے اس نے آپ کو برا کہا ہے ویسے آپ بھی کہہ لیجئے۔ درباروالے آپ کی رائے سے بہت متاثر ہوئے۔

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو مزاج میں فرق نہ آیا۔ ریاح بن عبید نے آپ کے سامنے حجاج بن یوسف کو گالی دی۔ حجاج کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز کی رائے اچھی نہ تھی، مگر آپ نے ریاح بن عبید کو برا بھلا کہنے سے منع کیا اور فرمایا۔ ''اے ریاح جب مظلوم ظالم کو خوب برا کہہ کر اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو ظالم کو اس پر فضیلت ہو جاتی ہے۔''

ایک دفعہ آپ کے عہد میں کوفہ کے عامل عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے لکھا کہ ''میرے سامنے ایک ایسا شخص پیش کیا گیا ہے جو آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ لیکن اس خیال سے قید کر دیا کہ آپ سے پوچھ لوں۔''

آپ نے جواب دیا۔ ''اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میں تم سے خون بہا لیتا۔ کیونکہ مجھے گالی دینے سے کوئی شخص قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اگر تمہارا دل چاہے تو اسے گالی دے دو ورنہ رہا کر دو۔''

اعضاء میں سکون کا نام خشوع:

خشوع کی تعرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اعضاء کا سکون ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ خاشعون کی تفسیر یہ ہے کہ خائفون اور ساکنون۔ خوف اور سکون جوارح کا نام ہے۔ (روح)

حضرت مجاہد تابعی مکی امام القراء والتفسیر فرماتے ہیں، آنکھوں کو پست رکھنا اور کندھوں کو پست رکھنا اور مسلم بن یسار اور حضرت قتادہ کے نزدیک کسی قدر سر کا جھکنا اور حضرت علی کے نزدیک نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھنا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ داڑھی سے کھیل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **لو خشع قلب هذا خشعت جوارحه**۔ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح یعنی اعضاء میں سکون ہوتا۔ (روح، ج ۱۸، صفحہ ۳)

تفسیر کشاف میں خشوع کا مفہوم ان آداب کا اہتمام کرنا ہے۔ یعنی حسب ذیل اعمال سے بچنا ہے۔

(۱) اپنے کپڑوں کو نہ ہٹائے نہ سمیٹے۔

(۲) انگڑائی نہ لے۔

(۳) جمائی نہ لے۔

(۴) ضروری جمائی روکنے کی قدرت رکھتے ہوئے نہ روکنا یعنی دانتوں سے ہونٹ دبا کر جمائی روک سکتا تھا، مگر پھر بھی ہاتھ منہ پر رکھ کر روکا تو یہ مکروہ ہے۔

(۵) کپڑوں کو بدن پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں کنارے دونوں طرف لٹکے ہوں، یہ مکروہ ہے۔

(۶) انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔

(۷) انگلیوں کو انگلیوں میں ڈالنا مکروہ ہے۔

(۸) کنکریوں کو ہٹانا مکروہ ہے۔

خشوع شرط قبول ہے، مگر بدون خشوع نماز ہوجاتی ہے۔ واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔ (روح المعانی، صفحہ۸ ج۴)

کل اور آج میں فرق:

کل:۔ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو سیب کھاتا دیکھ کر اس سے چھین لیا تھا، صرف اور صرف اس وجہ سے کہ ان کو خدا کا خوف تھا۔

آج:۔ ہم غریب سے روٹی کھاتے ہوئے چھین لیتے ہیں، کیونکہ ہمیں آخرت کا خوف نہیں۔ (نعوذ باللہ)

کل:۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ پر جب خلافت کی ذمہ داری عائد کی گئی تو جائیداد تقسیم کر دی، اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں کوئی یہ الزام عائد نہ کردے کہ انہوں نے یہ جائیداد خلیفہ ہوتے ہوئے بنائی ہے۔

آج:۔ ہم چاہتے ہیں کہ جب تک اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے، زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کر لیں، شاید یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے۔

کل:۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف اعلان جہاد کیا تھا۔

آج:۔ ہمارے امراء کہتے ہیں کہ اگر سود ختم کر دیا جائے تو ہماری معیشت تباہ ہوجائے گی۔ زکوٰۃ دینا تو دور کی بات ہے۔

کل:۔ فاطمہ نامی عورت کو چوری کرنے پر نبی آخر الزمان ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر اس کی جگہ میری لاڈلی بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بھی ہوتی تو یہی حکم دیتا۔

آج:۔ چوری، ڈاکہ زنی اور لوٹ کھسوٹ ہمارے محبوب مشغلے ہیں، لوگ جرائم کرنے کے بعد آزاد گھومتے رہتے ہیں۔

کل:۔ مسجدوں میں خدا کی عبادت ہوتی تھی، لوگوں کا تعلق اللہ سے جوڑا جاتا تھا۔

آج:۔ مسجدوں میں خدا کی عبادت کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف تقریریں ہوتی ہیں، لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں اور گولیاں چلتی ہیں۔ استغفر اللہ ربی۔

کل:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف اور صرف ایک نماز کا وقت گزرنے کے افسوس میں بہت روئے تھے۔

آج:۔ ہم لاؤڈ اسپیکروں پر اذانیں سن کر سنی ان سنی کر دیتے ہیں اور نماز کا وقت گزرنے کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

کل:۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کے بعد عید کے دن رو رہے تھے، کسی نے

پوچھا، اے عمر! آج تو خوشی کا دن ہے اور آپ کیوں رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا عید تو ان کی ہے جن کے روزے قبول ہوئے، خدا کی قسم عمر کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے روزے قبول ہوئے یا نہیں۔

آج:۔ ہم پورے مہینے کے روزے چھوڑ کر بھی اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ جیسے ہم بخش دیئے گئے۔



کلمہ کے ساتھ دنیا سے رخصتی

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میرا تجربہ ہے کہ جو شخص گفتگو کے دوران اذان کی آواز سنتے ہی خاموشی اختیار کر لیتا ہے اور اذان کا جواب ادب اور عظمت کے ساتھ دیتا ہے اس ادب کی وجہ سے کلمہ کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

جب میں نے بینک کی ملازمت چھوڑ دی:

میں ایک قومی بینک کے ساتھ بحیثیت اسسٹنٹ وائس پریذیڈنٹ منسلک تھا۔ حضرات علماء کرام کی صحبت بھی نصیب تھی۔ بیت المکرّم مسجد گلشن اقبال کراچی کے احاطہ میں حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی زیر سرپرستی قائم مرکز الاقتصاد اسلامی اکثر جانا ہوتا۔ اس مرکز میں اسلامی معیشت کے حوالے سے تربیتی پروگراموں کا انعقاد ہوتا رہتا، اور میں ان میں شریک رہتا۔ ایسے ہی ایک پروگرام میں ''سود کی حرمت'' کے موضوع پر حضرت مولانا رفیع عثمانی دامت برکاتہم کا بیان تھا۔ میں ہمہ تن گوش آخری نشستوں میں ایک نشست پر بیٹھا تھا کہ حضرت نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ اس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔ ''امت میں ایک دور ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود سے غبار آلود ہوگا۔ ایسے میں امت کے دو طبقات ہوں گے، ایک وہ طبقہ ہوگا جو سود کے کاروبار میں براہ راست ملوث ہوگا، دوسرا طبقہ وہ ہوگا جو بالواسطہ طور

پر سودی معاملات میں آلودہ ہوگا، پہلے طبقے کی جوابدہی یقیناً ہوگی اور اس کی پکڑ ہوگی، البتہ دوسرے طبقے کی جوابدہی سے رخصت کا امکان ہے۔''

بس وہی ایک لمحہ تھا جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہ میرا شمار پہلے طبقے میں ہوتا ہے، کیوں نہ میں دوسرے طبقے میں شامل ہو جاؤں تاکہ کل جواب دہی سے بچنے کا امکان ہو جائے۔ اور اسی لمحے میں نے فیصلہ کیا کہ بینک کی نوکری کو خیر باد کہہ دوں گا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، اس فیصلے پر ثابت قدم رکھا، اور اسی رات اس مجلس کے اختتام پر میں نے مصمم ارادہ کر لیا اور اللہ پاک نے اسی وقت مجھے متبادل ملازمت کا موقع بھی عنایت فرمایا۔

الحمدللہ آج اس کلمے کی برکات و فیوض سے مستفید ہوں۔ علماء کی صحبت میں ایسے کئی اور لمحات نصیب ہوئے جن سے صحیح سمت میں گامزن ہونے کی توفیق ملی۔ میرا پیغام قارئین کرام کے لئے یہی ہے کہ علماء، صلحاء اور اللہ والوں کی صحبت میں ایسے کئی قیمتی لمحات آپ ہی کا نہیں آپ کے متعلقین کا مقدر بھی بدل سکتے ہیں۔

ایسی لڑائی جس میں غالب مغلوب سے زیادہ ذلیل ہو

مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر بن حسین کو ایک شخص نے بہت گالیاں دیں۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ ان کے ایک دوست نے کہا'' طاہر! تم اتنے بڑے عہدے پر فائز ہو، اس شخص کو سزا کیوں نہیں دیتے؟''

اس پر طاہر نے جواب دیا۔''مچھر کو مارنے کے لئے طاقت کا استعمال فضول سی بات ہے۔''

جواب میں دوست نے کہا''تب تم جواب میں اسے کھری کھری سنا کر اس کی زبان تو بند کر سکتے ہو۔''

طاہر ہنسے اور بولے۔''میں ایسی لڑائی میں کیوں حصہ لوں جس میں غالب مغلوب سے زیادہ ذلیل وخوار ہو۔''

طاہر کا یہ جواب اس کی دانشمندی کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر ایسے شخص پر آپ غالب ہیں تو اس سے لڑنا بے کار فعل ہے۔ اگر دونوں طاقت میں برابر ہیں تو اسے مارنے پیٹنے کے ساتھ کچھ مار پیٹ آپ کو بھی برداشت کرنا پڑے گی اور اگر آپ مغلوب ہیں تو بری طرح مار کھانا پڑے گی۔

نتیجہ یہ کہ کسی کو جواب میں گالیاں بھی نہ دو، کیونکہ اس وقت اگر آپ غالب ہیں، تب بھی آپ کی ذلت مغلوب سے زیادہ ہوگی۔

جی ہاں۔

پہلے قاضی بعد میں باپ

محمد بن ابی بکر اندلس کے قاضی تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بیٹے نے ایک غریب بچے کو بید سے خوب مارا، بچہ یہودی تھا۔ وہ قاضی صاحب کی عدالت میں پہنچ گیا۔ انہوں نے بیٹے کو عدالت میں طلب کرلیا۔ شکایت درست ثابت ہوئی، انہوں نے یہودی لڑکے کو بید کی چھڑی دیتے ہوئے کہا "تم بھی اس کی کمر پر اتنے ہی زور سے مارو۔"

یہودی لڑکا قاضی کے بیٹے کی کمر پر بید برسانے لگا۔ وہ نازوں پلا ہوا، دبلا پتلا بچہ تھا، بید کی مار نہ سہ سکا، عدالت ہی میں دم توڑ گیا۔ یہ دیکھ کر سب کانپ گئے، جو ظالم تھے انہوں نے فوراً دل ہی میں توبہ کرلی کہ اب کسی پر ظلم نہیں کریں گے۔ قاضی صاحب گھر آئے تو بچے کی لاش سے لپٹ کر خوب روئے۔ اللہ سے دعا کی "الٰہی! میرے بچے کا قصور معاف فرما۔" وہ قاضی پہلے تھے اور باپ بعد میں، یہی انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا۔

برائی کا بدلہ پیار و محبت سے دو:

ایک دن حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اپنے گھر پر متوسلین اور خدام وغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک صاحب آئے جو حضرت کے کوئی رشتہ دار تھے، داڑھی مونچھ صاف، عام آدمیوں کی طرح تھے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہی گالیاں دینا شروع کردیں، انتہائی بے ادبانہ لہجے میں جتنے الفاظ برائی کے ان کے منہ میں آئے، کہتے ہی گئے۔ آگے سے حضرت ان کی ہر بات پہ کہہ رہے ہیں کہ بھائی ہم سے



غلطی ہوگئی ہے، تم ہمیں معاف کردو، ہم انشاء اللہ تعالیٰ کردیں گے، تمہارے پاؤں پکڑتے ہیں، معاف کردو۔ بہر حال ان صاحب کا اس قدر شدید غصے کا عالم کہ دیکھنے والے کو بھی برداشت نہ ہو، بالآخر ٹھنڈے ہو گئے۔

بعد میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس اللہ کے بندے کو کوئی غلط اطلاع مل گئی تھی، اس وجہ سے ان کو غصہ آ گیا تھا، اگر میں چاہتا تو ان کو جواب دے سکتا تھا اور بدلہ لے سکتا تھا، لیکن اس واسطے میں نے اس کو ٹھنڈا کیا کہ بہر حال یہ رشتہ دار ہے اور رشتہ داروں کے بھی حقوق ہوتے ہیں، تو رشتہ داروں کے ساتھ قطع تعلق کر لینا آسان ہے، لیکن تعلق جوڑ کر رکھنا یہ ہے درحقیقت تعلیم نبی کریم ﷺ کی، اور یہ ہے **لایدفع السیئة بالسیئة** کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ پیار سے، محبت سے، شفقت سے اور خیر خواہی سے دو۔

ہم حاضر ہیں

خواجہ فخر جہاں دہلوی کے پاس ایک افغانی خانقاہ میں آیا اور آپ پر حملہ کیا۔ خدام نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔ آپ نے ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم دیا اور اپنا سر زمین پر رکھ کر فرمایا۔ ''ما حاضریم ہر چہ بخاطر شما است بکنید''

''ہم حاضر ہیں جو کچھ تمہارے جی میں ہے کرو۔''

اس وقت تو وہ شخص شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دو آدمیوں کے ساتھ آیا۔ اس کو دیکھتے ہی آپ تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ''صاحب بخیر و عافیت؟'' ان الفاظ کا زبان سے نکلنا تھا کہ اخلاق کا وہ ہتھیار جو پہلی بار آشنا ہوا لگا تھا، اپنا کام کر گیا اور ان لوگوں نے ''سنگ ہائے حویلی'' پر اپنا سر اور پیر کوٹ کوٹ کر معافی مانگی۔

(تاریخ مشائخ چشت: ج۵، صفحہ۲۰۳۔۲۰۴

بحوالہ مناقب فخریہ)

اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے:

امام قرطبیؒ نے سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی۔ وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی۔ مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ ''تم اسرائیلی ہو؟''

اس نے اقرار کیا۔ مامون نے امتحان لینے کے لئے کہا کہ ''اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔''

اس نے جواب دیا کہ ''میں تو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا۔'' بات ختم ہوگئی۔ یہ شخص چلا گیا۔ پھر ایک سال بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں۔ مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ ''تم وہی شخص ہو جو سال گزشتہ آئے تھے؟''

جواب دیا ''ہاں میں وہی ہوں۔''

مامون نے پوچھا کہ ''اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟''

اس نے کہا ''میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں۔ میں نے امتحان کرنے کے لئے توریت کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا۔ یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا۔ پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا، وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے، جن میں میں نے اپنی طرف سے کمی بیشی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔ اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہو گیا۔''

اذان اور تکبیر کی آواز روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنا

حضرت سعید بن المسیبؒ مشہور تابعی ہیں۔ بڑے عجیب عجیب واقعات ان کی عبادت زہد اور کلمۃ الحق کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کے کتب میں موجود ہیں۔ پچاس برس تک کوئی نماز ان کی فوت نہیں ہوئی بلکہ تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور چالیس برس تک کسی نماز کی اذان ایسی نہیں ہوئی کہ یہ اذان سے پہلے مسجد میں موجود نہ ہوں اور پچاس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔ (حلیۃ)

حرہ کی مشہور لڑائی جو یزید کے لشکروں کی اہل مدینہ سے ۶۳ھ میں ہوئی، اس میں سب اہل مدینہ خوف و ہراس اور جنگ کی کثرت کی وجہ سے کچھ منتشر اور کچھ اپنے گھروں میں چھپ گئے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں فوجیوں کے گھوڑے کودتے پھرتے تھے۔ سترہ سو اونچے درجہ کے مہاجرین وانصار اس جنگ میں شہید ہوئے اور دس ہزار سے زیادہ عام مومنین علاوہ بچوں اور عورتوں کے۔ اس زمانہ میں کئی دن تک حضرت سعید بن المسیبؒ تن تنہا مسجد نبوی ﷺ میں پڑے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کئی دن تک اتنے دوسرے آدمی مسجد میں آنا نہیں شروع ہوئے، میں ہر نماز کے وقت اذان اور تکبیر کی آواز قبر شریف میں سے سنا کرتا تھا۔ (خصائص کبریٰ قول بدیع)

یہ عشاق و جان نثاروں کا نمونہ تھا۔ عبرت کے لئے تین واقعات مخالفت کے لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ یہ واقعات اس لحاظ سے اہم ہیں کہ حاضرین کو ایسی کوئی حرکت ظاہری یا باطنی کرنے سے احتراز کرنا چاہئے جو ادب کے خلاف ہو۔

کیا عدالت صرف عوام کے لئے ہے؟

قاضی شریک بن عبیداللہؒ عباسی دور میں کوفے کے قاضی تھے۔ ایک عورت ان کے پاس یہ شکایت لے کر آئی کہ کوفہ کے حاکم موسیٰ بن عیسیٰ (خلیفہ مہدی کے چچا) اس کا باغ خریدنا چاہتے تھے۔ جب وہ اپنا باغ فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئی تو انہوں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا، جنہوں نے باغ کے حدود اور نشانات مٹا دیئے اور اس کو امیر موسیٰ کے باغ میں ملا دیا۔

قاضی شریک نے امیر موسیٰ کے ہاں کہلوا بھیجا کہ وہ عدالت میں عورت کے ساتھ حاضر ہوں۔ امیر کوفہ نے پولیس افسر کو قاضی کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان سے گزارش کرے کہ وہ اس معاملے میں دخل دینے سے باز رہیں۔ قاضی نے پولیس افسر کو پکڑ کر قید کر دیا۔ جب امیر موسیٰ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے بعض افراد کو بھیجا جنہوں نے قاضی کو ان کے اس فعل پر ملامت کی۔ قاضی شریک نے ان لوگوں سے کہا کہ:

> ''امیر نے کیوں اپنے آپ کو عدالت کی حاضری سے بالاتر سمجھا۔ کیا عدالت صرف عوام کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ہے؟ عدالت بلاشبہ بڑے اور چھوٹے کے درمیان فرق نہیں کرے گی اور تم نے عدالت کے معاملے میں مداخلت کی ہے، ضروری ہے کہ تم کو اس کی سزا دی جائے۔''

پھر قاضی نے ان لوگوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد امیر موسیٰ اپنے محافظ سواروں کے ساتھ قید خانہ گئے اور قیدیوں کو بزور نکال لائے۔ قاضی شریک سفر کر کے بغداد گئے تاکہ خلیفہ مہدی سے ملیں اور اس سے یہ کہیں کہ وہ ان کو قضاء کے عہدے سے الگ کر دے۔ انہوں نے خلیفہ سے کہا۔ ''خدا کی قسم، میں نے بنو عباس سے قاضی کا عہدہ نہیں مانگا تھا، خود انہوں نے مجھے عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا اور انہوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم بااختیار اور آزاد ہوں گے۔ اگر ہمیں قاضی بنایا گیا ہے تو ہم اپنے فیصلے پوری طرح عدل کے مطابق کریں گے، مگر اب قاضی کے عہدے پر باقی رہنے کی کوئی صورت نہیں ہے جبکہ ہم دیانتدارانہ فیصلہ کرنے میں بے بس ہیں۔''

پھر امیر موسیٰ نے قاضی سے ملاقات کی اور ان سے مہربانی کی درخواست کی۔ قاضی شریک نے کہا کہ ''میرے نزدیک اس کا حل صرف یہ ہے کہ وہ تمام لوگ دوبارہ قید خانے میں لوٹائے جائیں جن کو قید کئے جانے کا حکم دیا تھا۔''

چنانچہ امیر موسیٰ نے مجبور ہو کر تمام لوگوں کو دوبارہ قید خانے میں واپس کر دیا اور خود عورت کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوئے۔ پھر قاضی شریک نے یہ فیصلہ دیا کہ ''امیر، عورت کا باغ اسے لوٹائے اور جو حدود اور نشانات ڈھا دیئے گئے تھے ان کو دوبارہ قائم کرے۔'' اب امیر کے پاس قاضی کا حکم بجالانے کے سوا چارہ نہ تھا۔

خدا تم کو بخشے

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک شخص نے ان سے گستاخانہ انداز میں گفتگو شروع کی۔ امام صاحب بڑے تحمل سے جواب دیتے تھے، مگر وہ شخص اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے امام صاحب کو زندیق تک کہہ دیا۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ ''خدا تم کو بخشے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو لفظ تم نے کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔''

ہم نشین شریک ہیں

ایک مرتبہ ابوحنیفہؒ کے پاس بطور ہدیہ ایک ہزار جوتے کے جوڑے آئے۔ آپ نے وہ تمام اپنے دوستوں، پڑوسیوں اور طلبہ میں تقسیم کر دیئے۔ اتفاق سے شام کو اپنے بیٹے حماد کے لئے جوتے کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے اس کو بازر سے منگا کر دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا۔ ''حضرت یہ کیا؟'' (یعنی اس قدر جوتے آئے وہ سب تقسیم کر دیئے)۔ تب آپ نے فرمایا ''جب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: جب کسی آدمی کے پاس کوئی ہدیہ آئے تو پس اس کے ہم نشین اس میں شریک ہیں۔''



مہمان کی خدمت فرض ہے

حضرت امام شافعیؒ کے سفرنامہ میں ہے، وہ خود ہی تحریر فرماتے ہیں کہ کھانے کے بعد امام مالک مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ''مسافر کو لیٹ پوٹ کر تھکن کم کرنی چاہئے۔ اب تم آرام کرو۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں تھکا ہوا تو تھا ہی، لیٹتے ہی بے خبر ہو کر سو گیا۔ آخری حصہ شب میں کوٹھری میں دستک ہوئی اور آواز آئی ''خدا کی رحمت ہو تم پر۔''

میں اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں خود امام مالکؒ ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی، مگر وہ کہنے لگے۔ ''ابوعبداللہ، کچھ خیال نہ کرو! مہمان کی خدمت فرض ہے۔''

صبر

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ روایت حدیث فرما رہے تھے، ایک بچھو نے نیش زنی شروع کی تو شاید دس مرتبہ آپ کو کاٹا۔ اس تکلیف کی وجہ سے امام صاحب کا چہرہ کچھ متغیر ہوکر مائل بہ زردی ہوگیا، مگر آپ نے حدیث کے درس کو بند نہیں فرمایا اور نہ کچھ لغزش کی۔ جب مجلس حدیث ختم ہوئی اور سب آدمی چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ ''آج آپ کے چہرہ پر کچھ تغیر محسوس ہوتا ہے؟''

امام صاحب نے فرمایا۔ ''بے شک تمہارا خیال درست ہے۔'' اور تمام واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا ''میرا اس قدر صبر کرنا اپنی طاقت اور قوت کی وجہ سے نہیں بلکہ پیغمبر خدا ﷺ کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے ہوا۔''

ان روٹیوں کا کیا کرنا چاہئے:

ایک دفعہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے لئے روٹی پکانے کے لئے خمیر کی ضرورت پیش آ گئی تو ان کے صاحبزادے نے صالح بن احمد کے گھر سے خمیر لے کر بنالیا۔ جب روٹی تیار ہوکر آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے روٹی دیکھ کر سوال کیا کہ ''یہ روٹی کیسی ہے؟''

جواب دیا گیا کہ ''خمیر صالح کے گھر سے لیا گیا ہے۔''

آپ نے فرمایا کہ ''اس نے تو ایک سال تک منصب قضاء کو اختیار کیا ہے۔ (آپ کا یہ کہنا تھا کہ قاضی رزق حرام اور رشوت لینے میں مبتلا ہیں اس لئے ان کی کمائی حلال نہیں ہوتی)۔ تو اب اس کی روٹی ہمارے حق میں نہ جا سکے گی!'' اور اس کو کھانے سے صاف انکار کردیا۔

اس کے بعد آپ سے دریافت کیا گیا کہ ''ان روٹیوں کا کیا کرنا چاہئے؟''

جواب میں ارشاد فرمایا۔ ''جب کوئی سائل آئے اور سوال کرے تو تفصیل سے ان روٹیوں کا حال بتادینا کہ

خمیر صالح کے گھر کا اور آٹا احمد کے گھر کا ہے (اور احمد نے ان روٹیوں کو کھانے سے انکار کر دیا ہے) اور اگر وہ ان روٹیوں کو لینا پسند کرے تو بہتر ہے اس کو دے دینا۔''

چالیس روز تک دروازے پر سائل نہیں آیا اور وہ روٹیاں جوں کی توں رکھی رہیں۔ اس عرصہ میں وہ روٹیاں خراب ہو گئیں تو ان کو دریائے دجلہ میں ڈلوا دیا گیا۔ جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے دریائے دجلہ کی مچھلیاں ہی کھانی چھوڑ دیں کہ نہ معلوم اس روٹی کو کس مچھلی نے کھایا ہوگا اور وہ میرے پاس نہ آ جائے۔

گردن کے مسح کا فائدہ:

تبلیغی جماعت کے ایک دوست فرانس گئے، وہ فرماتے ہیں کہ وہاں میں وضو کر رہا تھا تو ایک آدمی کھڑا غور سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے محسوس تو کیا لیکن خیر میں وضو کرتا رہا۔ جب میں نے مکمل کیا تو اس نے مجھے بلا کر پوچھا کہ ''آپ کون ہیں؟''

میں نے کہا کہ ''مسلمان ہوں۔''

''کہاں سے آئے ہو؟''

میں نے کہا ''پاکستان سے۔''

کہنے لگا کہ ''پاکستان میں کتنے پاگل خانے ہیں؟''

بڑا عجیب سا سوال تھا۔ میں نے کہا کہ ''دو ہیں یا چار۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں ہے۔''

وہ کہنے لگا۔ ''You do not know?''

میں نے کہا ''میں تو نہیں جانتا۔''

کہنے لگا کہ ''یہ ابھی آپ نے کیا کیا؟''

میں نے کہا ''وضو کیا۔''

کہنے لگا ''روزانہ کرتے ہو؟''

میں نے کہا ''بلکہ ایک دن میں پانچ دفعہ کرتے ہیں۔''

وہ کہنے لگا ''Oh I see''

میں نے جب اس سے پوچھا ''بھئی آپ کا کیا مطلب ہے؟''

وہ کہنے لگا۔ ''میں یہاں پاگل لوگوں کے ہسپتال میں سرجن ہوں۔ میں تحقیق کرتا رہتا ہوں کہ لوگ پاگل کیوں

ہوجاتے ہیں؟ میری تحقیق یہ ہے کہ انسان کے دماغ کے سگنل پورے جسم کے اندر جاتے ہیں تو ہمارے جسم کے اعضاء کام کرتے ہیں۔اس دماغ سے چند باریک باریک رگیں ہماری گردن کی پشت سے پورے جسم کو جارہی ہیں۔ میں نے ریسرچ کی ہے کہ اگر بال بہت زیادہ بڑھا دیئے جائیں اوراوراس گردن کے پیچھے حصے کو بہت خشک رکھا جائے تو رگوں کے اندر کئی دفعہ خشکی پیدا ہوجاتی ہے۔ رگیں کھنچتی ہیں تو کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کا دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔اس لئے ڈاکٹرز نے سوچا کہ اس جگہ کودن میں چار دفعہ تر رکھنا چاہئے۔ میں نے آپ کودیکھا کہ آپ نے ہاتھ منہ تو دھویا ہی ہے لیکن یہاں گردن کی پچھلی طرف بھی آپ نے کچھ کیا۔اس لئے آپ لوگ پاگل کیسے ہوسکتے ہیں؟''



نماز قبول ہوگئی

حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''اگر ایک حاضری میں بادشاہ ناراض ہوجائے تو کیا دوسری بار وہ دربار میں گھسنے دے گا؟ ہرگز نہیں۔بس جب تم ایک مرتبہ نماز کے لئے مسجد میں آگئے، اس کے بعد پھر توفیق ہوئی تو سمجھ لو کہ پہلی نماز قبول ہوگئی اورتم مقبول ہو۔''

سرکہ کا فائدہ

نبی اکرم ﷺ کھانے میں سرکہ استعمال فرماتے تھے۔ آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ سرکے کے استعمال سے انسان کا ہاضمہ بہتر ہوجاتا ہے۔ حیران ہوتے ہیں کہ ایک ایک سنت کے اندر کس قدر فائدے ہیں۔

معدے پر بوجھ کم پڑے گا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا کھاتے تھے تو اچھی طرح چبا چبا کر کھاتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہم جس لقمے کو کھاتے ہیں تو چار پانچ دفعہ چبا کر نگل لیتے ہیں۔ اگر لقمے کو اس سے بھی زیادہ چبالیا جائے تو معدے کا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔ یہ کتنی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ ایک آدمی لقمے کو منہ میں ہی اچھی طرح چبالے گا تو معدے کو کم کام کرنا پڑے گا۔

سب کی مشق ہوتی رہے

کم چبانے والے لوگوں کے دانت عام طور پر زیادہ خراب ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دانتوں کی ایکسرسائز ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایک طرف سے کھانے کا عادی ہو تو اس کے دوسری طرف کے دانت خراب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ کبھی ایک طرف سے چبا کے کھاؤ، کبھی دوسری طرف کے دانتوں سے چبا کر کھاؤ تاکہ تمہارے باقی سب دانتوں کی مشق ہوتی رہے۔ اب بتایئے ایک سنت پر عمل کرنے کے کتنے فائدے آج سمجھ میں آ رہے ہیں۔

طبیعت کی تروتازگی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں طرف سویا کرتے تھے۔ آج سائنس کی دنیا کہتی ہے کہ بائیں کروٹ سونے سے بہت گہری نیند اور ڈراؤنے خواب آتے ہیں، جبکہ دائیں کروٹ سونے والے کو گہری نیند تو آتی ہے، مگر نیند جلد پوری ہو جاتی ہے، یعنی وہ جلدی اٹھ بھی جاتا ہے اور طبیعت تروتازہ ہو جاتی ہے۔

مناسب ہدیہ

استاذ ابوالقاسم جنید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک ابدال مرد اور ایک ابدال عورت کے نکاح کی مجلس میں حاضر ہوا اور حاضرین مجلس میں سے ایک نے اپنا ہاتھ اوپر بڑھایا اور موتی و یاقوت سب کے سامنے لا ڈالے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بھی ہاتھ بڑھایا اور زعفران سامنے لا رکھی تو حضرت خضر علیہ السلام فرمانے لگے۔ ''تم نے دولہا دلہن کے لئے مناسب ہدیہ پیش کیا۔ حاضرین میں سے کسی نے بھی ایسا ہدیہ نہیں دیا۔''

قیامت کی نشانی

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''قرب قیامت میں حاکم فاجر ہوں گے اور علماء فاسق اور امین خائن ہو جائیں گے۔''

اس کافر کی گردن اڑا دو:

عبداللہ ہمدانی فرماتے ہیں کہ ایک دن حسن بن یزید کے متعلق لکھا جو طبرستان میں دعوتِ حق کا کام کر رہے تھے اور کمبل اوڑھتے پہنتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سرگرم رہتے تھے اور ہر سال بیس ہزار دینار بغداد میں بھیجتے تھے جو اولادِ اصحاب رضوان اللہ علیہم پر تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔

ایک شخص انہیں حسن بن یزید کے پاس لایا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گندے قبیح الفاظ استعمال کئے۔ حضرت حسن نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ''اس کی گردن اڑا دو۔''

یہ سن کر کچھ علوی حضرات نے آگے بڑھ کر کہا کہ ''جناب یہ تو ہماری جماعت کا آدمی ہے۔''

حضرت حسن نے فرمایا کہ ''معاذ اللہ، اس شخص نے رسول اللہ ﷺ پر طعن کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ الخبیثات للخبیثین۔ اگر پناہ بخدا حضرت عائشہؓ خبیث ہوں تو آنحضرت ﷺ کا خبیث ہونا لازم آتا ہے۔ معاذ اللہ۔ کیونکہ زبان خداوندی ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں۔ حالانکہ آنجناب ﷺ اکرم الخلق و الطیب الخلق ہیں اوران کی زوجہ مطہرہ بھی طیبہ وطاہرہ ہیں۔ عیب سے پاک ہیں۔

پھر دوبارہ حکم دیا کہ ''اس کافر کی گردن اڑادو۔'' چنانچہ اس کی گردن اڑادی گئی۔ (الزواجر لابن حجر مکی ج ۲ صفحہ ۱۹۵)

دوسروں کا بھید چھپانا قیمتی ہے:

ایک بادشاہ تھا۔ اس کا وزیر بڑا سمجھدار تھا۔ وزیر کے زمانے میں بادشاہ کی سلطنت میں بڑی ترقی ہوئی۔ ایک دن وزیر سخت بیمار ہوگیا۔ بچنے کی امید نہ رہی۔ آخری وقت آ پہنچا۔ بادشاہ فکرمند ہوا کہ ایسا وزیر کہاں ملے گا۔ یہ بات بادشاہ نے وزیر سے کہی۔ وزیر نے بادشاہ کو تین پتلے دیئے، تینوں پتلے ہر بات میں یکساں تھے۔ قد میں برابر تھے، موٹائی میں بھی برابر، رنگ میں بھی یکساں تھے۔ تینوں پتلوں کے ہاتھوں، پیروں میں بھی کوئی فرق نہ تھا۔ آنکھ، کان، ناک اور جسم کے تمام اعضاء بھی سب کے ایک ہی طرح کے تھے۔ بال برابر بھی کوئی چھوٹا بڑا نہ تھا۔ تول میں بھی سب پتلے برابر تھے۔



وزیر نے بادشاہ سے کہا۔ ''یہ تینوں پتلے ہیں تو بالکل یکساں، لیکن تینوں میں بڑا فرق ہے جو آدمی اس فرق کو بتادے، اسی کو آپ میرے بعد وزیر بنا دینا۔ اس کے بعد وزیر نے بادشاہ کے کان میں بتایا کہ تینوں پتلوں میں کیا فرق ہے۔

وزیر کے مرنے کے بعد بادشاہ نے اعلان کرادیا کہ جو ان پتلوں میں فرق بتائے گا اسی کو وزیر بنایا جائے گا۔ وزیر بننے کے لالچ میں لوگ دوڑ پڑے۔ لوگ آتے اور پتلوں کو دیکھتے، پتلوں کا ناپ تول کرتے، رنگ وروپ جانچتے، لیکن فرق نہ پاتے تو پریشان ہوکر واپس چلے جاتے۔ اس طرح بہت دن گزر گئے۔ کوئی پتلوں کو نہ پرکھ سکا۔ اب دیکھئے اللہ کی قدرت، وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کا مرتبہ بڑھانا چاہتا ہے

اس کو سمجھ بوجھ دیتا ہے، ایسا آدمی بڑی مشکل بات کو بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک آدمی ادھر آ نکلا، بادشاہ کا اعلان وہ بھی سن چکا تھا۔ اس نے پتلوں کو تولا، تینوں پلتے برابر نکلے، اب اس نے انہیں ناپا، ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، ناک وغیرہ سب کچھ ایک کر کے ناپتا رہا، ناپ میں برابر، رنگ و روپ جانچا، اس میں بھی کچھ فرق نہ پایا۔ اس نے تینوں کو تو رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ جب یہ پتلے ہر بات میں برابر ہیں تو پھر کیا فرق ہوسکتا ہے؟ اچانک اس کی نگاہ ایک پتلے کے کان پر پڑی۔ پتلے کے کان میں ایک سوراخ تھا۔ اس نے دوسرے پتلوں کو دیکھا تو ان کے کانوں میں بھی سوراخ اور یہ سوراخ بھی برابر تھے۔

اب وہ آدمی اور بھی پریشان ہوگیا۔ وہ پتلوں کو رکھ کر جانے ہی والا تھا کہ اللہ نے اس کے دل میں ایک بات ڈالی۔ اس نے ایک پتلے کے کان میں منہ سے پھونکا، دوسرے پتلے کے کان میں بھی پھونکا اور تیسرے پتلے کے کان میں بھی پھونک ماری، پھر وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اس نے پہرے داروں سے کہا کہ ''میں سمجھ گیا ہوں کہ ان پتلوں میں کیا فرق ہے؟'' پہرے دار دوڑتے ہوئے بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ نے جھٹ دربار لگانے کا حکم دیا اور اس آدمی کو بلوایا۔ دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک آدمی ان پتلوں کا فرق بتائے گا تو بہت سے لوگ بھی ساتھ چلے گئے۔

بادشاہ کا حکم پا کر اس آدمی نے ایک پتلا اٹھایا۔ اس کے کان میں منہ سے پھونکا اور بتایا ''حضور! یہ پتلا تینوں پتلوں میں اول نمبر کا ہے، بڑا ہی قیمتی ہے۔ اگر اسے ہیروں سے تولا جائے تو بھی اس کی قیمت کم ہے۔''

بادشاہ نے پوچھا۔ ''اس پتلے میں کیا اچھائی ہے؟''

اس آدمی نے جواب دیا۔ ''دیکھئے حضور! میں نے اس پتلے کے کان میں پھونکا تو پھونک اس کے پیٹ میں چلی گئی۔''

بادشاہ نے پھر پوچھا۔ ''تو بھائی کیا یہ کوئی اچھائی کی بات ہوگئی؟''

اس آدمی نے کہا۔ ''حضور! یہی تو قیمتی ہے۔ یہ پتلا اس آدمی کی طرح ہے جس سے کوئی بھید کی بات کی جائے تو اسے پیٹ میں رکھ لیتا ہے اور کسی سے نہیں کہتا۔ حضور! جو آدمی دوسرے کا راز کسی سے نہیں کہتا، وہی تو سب سے اول نمبر کا آدمی ہے۔ ایسے آدمی کی سب عزت کرتے ہیں، اچھے بادشاہ اسے اپنا بھیدی بناتے ہیں اور بڑی سے بڑی تنخواہ اسے دیتے ہیں۔''

اس جواب سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ پوچھا۔ ''اچھا دوسرے نمبر کا پتلا کونسا ہے؟''

تو اس آدمی نے دوسرا پتلا اٹھایا۔ اس کے کان میں پھونکا تو پھونک اس کان سے ہوکر دوسرے کان سے نکل گئی۔ اس آدمی نے کہا۔ ''حضور! یہ دوسرے نمبر کا پتلا ہے، یہ پتلا اس آدمی کی طرح ہے جو بات کو اس کان سے سنتا ہے

اور دوسرے کان سے اڑا دیتا ہے۔ ایسے آدمی سے نہ نقصان کا ڈر ہوتا ہے اور نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ اس کو کسی کام پر لگادو تو یہ تیلی کے بیل کی طرح لگا رہتا ہے۔ اس کی کوئی قیمت مقرر نہیں، جو چاہے دے دو، اس کے لئے بہت ہے۔"

بادشاہ اس جواب سے بھی بہت خوش ہوا اور پوچھا۔ "اچھا اب تیسرے پتلے کے بارے میں بتاؤ کہ اس میں کیا بات ہے؟"

اس آدمی نے تیسرا پتلا اٹھایا اور اس کے کان میں پھونکا، پھونک اس کے کان میں سے ہوتی ہوئی منہ میں سے نکل گئی۔ آدمی نے کہا "حضور! یہ پتلا دوکوڑی کا بھی نہیں۔ یہ پتلا اس خراب آدمی کی طرح ہے جس سے کوئی بھید کی بات کہی جائے تو جھٹ دوسروں سے کہہ دیتا ہے۔ جہاں کوئی بات سنتا ہے، بس بے جانچے پرکھے، ہر ایک سے کہتا رہتا ہے۔ ایسا آدمی جھگڑے کی جڑ ہوتا ہے۔ ایسے آدمی کو لوگ اگر بھیدی بنائیں تو وہ بھید کو چھپا نہیں سکتا اور پھر اسے بڑا نقصان ہوتا ہے۔ ایک کو دوسرے سے لڑا دیتا ہے۔ کسی کی عزت اور آبرو کا اسے ذرا بھی دھیان نہیں رہتا۔"

بادشاہ اس جواب سے بڑا ہی خوش ہوا۔ اس نے اس آدمی سے پوچھا۔ "میاں یہ بتاؤ، تمہاری سمجھ میں یہ بات کیسے آ گئی۔ بڑے سے بڑے سمجھدار لوگوں نے ان پتلوں کو دیکھا، جانچا، پرکھا، کوئی نہ سمجھ سکا، تم نے کیسے سمجھ لیا؟"

اس آدمی نے کہا۔ "حضور! یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی کے دل میں نہ ڈالے تو کچھ بھی نہیں کرسکتا اور آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کس طرح یہ بات میری سمجھ میں آئی تو حضور! سچی بات یہ ہے کہ میں بھی ان پتلوں کو جانچتے پرکھتے پریشان ہوگیا تھا اور انہیں رکھ کر جانے ہی والا تھا کہ اچانک مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بچپن کی ایک بات یاد آ گئی اور پھر پتلوں کا بھید سمجھنا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آسان کر دیا۔"

"وہ کیا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

اس آدمی نے بتایا کہ "ایک بار حضرت انس رضی اللہ عنہ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، اتنے میں آپ ﷺ تشریف لائے اور انہیں سلام کیا۔ پھر اپنی کسی ضرورت سے کہیں بھیجا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اس کام میں بہت زیادہ وقت لگا۔ پھر جب وہ اپنی والدہ کے پاس گئے تو والدہ نے کہا کہ اتنی دیر کہاں رہے؟ بتایا کہ آپ ﷺ نے ایک ضرورت سے بھیجا تھا۔ بولیں، کیا ضرورت تھی؟ جواب دیا کہ یہ ایک راز ہے۔ ان کی ماں نے کہا، دیکھو بیٹے! پیارے نبی ﷺ کا راز کسی کو نہ بتانا۔" (مسلم شریف جلد ثانی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنا کر اس آدمی نے بادشاہ سے کہا۔ "حضور! جب سے میں نے یہ بات پڑھی ہے، تب سے میں سمجھتا ہوں کہ بھید کا چھپانا ہی بڑی قیمتی بات ہے اور بھید کا کھول دینا دوکوڑی کی بات ہے۔ مجھے یہی بات یاد آ گئی اور پھر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ان پتلوں کا سمجھنا آسان کر دیا۔"

بادشاہ نے کہا "سچ مچ ان پتلوں میں یہی فرق ہے۔" اس کے بعد بادشاہ نے اس آدمی کو اپنا وزیر بنالیا۔

قیامت کی نشانیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کی علامتوں اور شرائط میں سے یہ ہے کہ اجڑے ہوئے گھر آباد ہوجائیں گے اور آبادیاں اجڑ جائیں گی۔''

دیہاتی لوگوں کا تیزی سے شہروں کی طرف منتقل ہونا مراد ہے۔ بہت سی دیہاتی آبادیاں اجڑ گئیں اور شہر میں وسعت پیدا ہوگئی اور غیر آباد جگہیں آباد ہوگئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بے شک قیامت کی نشانیوں اور شرطوں میں سے یہ ہے کہ مسجدوں کی محرابوں کی زیبائش کی جائے گی اور دل ویران ہوجائیں گے۔''

پرندوں کی بولیوں میں اللہ کا ذکر:

جانور جب بولتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟

ہر جانور کی بولی الگ الگ ہے اور جب بھی کوئی جانور بولتا ہے تو وہ اکثر و بیشتر اللہ کی تسبیح کرتا ہے یا وعظ و نصیحت کی کوئی بات کہتا ہے۔ چنانچہ

۞ ....تیتر کہتا ہے۔ الرحمن علی العرش استوی۔یعنی اللہ تعالیٰ عرش کے مالک ہیں۔

(روح المعانی،صفحہ۱۹/۱۷۲)

۞ ......فاختہ کہتی ہے۔یلیت الخلق لم یخلق۔یعنی اے کاش کہ مخلوق پیدا ہی نہ کی جاتی۔

(روح المعانی،صفحہ۱۹/۳۷۱)

۞ ......مور کہتا ہے۔ کما تدین تدان۔یعنی جیسا کروگے ویسا ہی بھروگے۔ (روح المعانی۔صفحہ۱۹/۱۷۱)

۞ ......گدھ (کرگس) کہتا ہے۔یاابن آدم عش ماعشت فان اخرک الموت یعنی اے آدم کے بیٹے، جتنا جینا ہے جی لے، آخر تجھے مرنا ہے۔

۞ ......باز کہتا ہے۔ فی البعد من الناس انس۔لوگوں سے دور رہنے میں راحت ہے۔

(روح المعانی،صفحہ۱۷۲/۱۹)

۞ ......سنگ خورہ کہتا ہے۔ من سکت سلم۔یعنی جو خاموش رہا،اس نے نجات پائی۔

(روح المعانی،صفحہ۱۷۱/۱۹)

۞ ......مینڈک کہتا ہے سبحان ربی القدوس۔یعنی پاک ہے میرے پروردگار کی ذات۔

(روح المعانی،صفحہ۱۷۱/۱۹)

۞ ......طوطا کہتا ہے۔ ویل لمن الدنیا همه۔یعنی جس نے دنیا کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا۔

(روح المعانی۔صفحہ۱/۱۹

اپنی سواری اور سامان لے لو

ابن طاؤس نے اپنے والد حضرت طاؤس کا قول نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی سواری کا اونٹ ایک جگہ بٹھا کر باندھ دیا۔ پھر آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا کہ ''الٰہی! یہ سواری کا اونٹ مع تمام سامان کے جب تک یہ لوگوں میں ہے تیری ضمانت میں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ مسجد الحرام میں چلا گیا۔ تھوری دیر بعد وہاں سے نکل کر اس جگہ پہنچا جہاں اونٹ باندھ دیا تھا۔ دیکھا کہ اونٹ اور سامان سب کچھ غائب ہے۔ اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا ''الٰہی! میری کوئی چیز تو چوری نہیں ہوئی، جو کچھ چوری ہوا ہے وہ تیرا ہی تھا۔ تیری ہی چیزیں چوری کی گئی ہیں۔''

طاؤس کہتے ہیں کہ ہم یہ حال دیکھ ہی رہے تھے کہ اچانک کوہ ابوقبیس کی چوٹی سے ہم نے ایک شخص کو اترتے دیکھا جو بائیں ہاتھ سے اونٹ کی مہار پکڑے اس کو کھینچ کر لا رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ کٹا ہوا اس کے گلے میں جھول رہا تھا۔ وہ شخص اعرابی کے پاس آیا کہ ''لو اپنی سواری اور سامان!''

میں نے اعرابی سے کیفیت دریافت کی تو اس نے کہا کہ ''میں اونٹ اور سامان کو لے کر جب ابوقبیس پر پہنچا تو ایک سوار آیا اور مجھ سے کہا کہ اے چور! اپنا داہنا ہاتھ نکال۔ میں نے داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے میرا داہنا ہاتھ پتھر پر رکھ کر کاٹ دیا اور میری گردن میں لٹکا دیا اور مجھ سے کہا کہ نیچے اتر اور یہ سواری اور سامان جس اعرابی کا ہے اس کو واپس کر دے۔''

جنت میں نہ جائیں گے

ایک دفعہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شخص کو سنا کہہ رہا تھا "المرء مع من احب" (یعنی جو جس سے محبت کرے گا، اسی کے ساتھ رہے گا۔)

آپ نے فرمایا "اے دوست! تجھے یہ بات دھوکہ نہ دے، کیونکہ تو اس وقت تک نیکوں کے ساتھ نہ ہوگا جب تک ان کے جیسے اعمال نہ کرے گا۔" چنانچہ یہود اور نصاریٰ اپنے انبیاء سے محبت کرتے تھے، لیکن ان کے ساتھ جنت میں نہ جائیں گے، کیونکہ اعمال میں ان کے مخالف ہیں۔

اربوں پتی باپ کا بیٹا چوک میں کھڑا ہوا بھیک مانگنے لگا:

ہمارے شہر میں ایک بڑا زمیندار آدمی تھا، انگریزوں کی حکومت نے اسے اتنی زمینیں دیں کہ ریل گاڑی چلتی تو اگلا اسٹیشن اسی کی زمین میں آتا تھا، پھر ریل گاڑی چلتی تو دوسرا اسٹیشن بھی اسی کی زمین ہی میں آتا تھا، پھر ریل گاڑی چلتی تو تیسرا اسٹیشن بھی اس کی زمین میں آتا تھا۔ گویا ریل گاڑی کے تین اسٹیشن اس کی زمینوں میں آتے تھے۔ وہ اربوں پتی آدمی تھا۔ اس کا عالیشان گھر تھا، خوبصورت بیوی تھی اور ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی زندگی ٹھاٹھ کی گزر رہی تھی۔

ایک مرتبہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شہر کے ایک چوک میں کھڑا آئس کریم کھا رہا تھا۔ اسی دوران اس کے دوستوں نے کہا کہ آج کل کا وبارا چھا نہیں ہے، کچھ پریشانی ہے اور ہم مصروف رہتے ہیں۔ یہ سن کر اس کے اندر "میں" آئی اور وہ کہنے لگا "یار! تم بھی کیا ہو، ہر وقت پریشان پھرتے رہو کہ آئے گا کہاں سے؟ لیکن میں تو پریشان پھرتا ہوں کہ لگاؤں کہاں پہ، میری تو اکیس نسلوں کو بھی کمانے کی پرواہ نہیں ہے۔"

جب اس نے تکبر کی یہ بات کی تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند آئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ چھ مہینوں کے اندر اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ پیچھے اس کا نوجوان بیٹا تھا۔ اس کی عمر سترہ اٹھارہ سال تھی وہ اس کی ساری جائیداد کا وارث بن گیا۔ اٹھتی جوانی تھی اور پیسہ بھی بے حد وحساب تھا۔ اسی طرح کے اس کے دوست بھی بن گئے جنہوں نے اس کو غلط راستے پر

ڈال دیا۔ اس کو شباب اور شراب والے کام سکھا دیتے۔ اٹھتی جوانی میں یہ جنسی گناہ بڑے پرکشش ہوتے ہیں۔ آدمی چاہتا ہے کہ کھانا ملے یا نہ ملے البتہ یہ گناہ کرنے کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔

چنانچہ اس کو روزانہ نئے مہمان مل جاتے۔ اس طرح وہ پیسہ پانی کی طرح بہانے لگ گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے بڑے شہروں کا رخ کرلیا۔ اس نے چند سالوں میں خوب جی بھر کر عیاشی کی۔ اسے کوئی ایسا دوست ملا جس نے اسے کہا کہ آؤ ذرا ہم تمہیں باہر ملک کی سیر کرواتے ہیں۔ وہ اسے تھائی لینڈ لے گیا۔ وہاں پر اس نے چٹی چمڑی (گورے رنگ والی لڑکیوں) سے اس کا تعارف کروادیا۔ وہاں کے کلبوں میں بھی دریا کی طرح پیسہ بہایا۔ وہاں اس نے ساری ساری رات عیاشی میں گزار دی۔ حتیٰ کہ سارا بینک بیلنس ختم ہوگیا۔

اب نہ صحت رہی اور نہ پیسہ۔ ایک وہ وقت بھی آیا کہ واپس آکر اس کو گھر بھی بیچنا پڑ گیا۔ چنانچہ جب گھر بھی بک گیا تو اس نے فٹ پاتھ پر سونا شروع کر دیا اور جس چوک میں کھڑے ہو کر اس کے باپ نے تکبر کی بات کی تھی اسی چوک میں اس کا یہ بیٹا کھڑے ہو کر بھیک مانگا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ تمہیں ہم نے جو اتنا دیا ہے اس پر تکبر کرتے ہو، کہتے ہو کہ میں پریشان ہوں کہ لگاؤں کہاں پہ اور تم کہتے ہو کہ میری اکیس نسلوں کو بھی کمانے کی پرواہ نہیں۔ نہیں، جہاں تم کھڑے ہو، یہیں تمہارا بیٹا کھڑا ہو کر بھیک مانگا کرے گا۔ میرے دوستو! ہوسکتا ہے کہ باقی گناہوں کی سزا فقط آخرت میں ملے، لیکن تکبر وہ گناہ ہے کہ جس میں آخرت میں سزا تو ملے گی ہی سہی، اللہ تعالیٰ اس کی سزا دنیا میں بھی ضرور دیا کرتے ہیں۔

نکاح کی وجہ

شعیب نے ارادہ کیا کہ ایک عورت سے شادی کرے تو اس کو کہا میں ہوں برے اخلاق والا تو عورت نے کہا آپ سے زیادہ بداخلاق وہ ہے جو آپ کو بداخلاقی پر مجبور کرے گا۔ شعیب کو یہ بات پسند آئی اور اس سے نکاح کرلیا۔

تیری کوئی سوکن نہیں

زبیر بن بکار یا کسی اور کی بیوی کو کہا گیا کہ مبارک ہو تیری کوئی سوکن نہیں ہے۔

اس نے کہا واللہ یہ کتابیں مجھ پر کئی سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

تجھ کو طلاق ہو اگر......

ایک عورت کی اپنے شوہر سے منہ ماری ہوئی۔ پھر عورت مرد سے منہ پھیر کر گھر کی سیڑھی پر چڑھنے لگی تو مرد کو نگہبانی کی فکر ہوئی تو وہیں سے چیخا کہ ''تجھ کو طلاق ہے اگر تو چڑھی اور تجھے طلاق ہے اگر اتری اور تجھ کو طلاق ہے اگر ٹھہری۔'' عورت نے فوراً اپنے وجود کو نیچے اچھال دیا۔ شوہر بہت ہی خوش اور محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''تجھ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اگر امام مالک کا انتقال ہو گیا تو مدینے والے تیرے احکام کی طرف محتاج ہوں گے۔''

آدھے پیسوں سے اپنی حالت درست کرو:

حضرت ابن سیرینؒ نے ایک عیالدار تنگ دست شخص سے پوچھا کہ ''تمہارا کیا حال ہے؟''
اس نے کہا ''اس شخص کا حال آپ کیا پوچھتے ہیں جس کے ذمے پانچ سو درہم قرض ہوں اور وہ عیالدار بھی ہو۔''
یہ سن کر حضرت ابن سیرینؒ گھر میں گئے اور ہزار درہم لا کر اس شخص سے فرمایا۔ ''پانچ سو سے قرض ادا کرو اور پانچ سو سے اپنی حالت درست کرو۔''

جب آخری وقت قریب آیا اور حالت نزع طاری ہوئی تو ان کے جاننے والوں میں سے کسی کی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو، لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو اپنے روپوں کی فکر تھی جو شیخ کے ذمہ تھے۔ شیخ خود بھی اپنے قرض کے خیال سے بے چین تھے اور حیران تھے کہ یہ بوجھ سر پر لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کیسے حاضر ہوں گے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور کہا کہ ''اے رب! اب تو ہی میرے قرضوں کو پورا کر، میں تو ایک عاجز و حقیر بندہ ہوں۔ اس لئے کیا کر سکتا ہوں۔''

اس وقت تمام قرض خواہ شیخ کے سرہانے کھڑے تھے۔ ابھی شیخ کی دعا کے الفاظ ختم بھی نہیں ہوئے تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی کہ ''احمدؒ کے قرض خواہ باہر آجائیں اور اپنا حساب چکالیں۔'' اس آواز کے سنتے ہی تمام قرض خواہ باہر کی طرف لپکے اور اس شخص نے شیخ کے سب قرضوں کو چکا دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ ادھر اس نے قرض ادا کیا۔ ادھر حضرت احمد خضرویہؒ اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

صدقہ سے مصیبت ٹل جاتی ہے

بنی اسرائیل کی ایک عورت اپنے بچے کو لے کر جنگل میں سے گزر رہی تھی۔ اچانک ایک بھیڑیا آیا اور اس نے اس عورت پر حملہ کر دیا۔ جب بھیڑیئے نے حملہ کیا تو وہ کمزور دل عورت گھبرا گئی۔ جس کی وجہ سے اس کا بیٹا اس کے ہاتھ سے نیچے گر گیا۔ اس بھیڑیئے نے بچے کو اٹھایا اور بھاگ گیا۔ جب ماں نے دیکھا کہ بھیڑیا میرے بیٹے کو منہ میں ڈال کر لے جا رہا ہے تو ماں کی مامتا نے بھی جوش مارا اور اس کے دل سے ایک آہ نکلی۔ جیسے ہی اس کی آہ نکلی تو اس نے دیکھا کہ ایک جوانمرد سا آدمی درخت کے پیچھے سے اس بھیڑیئے کے سامنے آیا اور بھیڑیئے نے جب اچانک کسی کو اپنے سامنے دیکھا تو وہ بھی گھبرا گیا جس کی وجہ سے بچہ بھیڑیئے کے منہ سے نیچے گر گیا اور بھاگ گیا۔ اس نوجوان نے بچے کو اٹھایا اور لا کر اس کی ماں کے حوالے کر دیا۔

وہ ماں کہنے لگی ''تو کون ہے؟ جس نے میرے بچے کی جان بچائی۔''

اس نے کہا۔ ''میں اللہ رب العزت کا فرشتہ ہوں۔ مجھے پروردگار نے آپ کی مدد کے لئے بھیجا ہے۔ ایک دفعہ آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہی تھی، عین اسی وقت کسی سائل نے آپ کے دروازے پر روٹی کا ٹکڑا مانگا، آپ کے گھر میں اس وقت وہی روٹی تھی جو آپ کھا رہی تھی۔ آپ نے اس وقت سوچا کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرنے والے کو خالی کیسے بھیجوں۔ تم نے اپنے منہ کا لقمہ نکال کر سائل کو دے دیا۔ آج پروردگار نے بھیڑیئے کے منہ کا لقمہ نکال کر آپ کے حوالے کر دیا ہے۔''

خواہشات نفس اور شیطان

عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ فرماتے ہیں، اپنی آرزوؤں کو دل میں ہی مار ڈالو اور دلوں کو ان میں نہ مرنے دو، کیونکہ جس نے اپنی شہوات کو پاؤں کے نیچے دبا دیا، شیطان اس کے سایہ سے بھی بھاگتا ہے۔ اور وہ شخص جو خواہشات کو دل میں جگہ دے تو شیطان اس پر سوار ہو جاتا ہے اور جدھر چاہتا ہے، لے جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔

آنے والے کا حق

حضرت والا مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ بڑے محقق عارف تھے اور حد درجہ حق پرست تھے۔ حضرت کے یہاں پہلے ضابطہ تھا کہ جب کوئی نو وارد آئے تو بدوں سوال کئے ہوئے خود بتادے کہ میں فلاں ہوں، فلاں جگہ سے آیا ہوں اور فلاں مقصد کے لئے حاضر ہوا ہوں، لیکن جب حضرت والا کی نظر مبارک سے یہ حدیث گذری کہ بالداخل دهشتة فتلقو نه بمرحبا (للدیلمی) ''نئے آنے والے کو اجنبیت کے سبب ایک قسم کی حیرت زدگی یعنی بدحواسی ہوتی ہے۔ سو اس کو آؤ بھگت کرلیا کرو۔'' تاکہ اس کی طبیعت کھل کر مانوس ہوجائے۔ اور حواس بجا ہوجاویں، اور ہر قول و فعل کا موقع سمجھ کر نہ خود پریشان ہو نہ دوسرے کو پریشان کرے۔ اس کے بعد حضرت نے ضابطہ ختم کردیا۔

ختم نبوت زندہ باد:

ایک مسلمان نے سڑک کے درمیان آ کر بلند آواز میں نعرہ لگایا ''ختم نبوت زندہ باد۔''

ان دنوں ختم نبوت کی تحریک زوروں پر تھی۔ ختم نبوت کے پروانے گولیوں، لاٹھیوں، جیلوں اور حوالاتوں کے مزے لے رہے تھے۔ جونہی اس نے نعرہ لگایا، پولیس والا آگے بڑھا اور اس کے گال پر زوردار تھپڑ مارا، تھپڑ کھاتے ہی اس نے پھر کہا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''

اس بار پولیس والے نے اسے بندوق کا بٹ مارا۔ بٹ کھا کر وہ پہلے سے زیادہ بلند آواز میں گرجا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''

اب تو پولیس والے اس پر جھپٹ پڑے۔ ادھر وہ ہر تھپڑ، ہر لات اور ہر بٹ، پر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگاتا چلا گیا۔ وہ مارتے رہے، یہاں تک کہ زخموں سے چور چور ہوگیا۔ اسی حالت میں اٹھا کر فوجی عدالت میں پیش کیا گیا۔ اس نے عدالت میں داخل ہوتے ہی نعرہ لگایا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''

فوجی نے فوراً کہا۔ ''ایک سال کی سزا۔''



ایک سال کی سزا کا سن کر اس نے پھر نعرہ لگایا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''
فوجی نے فوراً کہا۔ ''دو سال سزا.....''
اس نے پھر نعرہ لگایا۔ ''ختم نبوت زندہ باد.....''
فوجی نے پھر کہا۔ ''تین سال سزا.....''
اس نے پھر ختم نبوت زندہ باد کا نعرہ لگایا۔
غرض وہ ایک ایک سال کر کے سزا بڑھاتا چلا گیا، یہ ختم نبوت کا نعرہ لگاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ سزا بیس سال تک پہنچ گئی۔ بیس سال کی سزا سن کر بھی اس نے کہا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''
اس پر فوجی نے جھلا کر کہا۔ ''باہر لے جا کر گولی مار دو۔''
اس نے گولی کا حکم سن کر کہا۔ ''ختم نبوت زندہ باد۔''
ساتھ ہی خوشی کے عالم میں ناچنے لگا۔ ناچتے ہوئے بھی برابر نعرے لگا رہا تھا۔ ''ختم نبوت زندہ باد..... ختم نبوت زندہ باد..... ختم نبوت زندہ باد.....''
عدالت میں وجد کی حالت طاری ہوگئی۔ یہ حالت دیکھ کر عدالت نے کہا۔ ''یہ دیوانہ ہے، دیوانے کو سزا نہیں دی جاسکتی، رہا کردو.....''
رہائی کا حکم سنتے ہی اس نے پھر کہا۔ ''ختم نبوت زندہ باد.....''
(میں بھی کہتا ہوں ختم نبوت زندہ باد، آپ سب بھی کہیں، ختم نبوت زندہ باد)۔

لوگوں کا مال لوٹنے والوں کے مختلف طریقے:

سنڈے میگزین جنگ لندن میں نوسربازوں، دھوکہ بازوں، سبز باغ دکھا کر لوٹنے والوں کے بارے میں ایسا مضمون شائع ہوا تھا، جس میں بتایا گیا تھا کہ سیدھے سادہ لوگوں کو شعبدہ باز کس طرح لوٹتے ہیں۔ یہ بے چارے سب

کچھ لٹانے کے بعد اپنے آپ کو کوستے، ہاتھ ملتے واپس آ جاتے ہیں۔ انہیں ہوش اس وقت آ تا ہے جب سب کچھ گنوا بیٹھتے ہیں، یوں تو پیسے چھیننے، مال بٹورنے کے بہت طریقے ہیں۔ شہروں میں اکثر دیہاتیوں کا شکار کرنے والے نکلتے ہیں، کچھ گروپوں کی شکلوں میں ہوتے ہیں، کچھ انفرادی طور پر لوگوں کو لالچ دیتے ہیں۔

''ہم پیسے دوگنے کر دیتے ہیں۔''

''سونا بنا کر دیتے ہیں۔''

گھر والوں کو کہتے ہیں ''چوری چھپے جتنے بھی پیسے ہیں، جتنا بھی زیور ہے ہمیں لا کر دیں، اتنے دن کے بعد ڈبہ کھولنا، کسی کو بتانا بھی نہیں۔''

جب کچھ دنوں کے بعد یا ان کے بھاگنے کے بعد دیکھتے ہیں، سوائے مٹی اور کاغذات کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ عقل کے اندھے سوچتے نہیں، پیسے دوگنا کرنے، سونا بنانے کا کوئی فارمولا آج تک نہیں بنا۔

کئی مقامات پر مساجد کی رسید بکیں چھپوا کر چندہ مانگتے ہیں۔ تحقیق کر کے دیکھیں تو وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایک آدمی پکڑا گیا۔ اس نے کئی قسم کی جعلی رسید بکیں چھپوائی ہوئی تھیں۔ اہلحدیث، دیوبندی، بریلوی حضرات سب مکاتب فکر کے لوگوں کی رسید بکیں تھیں۔ پھر ہر فرقہ کے بڑے علماء کے سفارشی خطوط بھی تھے۔ اسی طرح کئی حضرات ہیں، ان کا کاروبار ہی یہی ہے، کئی جگہ مساجد سے نکالے ہوئے امام بھی یہ کام کرتے ہیں۔ بعض کو اخبار میں اشتہار دے کر بتانا پڑتا ہے کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

برطانیہ میں کچھ لوگ مساجد کے اونر آتے ہیں، ہم نے فلاں جگہ جانا ہے، ہمارے پاس کرایہ نہیں ہے، ایک آدمی آیا جو ترکی کا رہنے والا بتاتا تھا۔ مولانا روم کے شہر کا رہنے والا ہوں۔ یہاں ایک دیہات میں رہتا ہوں۔ بچے ساتھ ہیں۔ مالک مکان انگریز ہے۔ تقریباً دوسو پونڈ چاہئے، کرایہ ادا کرنا ہے۔ ساتھیوں نے مل کر پیسے دیئے، بعد میں پتہ چلا، یہ دھوکہ باز تھا۔

ہمارے ایک ساتھی جو مصیبت زدہ لوگوں کی کافی امداد کرتے ہیں، ان کے پاس ایک عربی آیا، جو وضع قطع سے بڑا امیر نظر آتا تھا۔ کہنے لگا، بچہ فوت ہوگیا ہے، ایئر پورٹ پر باڈی ہے، باڈی چھڑانے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ میرے پاس کارڈ ہے، صرف دوسو پونڈ نکلوا سکتا ہوں، پانچ سو پونڈ کی ضرورت ہے، قیمتی کپڑے گھڑی گروی رکھ لیں یا اپنا پتہ دے دیں۔ میں جاتے ہی واپس بھیج دوں گا۔

ساتھی نے مروت کے خلاف سمجھا۔ بچہ فوت ہوگیا ہے، ہے بھی امیر، یہ دھوکہ نہیں کرے گا۔ آج تک اس نے پیسے واپس نہیں کیئے۔

کینیڈا کی تاریخ میں منفرد کیس

کینیڈا سے ہمارے ایک دوست پچھلے دنوں پاکستان آئے تو کینیڈا سے متعلق معلوماتی باتیں سناتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک ذاتی واقعہ بھی سنایا کہ میری بیوی زچگی کی حالت میں تھی اور میں فیملی کے ساتھ تازہ تازہ کینیڈا میں گیا تھا۔ میں نے ہسپتال میں رابطہ کیا تو انہوں نے گھر سے ہسپتال آنے کو کہا۔ وہاں انہوں نے بڑی توجہ دی اور پھر اندازے سے ڈیٹ بھی دی۔ جب وہ ڈیٹ قریب آئی تو میں نے ہسپتال کی لیڈی ڈاکٹر سے عرض کی کہ میرا کیس لیڈی ڈاکٹرز اٹینڈ کریں اور کوئی مرد موجود نہ ہو۔

اس پر وہ لیڈی ڈاکٹر بڑی حیران ہوئی۔ اب میں نے اس کی حیرانی کو بھانپتے ہوئے بتلایا کہ ''ہم مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان میں چاہتا ہوں کہ ہمارے شرم وحیاء اور عفت و پاکدامنی ایسی مجبوری کی حالت میں بھی قائم رہے۔''

اس پر وہ کہنے لگی ''میں آپ کو مشورہ کر کے بتلاتی ہوں۔'' مشورے کے بعد اس نے مجھے آگاہ کیا کہ ''ایسا ناممکن ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ اگر میری شفٹ میں یہ کیس آیا تو میں خود نمٹاؤں گی۔''

اس پر میں نے کہا کہ ''اچھا! لیڈی۔ میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ ہمارے کیس کا وقت آپ کی شفٹ میں لائے۔''

اس پر وہ کہنے لگی۔ ''اللہ کون ہے؟ وہ کیسے یہ کرے گا؟''

لگتا ہے کہ وہ سمجھی کہ شاید وہ کوئی بڑا آدمی ہے جو ایسا بندوبست کرے گا۔ اس پر میں نے اس کو سمجھایا کہ ''جسے تم GOD کہتے ہو، ہم اسے اللہ کہتے ہیں اور آپ کے GOD کا بیٹا بھی ہے جو آپ نے بنا رکھا ہے، مگر میرا اللہ طاقتور ہے کہ وہ کسی کا رشتہ دار نہیں ہے۔ وہ خالق ہے اور اپنی مخلوق کی فریادیں سنتا اور پوری کرتا ہے۔''

اس پر وہ لیڈی ڈاکٹر کہنے لگی ''ٹھیک ہے، آپ ذرا ٹھہریں۔ میں دوبارہ مشورہ کرتی ہوں۔''

اب انہوں نے مشورہ کیا اور فیصلہ کرنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے مجھے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں، آپ کے کیس کو ہم عورتیں ہیں ڈیل کریں گی۔ کوئی مرد قریب نہیں آئے گا۔'' یوں یہ ہمارا کیس کینیڈا میں منفرد کیس تھا کہ جسے عورتوں نے ہی ڈیل کیا تو جب بندہ اپنے اللہ کو آواز دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ذرائع بھی پیدا کرتا ہے۔ اپنی مخلوق کے دل بھی بدلتا ہے کہ مخلوق کے دل اللہ ہی کی مٹھی میں ہیں۔

ہاتھی

امام مالک کے حلقہ درس میں ایک طالب علم یحییٰ مصمودی، اندلس سے چل کر آئے اور آپ سے تحصیل حدیث کی۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں، ایک دفعہ مدینہ میں شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے۔ سب طالب علم ہاتھی دیکھنے چلے گے۔ لیکن یحییٰ بن یحییٰ نہیں گئے۔ امام صاحب نے کہا کہ ''آپ کیوں نہیں گئے؟'' تو اندلسی طالب علم نے جواب دیا۔ ''میں آپ کے شہر میں آپ کو دیکھنے اور آپ سے علم و ادب سیکھنے کے لئے آیا ہوں۔ میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا۔'' امام مالک اپنے شاگرد کا جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کو ''عاقل اہل الاندلس'' کا خطاب دیا۔

(تاریخ ابن خلکان)



اللہ کسی نہ کسی دن ضرور پکڑتا ہے

پچھلے ہفتے صدام حسین نے اپنی سالگرہ منائی۔ انہوں نے اس موقع پر سفید سوٹ پہن رکھا تھا۔ عراق بھر سے آئی ہوئی نوجوان لڑکیاں اس کے سامنے ناچ اور لوگ گیت گا رہی تھیں وہ ''پاپا صدام'' کے نعرے لگا رہی تھیں۔ بعد میں صدر نے ایک بہت بڑا سالگرہ کیک کاٹا اور سونا سے بنے رتھ پر سوار ہوئے جسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ مگر آج صدام کے انجام سے دنیا باخبر ہے۔ سچ ہے کہ عیاش ایک نہ ایک دن ضرور پکڑ میں آتا ہے۔

پراسرار تھیلے کا راز

ایک روز میں اور میرا دوست مدثر بہاولپور جانے والی ٹرین میں سوار ہوئے، ان دنوں دہشت گردی کے واقعات عروج پر تھے۔ ہمارے دوست کو ہیرو بننے کا بڑا شوق تھا۔ ابھی ٹرین چلنے ہی والی تھی کہ ایک نوجوان لڑکا اپنے ہاتھ میں کالے رنگ کا تھیلا پکڑے ہمارے ڈبے میں آیا اور تھیلا سیٹ پر رکھ دیا اور ہمیں یہ کہہ کر چلا گیا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ اس کے جانے کے بعد گاڑی چل پڑی، لیکن وہ لڑکا نہ آیا۔ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ اس تھیلے میں بم وغیرہ نہ ہو۔ جب بیس پچیس منٹ گزر گئے تو میرے دوست مدثر نے مجھ سے کہا کہ وہ گاڑی کو بریک لگانے والی زنجیر کھینچنے لگا ہے، کیونکہ میری چھٹی حس پکار رہی تھی کہ اس تھیلے میں بم ہے۔

میں نے بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانا اور اچانک کھڑے ہوکر زنجیر کھینچ دی۔ گاڑی رک گئی۔ تمام لوگ پریشان تھے کہ کیا ہوا؟ تھوڑی دیر بعد گارڈ نے ہمارے ڈبے میں آ کر پوچھا کہ ''گاڑی کی زنجیر کس نے کھینچی ہے؟''

مدثر فوراً بولا۔ ''سر ہم نے۔''

مدثر نے گارڈ کو اس پراسرار تھیلے کے متعلق بتایا کہ اس میں ضرور بم ہے۔ تمام مسافر حیران اور خوفزدہ تھے۔ گارڈ نے تھیلے کو کھولا تو اس میں سے ایک بڑا سا خالی جوتے کا ڈبہ نکلا، جس پر لکھا تھا ''بم''۔

دراصل اس لڑکے نے شرارت کی تھی، جس کی سزا ہمیں ملی۔ جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ۱۰۰ روپے جرمانہ الگ پڑ گیا۔ اللہ اللہ کر کے جب ہم بہاولپور پہنچے تو ہمارا سارا جسم دکھ رہا تھا اور ہم ہائے ہائے کر رہے تھے۔ اس دن کے بعد میرے دوست نے ہیرو بننے کی کبھی کوشش نہیں کی اور میں نے اس کے ساتھ سفر کرنے سے توبہ کر لی۔

حوض کوثر سے پیاس بجھاؤں گا

شہید خواہ کتنا ہی زخمی کیوں نہ ہو، عالم نزع میں اسے زخموں کا درد بس ایسا ہوگا جتنا ایک چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری)

۱۸۲۴ء کی بات ہے۔ جنگ پھولڑہ میں سید احمد شہید بریلوی اور شاہ محمد اسماعیلؒ دہلوی کی فوجوں کو مخالفین پر فتح حاصل ہوئی۔ جب دشمن بھاگ گیا تو مجاہد زخمیوں کو پانی پلانے لگے اور ان کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ ایک زخمی نے پانی پلانے والے مجاہد سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہید کے عالم نزع کے متعلق کیا فرمایا ہے؟

اس نے مذکور حدیث بیان کی تو زخمی مجاہد کی آنکھوں میں چمک نمودار ہوئی اور اس نے پانی پینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ ''بھائی! ادھر دیکھو، نیزہ سینے سے پار ہو گیا ہے اور اس کی انّی دوسری طرف نکل آئی ہے۔ لیکن درد اور تکلیف نہ ہونے کے برابر ہے، اس لئے اب اپنی پیاس حوض کوثر کے جام ہی سے بجھاؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موند لیں۔ یوں اس نے ایمان بالغیب کے حق میں ایک زندۂ جاوید شہادت مہیا کر دی۔

بیماری کا ایک عجیب علاج

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بڑے درجے کے علماء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا نکلا ہوا ہے، ہر طرح کا علاج کرا چکا ہوں، بہت سے اطباء سے بھی رجوع کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: ''جاؤ! کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں پانی کی قلت ہو اور لوگ پانی کے ضرورت مند ہوں، وہاں جا کر ایک کنواں کھودو، مجھے امید ہے کہ وہاں کوئی پانی کا چشمہ جاری ہوگا تو تمہارا خون رک جائے گا۔'' اس شخص نے ان کے کہنے پر عمل کیا تو تندرست ہوگیا۔

یہ واقعہ علامہ منذریؒ نے امام بیہقیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے، اسے نقل کرنے کے بعد علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ اسی جیسا ایک واقعہ ہمارے شیخ ابوعبداللہؒ حاکمؒ کا بھی تھا، ان کے چہرے پر پھنسیاں نکل آئی تھیں، بہت سے علاج کئے، مگر پھنسیاں ختم نہیں ہوئیں۔ تقریباً سال بھر اس تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد وہ جمعے کے دن امام ابوعثمان صابونیؒ کی مجلس میں پہنچے اور ان سے دعا کی درخواست کی، امام صابونیؒ نے ان کے لئے دعا کی، حاضرین نے آمین کہی۔

اگلے جمعے کو ایک عورت نے امام صابونیؒ کی مجلس میں ایک پرچہ بھجوایا، اس میں لکھا تھا کہ پچھلے جمعے کو شیخ ابوعبداللہ حاکمؒ کی دعائے صحت کے بعد میں گھر گئی، وہاں جا کر میں نے بھی ان کی صحت کے لئے بہت دعا کی۔ اسی رات مجھے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے مجھے خواب میں فرمایا کہ ابوعبداللہ سے کہو کہ وہ مسلمانوں کے لئے وسعت کے ساتھ پانی پہنچانے کا انتظام کریں۔

شیخ حاکم کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل بنادی۔ جس سے لوگ خوب پانی پیتے تھے، اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ شیخ پر شفا کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ پھنسیاں ختم ہوگئیں اور چہرہ پہلے کی طرح صاف اور خوبصورت ہوگیا۔ اس کے بعد وہ کئی سال زندہ رہے۔

قسطنطنیہ کی فتح کا راز:

سلطان عثمان سے لے کر سلطان سلیمان اعظم تک دس حکمران ہوئے، یہ سب کے سب فاتحہ کردار رکھتے تھے۔ اسی لئے سلطنت عثمانیہ کی حدود میں مسلسل توسیع کا عمل جاری رہا۔ رومی (بازنطینی) سلطنت کا پایہ تخت قسطنطنیہ (استنبول) سلطان محمد ثانی کے عہد میں فتح ہوا، اسی وجہ سے اس بادشاہ کا نام پوری دنیائے اسلام میں "سلطان محمد فاتح" مشہور ہوا اور یہ اتنا بڑا کارنامہ تھا کہ مسلمان اس پر آج بھی جس قدر فخر کریں کم ہے۔ عہد بنوامیہ سے اس رومی شہر کو فتح کرنے کی کوشش ہو رہی تھی، لیکن مثلث کی شکل میں دو اطراف سے سمندر میں گھرا ہوا یہ شہر اس قدر محفوظ تھا کہ تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی اسلامی لشکر اسے فتح نہیں کر سکا تھا۔ اس شہر کا بحری اور بری محاصرہ ۵۱ دن تک جاری رہا تھا اور شہر پھر بھی کسی طرح فتح نہیں ہو رہا تھا۔

آخر سلطان محمد فاتح نے ایک محیر العقول فیصلہ کیا اور اپنے ہلکے جہازوں کے لئے خشکی (پہاڑ و جنگل وغیرہ) پر چلنے کے لئے لکڑی کے تختے تیار کر کے زمین پر بچھائے اور ان پر چربی مل دی گئی، اس طرح رومیوں کے شہر کے باہر تنگ کھاڑی میں اوپر خشکی سے وہ جہاز پہنچا دیئے گئے۔ بھاری توپوں سے فصیل پر گولے برسائے گئے مگر بے سود، کیونکہ فصیل بہت مضبوط اور اندازہ سے موٹی تھی۔

ثقہ روایت یہ ہے کہ قسطنطنیہ فوج کی طاقت سے نہیں بلکہ ایک بزرگ حضرت شمس الدینؒ کی دعا سے فتح ہوا تھا، جو اس وقت تک سجدے میں پڑے دعائیں مانگتے رہے جب تک فصیل میں شگاف نہیں ہو گئے۔ یہ واقعہ ۱۴۵۲ء کا ہے۔ اسی بزرگ کو کشف سے معلوم ہوا تھا کہ اس سال فلاں تاریخ اور فلاح وقت مسلمان قسطنطنیہ میں داخل ہوں گے اور اس نے یہ بشارت وزیر سلطنت کے ذریعے بادشاہ تک پہنچا دی تھی۔ علاوہ ازیں سلطان محمد فاتح کو حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث بھی معلوم تھی جس میں آپ ﷺ نے قسطنطنیہ کے فتح کرنے والے اسلامی لشکر کی تعریف فرمائی تھی اور اس لشکر کے لئے بشارت بھی فرمائی تھی۔

قسطنطنیہ کے ناقابل تسخیر ہونے کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے باہر سے دو حصے پانی میں گھرے تھے، تیسرے (مغربی سمت) حصے کی حفاظت کے لئے تین زبردست فصیلیں تھیں، اندر کی دو دیواریں بہت موٹی تھیں اور ان پر ۷۰ افٹ کے فاصلے پر مضبوط برج بنے تھے۔ ان دیواروں کے درمیان خندق تھی جو ۶۰ فٹ چوڑی اور ۱۰۰ افٹ گہری تھی۔ سمندر کی طرف سے بھی حملہ بہت مشکل تھا۔ کیونکہ بحری بیڑا ہر وقت مستعد رہتا اور شہر کی طرف آنے سے پہلے ایک موٹی لوہے کی زنجیر جو دہانے پر لٹکی ہوئی تھی، مزاحمت کرتی تھی۔

جب قسطنطنیہ فتح ہوا تو پوری عیسائی دنیا میں سوگ منایا گیا اور یونانی اور رومی کلیساؤں نے باہمی اختلافات بھلا

کر مسلمانوں کی اس طاقت کے خلاف اتحاد کا اعلان کیا، اس کے باوجود یورپی عیسائیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

ہمیشہ سلام میں پہل کرنے کا اہتمام

حضرت شیخ مولانا محمد اعزاز علی امروہوی رحمتہ اللہ علیہ مجموعہ کمالات تھے اور اوصاف و اخلاق میں بلند مقام پر فائز تھے، حضرت کی یہ ادا تو دارالعلوم میں مشہور تھی کہ وہ ہر کس و ناکس کو ہمیشہ ابتداء بالسلام کرنے کا اہتمام کرتے تھے اور کوئی دوسرا شخص عام طور سے انہیں سلام کرنے کی ابتداء نہیں کر پاتا تھا۔

بعض اوقات طلبہ پہلے سے طے کرنے کی کوشش کرتے کہ آج ہم مولانا کو پہلے سلام کریں گے، لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہوتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت مولانا کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ ایک رفیق سفر بھی ان کے ہمراہ تھے، سفر کے آغاز میں مولانا نے فرمایا: اپنے میں سے کسی کو امیر سفر بنا لیں! رفیق سفر نے عرض کیا کہ حضرت! امیر تو متعین ہے (یعنی آپ ہی امیر ہیں) فرمانے لگے کہ اگر مجھے امیر بنانا چاہتے ہو تو پھر میری مکمل اطاعت کرنی ہوگی۔ ہم نے کہا، انشاء اللہ ضرور لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب سامان اٹھانے کا مرحلہ آتا تو مولانا خود آگے بڑھ کر نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا بھی سامان اٹھا لیتے۔ ہم لوگ سامان اٹھانے پر اصرار کرتے تو مولانا فرماتے ''میں امیر ہوں، میرے حکم کی اطاعت ضروری ہے۔'' اس کے بعد سارے سفر میں یہی معمول رہا کہ جب کوئی مشقت کا کام ہوتا تو مولانا آگے بڑھتے اور ہم مداخلت کرتے تو اطاعت امیر کا حکم سنا کر خاموش کرا دیتے۔

بزرگوں کے کلام میں تصرف خلاف ادب ہے

فرمایا: تعویذ گنڈوں میں عامل کی قوت خیالیہ کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے کلمات کی قید سے۔ چنانچہ سید صاحب بریلویؒ تعویذ میں صرف یہ لکھ دیا کرتے تھے:

خداوندا اگر منظور داری حاجتش را براری

جس کام کے لئے دیتے تھے حق تعالیٰ پورا فرما دیتے۔ ایک صاحب نے حضرت حاجی صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت اگر اس عبارت کو یوں کر دیا جائے تو موزوں شعر ہو جائے:

خداوندا اگر منظور داری! بفضلت حاجت اورا براری

حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی تم شاعر ہو، تم اس طرح کر لیا کرو، ہم تو بزرگوں کے کلام میں تصرف کرنا خلاف ادب سمجھتے ہیں۔

(الافاضلات الیومیہ ج ۴ صفحہ ۲)

احمد شاہ ابدالی کی فتوحات میں ماں کا کردار

جب میں نے تاریخ کے اوراق کھولے تو میری نظر مجاہد اسلام احمد شاہ ابدالی پر پڑی۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام اماں زرعونہ تھا، وہ بڑی دیندار تھیں۔ دل میں اسلام اور غیرت ایمان رکھتی تھیں۔ جب ہندوستان میں مرہٹوں نے غلبہ حاصل کیا تو وہ بڑھتے بڑھتے اٹک تک جا پہنچے، اس وقت قندھار میں مقیم احمد شاہ ابدلی نے ایک دن جرگہ طلب کیا اور مشورے کے بعد طے پایا کہ مدافعت کے لئے قندھار میں ایک مضبوط قلعہ بنایا جائے، ابھی جرگے کی کارروائی جاری تھی کہ اندر سے احمد شاہ ابدلی کا بلاوا آ گیا۔

احمد شاہ ابدالی اٹھ کر گئے تو والدہ محترمہ غصے میں کھڑی تھیں۔ اس نے احمد شاہ کو دیکھا تو ناراضگی کا اظہار کیا، احمد شاہ ابدالی نے پوچھا ''اماں، آپ کس بات پر ناراض ہیں؟''

ماں نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا کہ ''میں نے تجھے اس لئے جنا تھا کہ تو مرہٹوں کے خوف سے قلعہ تعمیر کرے؟ کاش میں تجھے اپنا دودھ نہ پلاتی، کاش میں تجھے نہ پالتی۔''

احمد شاہ ابدالی نے کہا۔ ''اماں میں معافی مانگتا ہوں، انشاء اللہ آپ کی خواہش پوری کروں گا۔'' اس کے بعد احمد شاہ ابدالی ہندوستان روانہ ہوگیا اور مرہٹوں سے کئی جنگیں لڑیں، بالآخر پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ دوستو! تاریخ میں جن مجاہدین اور فاتحین کا نام چمکا ہے۔ ان کے پیچھے کسی نہ کسی ماں کی ہمت افزائی کارفرما تھی۔

خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں

حضور ﷺ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھے، جن میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور اسلام کی خوبیاں ان کے سامنے بیان کی گئیں۔ چنانچہ شاہ مقوقس بادشاہ مصر و اسکندریہ کو جو خط لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

> ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد ﷺ کی جانب سے جو خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے مقوقس کی جانب سے جو قبط کا عظیم ہے۔ سلام اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ امابعد! میں تم کو اسلام کے کلمہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام قبول کرو، سلامت رہو گے۔ اسلام قبول کرو خدا تم کو دوہرا اجر دے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو سارے اہل قبط کا گناہ تم پر ہوگا اور اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان متفق علیہ ہے کہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ ہم میں بعض بعض کو خدا کے سوا مالک نہ بنالے۔ فان تولوا فقولوا اشهدو بأنا مسلمون۔''

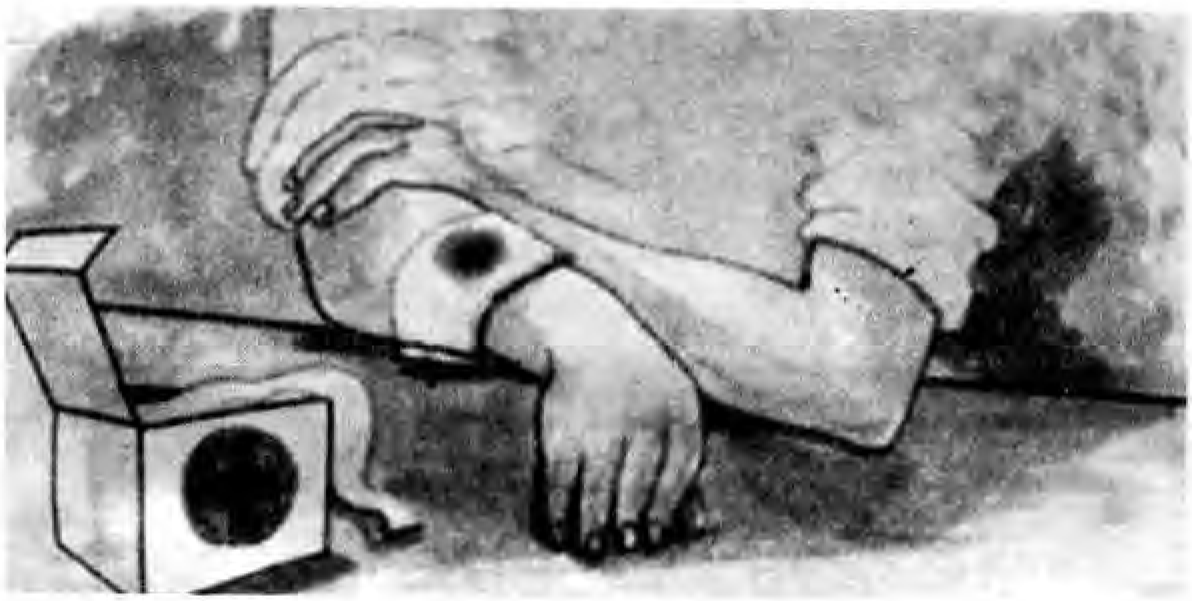
اے کاش! آج کے مسلمان حکمرانوں کے دلوں میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے لئے درد پیدا ہو جائے، اور اسلام کے داعی ہونے کا حق ادا کریں۔ کفار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں۔ اپنے کردار و گفتار کے ذریعہ اور ظاہری شان و شوکت کے ذریعہ کفار کو اسلام کی دعوت دیں اور اسلام کے پیروکار ہونے پر فخر محسوس کریں۔ اس طرح غلبہ اسلام کے لئے کوشش کر کے اپنی آخرت کو سدھاریں، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اتباع سنت نبوی ﷺ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

دین کے معاملہ میں احتیاط

ایک شخص آپؒ کا قرضدار تھا اور اسی کے علاقہ میں کسی کی موت واقع ہوگئی اور جب امام ابوحنیفہؒ نماز جنازہ کے لئے وہاں پہنچے تو ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور موسم بھی بہت گرم تھا۔ لیکن آپؒ کے مقروض کی دیوار کے پاس کچھ سایہ تھا۔ چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ آپؒ یہاں تشریف لے آئیں تو آپؒ نے فرمایا کہ صاحب خانہ میرا مقروض ہے۔ اس لئے اس کے مکان کے سایہ سے استفادہ کرنا میرے لئے جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ قرض کی وجہ سے جو نفع بھی حاصل ہو وہ سود ہے۔

کیوں عشرت دنیا لوں:

مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر مصائب و تکالیف پر بہت صبر کرنے والے تھے۔ صبر و استقامت کے پیکر تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن یزید سے ملنے دمشق روانہ ہوئے تو راستے میں چوٹ لگ کر پاؤں زخمی ہوگیا۔ درد کی شدت سے چلنا دوبھر ہوگیا۔ سخت تکلیف کے باوجود ہمت نہیں ہاری اور دمشق پہنچ گیا۔



ولید نے فوراً طبیبوں کو بلاوا بھیجا، انہوں نے زخم کا بغور جائزہ لینے کے بعد پاؤں کاٹنے کی رائے پر اتفاق کیا۔ حضرت عروہ کو جب اس کی اطلاع کی گئی تو انہوں نے منظور کرلیا۔ مگر پاؤں کاٹنے سے پہلے بے ہوشی کے لئے نشہ آور دوا کے استعمال سے یہ کہہ کر صاف انکار کردیا کہ میں کوئی لمحہ اللہ کی یاد سے غفلت میں نہیں گزار سکتا۔

چنانچہ اسی حالت میں آرا گرم کرکے ان کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور انہوں نے کسی قسم کی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ پھر

اپنا کٹا ہوا پاؤں سامنے رکھ کر فرمایا ''کیا غم ہے اگر مجھے ایک عضو کے بارے میں آزمائش میں ڈال کر باقی اعضاء کے سلسلے میں امتحان سے بچالیا گیا۔'' انہوں نے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' پڑھی اور فرمایا ''اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ایک جان لی اور کئی جانوں کو سلامت رکھا۔'' (کیوں کہ باقی عضو سلامت تھے)۔

اس واقعہ کے بعد ولید کے پاس قبیلہ عبس کے کچھ لوگ آئے، جن میں بوڑھا اور آنکھوں سے اندھا شخص بھی تھا۔ ولید نے اس سے اس کا حال پوچھا اور اس کی بینائی کے ختم ہونے کا سبب دریافت کیا تو وہ بتانے لگا۔ ''میں اپنے اہل وعیال اور تمام مال واسباب کے ساتھ ایک قافلے کے ساتھ سفر میں نکلا۔ اہل قافلہ میں سے شاید ہی کسی کے پاس اتنا مال ہو، جتنا میرے پاس تھا۔ ہم نے ایک پہاڑ کے دامن میں رات گزارنے کے لئے پڑاؤ ڈالا، آدھی رات کے وقت جب سب میٹھی نیند سو رہے تھے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اچانک سیلاب آ گیا، جو انسان، حیوان، مال واسباب سب کچھ بہا لے گیا۔ میرے اہل وعیال اور مال واسباب میں سے سوائے ایک اونٹ اور میرے ایک چھوٹے بچے کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

میں ابھی اس ناگہانی آفت سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا۔ میں اس کے پیچھے گیا تو یکدم بچے کے چیخنے چلانے نے قدموں کو روک لیا۔ الٹے پاؤں بچے کے پاس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بھیڑیئے نے میرے معصوم لخت جگر کو اپنے خونی جبڑوں میں دبوچا ہوا ہے اور وہ معصوم اس کے بے رحم جبڑوں میں زندگی کی بازی ہار چکا ہے۔ یہ دل خراش منظر دیکھنے کے بعد میں پھر اس اونٹ کے پیچھے ہولیا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے دولتی دے ماری، جس کی وجہ سے بینائی چلی گئی۔ اس طرح میں مال وعیال کے ساتھ ساتھ آنکھوں سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

اس کی یہ داستان غم سن کر ولید کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور اس نے کہا ''جاؤ عروہ بن زبیر سے کہہ دو، تمہیں صبر شکر مبارک، اس لئے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تم سے زیادہ غموں اور مصیبتوں کے مارے ہیں۔

میں دے کے غم جاناں کہ کیوں عشرت دنیا لوں
غم زیست کا حاصل ہے اس غم سے مفر کیوں ہو

(المستطرف، صفحہ ۱۳۹)

بے چینی

حج کے دن آتے تو ان کی بے چینی کی انتہاء نہ رہتی، کھانا کھانے بیٹھتے تو اچانک اٹھ کر کھڑے ہوجاتے، کہتے ''پتا نہیں حاجی لوگ کیا کر رہے ہوں گے۔ کعبے کے غلاف کو پکڑ کر دعائیں مانگ رہے ہوں، مقام ابراہیم پر سجدہ کر رہے ہوں گے۔'' یہ تھے مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ، جو اٹھارہ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیتے رہے۔ حدیث پڑھاتے اور گنبد خضریٰ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے۔ ''آپ ﷺ نے فرمایا۔''

...... تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں

ولید بن عبدالملک مسجد میں داخل ہوا تو اس نے ایک آدمی کو دیکھا، جسے بڑھاپے نے جھکا دیا تھا اور کمزور کر دیا تھا۔ ولید نے بطور مذاق بوڑھے سے کہا۔ ''کیا تو موت کو ترجیح نہیں دیتا اے بزرگ؟''

اس شخص نے کہا۔ ''ہرگز نہیں اے امیر المومنین! جوانی اور اس کا ثمر چلا گیا۔ بڑھاپا اور اس کی بھلائی آ گئی۔ اب جب میں کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جب بیٹھتا ہوں تو اللہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اور میرے نزدیک یہ محبوب ہے کہ میری یہ دو عادتیں باقی رہیں۔''

دوسرے کی بیماری اپنے سر لینے کا عجیب واقعہ:

برصغیر کی سلطنت مغلیہ کا بانی بابر مرزا ۱۴۸۳ء میں فرغانہ (ازبکستان) میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ عمر شیخ مرزا ریاست فرغانہ کا حکمران تھا۔ جب بابر کی عمر گیارہ برس ہوئی تو عمر شیخ مرزا ناگہانی موت کا شکار ہوا۔ بابر سلطنت کا حکمران بنا تو شروع میں اسے اپنے دو چچاؤں محمود مرزا اور احمد مرزا کے خلاف دفاعی جنگ کرنا پڑی۔ وہ اپنے چچاؤں کے مقابلے میں تو کامیاب ہو گیا لیکن ازبک حکمران شیبانی خان کا مقابلہ نہ کر سکا اور سمرقند فتح کرتے کرتے اپنی ریاست سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

پورا ایک سال دشت نوردی کے بعد وہ ۱۵۰۵ء میں کابل پر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر اس نے شمالی علاقوں کا خیال چھوڑا اور ہندوستان پر حکومت قائم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ آخرکار ۱۵۲۶ء میں وہ سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر برصغیر کا بادشاہ بن گیا، لیکن اب اس کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے، مسلسل فوج کشی اور مشکل حالات کا مقابلہ کرتے کرتے وہ تھک چکا تھا۔ اب وہ دارالحکومت میں بیٹھ کر کچھ دن آرام سے بسر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے ہمایوں مرزا کو کابل کی طرف روانہ کیا تاکہ شمالی علاقوں پر تسلط قائم رہے۔

ہمایوں مرزا ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ سخت علیل ہو کر واپس پہنچا۔ شاہی طبیبوں نے اس کا علاج شروع کیا اور مقدور بھر کوشش کی، لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔ بابر بادشاہ بہت پریشان ہوا۔ ایک دن اس نے اپنے دوستوں اور طبیبوں کو بلا بھیجا اور اپنا دلی خدشہ ظاہر کیا۔ اس کے مصاحب خاص ابوالبقا نے ہمایوں کی صحت یابی کے لئے صدقہ دینے کا مشورہ دیا۔ اشارہ اس طرح تھا کہ قیمتی ہیرا ''کوہ نور'' صدقے میں دیا جائے، لیکن بابر اسے اس لائق نہیں سمجھتا

تھا، چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کے صدقے میں اپنی جان دینے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اہل مجلس سے مخاطب ہوکر کہا ''پتھر کیا چیز ہے؟ لخت جگر پر میں اپنا گوہر جان قربان کردوں گا۔''

اس کے بعد بابر نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ ''الٰہی! ہمایوں کی بلا میں اپنی جان پر لیتا ہوں ...... لیتا ہوں ...... لیتا ہوں۔'' پھر سجدہ کیا اور دیر تک رو رو کر دعا مانگتا رہا۔ اس نے ہمایوں مرزا کے بستر کے گرد سات چکر لگائے اور خدا سے التجا کی کہ اس کی بیماری اسے لگ جائے۔ خدا کی قدرت کہ اس دن سے ہمایوں تندرست ہونے لگا اور بابر کی حالت بگڑتی چلی گئی۔

ہمایوں مرزا تندرست ہوا اور بابر کے حکم کے مطابق کابل کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی کالنجر شہر پہنچا تھا کہ بابر کی تشویشناک حالت سن کر پلٹا۔ بابر اب آخری دموں پر تھا۔ اس نے امراء، دوستوں اور درباریوں کو اکٹھا کیا۔ ان کے سامنے ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اسے نصیحت کرتے کہا ''میں تم کو خدا کے حوالے کرتا ہوں اور سب اعزہ وغیرہ تمہارے سپرد ہیں۔''

اس بات کو چند روز بھی نہ گزرے تھے کہ بابر ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو آگرہ میں فوت ہوگیا۔ اسے امانتاً آگرہ ہی میں دفن کیا گیا۔ پھر اس کی خواہش کے مطابق اس کی میت کابل لے جاکر ''نور افشاں'' باغ میں سپرد خاک کردی گئی۔ اس کا یہ مصرع رہتی دنیا تک اس کی یاد تازہ کرتا رہے گا:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

(اے بابر! عیش کر کہ یہ دنیا دوبارہ نہیں آتی۔)

یہ مصرع اس کی مے نوشی کے زمانے کا ہے۔ ہندو راجپوت رانا سانگا کے خلاف جنگ کنواہہ کے موقع پر بابر نے توبہ کرلی تھی اور پھر مرتے دم تک اس نے اسے نبھایا۔

بابر نے ترکی زبان میں اپنی سوانح حیات لکھی جو تزک بابری کے نام سے معروف ہے۔ یہ اس کے عہد کی ایک مصدقہ تاریخی دستاویز ہے۔

بابر کی زندگی کا حیرت انگیز واقعہ

ہمایوں کے لفظی معنی ہیں مبارک، خوش بخت، مسعود۔ یہ نام بابر بادشاہ کے جانشین نے اپنی تخت نشینی کے وقت اختیار کیا تھا۔ اس طرح اس کا پورا نام نصیر الدین محمد ہمایوں بنتا ہے۔ ہمایوں ۱۵۰۸ء میں کابل میں پیدا ہوا تھا۔ اپنے باپ بابر کے ساتھ سب ہندوستانی مہموں میں شریک رہا۔ بابر اسے سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ ہمایوں نے بھی اپنے علم

پروری اور مہم جوئی کی عادت کے باعث اپنے باپ کا دل جیت لیا تھا۔ اسی لئے بابر نے اپنی زندگی کا نذرانہ ہمایوں کی صحت مندی کے لئے دیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ بابر کی وفات کے بعد سکون سے حکومت نہ کر سکا۔

اس کا دور حکومت دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلا دور ۱۵۳۰ء تا ۱۵۴۰ء ہے۔ اس دور میں وہ اپنے بھائیوں عسکری مرزا، کامران مرزا اور ہندال مرزا اور شیر شاہ سوری کے ساتھ اقتدار کی جنگیں لڑتا رہا۔ جبکہ دوسرا دور (۱۵۵۵۔۵۶ء) صرف دس ماہ ہے۔ اس دور میں بھی وہ دوبارہ ہندوستان کا حاکم بنا اور پھر ناگہانی موت کا شکار ہو کر اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔

ہمایوں کو علم ہیئت سے گہری دلچسپی تھی۔ جب دوسری مرتبہ ہندوستان کا بادشاہ بنا تو دہلی میں اس نے ستاروں کی گردش اور دیگر اجرام فلکی کی معلومات کے لئے ایک بڑی رصدگاہ بنوائی اور اس میں سات سیاروں کی مناسبت سے سات برج بنوائے اور ہر روز متعلقہ برج میں بیٹھ کر ماہرین علم ہیئت کے ساتھ بحث مباحثہ کرتا۔

اپنے اسی معمول کے مطابق وہ ۱۷ جنوری ۱۵۵۶ء کو رصدگاہ میں محفل جمائے بیٹھا تھا۔ حسب دستور بوقت مغرب اس نے مجلس برخاست کی اور برج سے نیچے اترنے لگا۔ ابھی وہ چند سیڑھیاں ہی نیچے اترا تھا کہ مغرب کی اذان شروع ہوئی۔ وہ اذان کا احترام کرتے ہوئے سیڑھی پر ہی بیٹھ گیا۔ جب اذان ختم ہوئی تو نیچے اترنے کے لئے اٹھا۔ اس کا لمبا چغہ اس کے پاؤں میں پھنس گیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سر کے بل نیچے سنگ مرمر کے فرش پر گرا۔ دماغ میں چوٹ لگنے کے باعث موقع پر ہی بے ہوش ہو گیا۔

خدام اسے اٹھا کر خوابگاہ میں لے گئے۔ حرام سرا کی خواتین اور عزیز و اقارب اکٹھے ہو گئے۔ شاہی طبیبوں نے علاج شروع کیا، لیکن بے سود۔ وہ ہوش میں نہ آ سکا۔ سات دن تک مسلسل بے ہوش رہا۔ سلطنت کا انتظام کس نے سنبھالا، ستاروں نے کیا روش بدلی، ہمایوں بادشاہ کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ آخر کار ۲۴ جنوری ۱۵۵۶ء کو اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر کے اس عالم فانی سے رخصت ہوا۔ اسے دہلی میں سپرد خاک کیا گیا اور اکبر بادشاہ نے ایک دل پذیر مقبرہ تعمیر کروایا۔ ہمایوں بادشاہ کی یہی آخری آرام گاہ، آخری مغل بادشاہ سراج الدین محمد بہادر شاہ ظفر کے لئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دوران پناہ گاہ ثابت ہوئی۔ ہمایوں بادشاہ کی تاریخ وفات اس مصرع سے بنائی گئی گئی ''ہمایوں بادشاہ از بام افتاد''۔

اکبر بادشاہ کا قصہ

مغل بادشاہ نصیر الدین محمد ہمایوں قنوج کی لڑائی میں شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ہندوستان چھوڑ کر براستہ سندھ کابل جا رہا تھا کہ امرکوٹ کے مقام پر اکتوبر یا نومبر ۱۵۴۲ء میں ملکہ حمیدہ بانو کے بطن سے اکبر پیدا ہوا۔ وہ چند برس کا تھا کہ والدین سے بچھڑ گیا اور اپنے چچا عسکری اور کامران کی تحویل میں رہا۔ جب ہمایوں کابل پر قابض ہوا تو اکبر کی تعلیم و تربیت کے لئے کوششیں کی گئیں، لیکن وہ علم کے بجائے جانوروں اور حربی معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔ ہمایوں نے اپنے معتمد خاص بیرم خان کو اکبر کا اتالیق مقرر کیا۔ ہمایوں نے جب ۱۵۵۵ء میں ہندوستان کو دوبارہ فتح کرنے کے یلغار کی تو اکبر کم سن ہونے باوجود اس میں پیش پیش تھا۔



۱۵۵۶ء میں صرف ۱۴ سال کی عمر میں اکبر کلانور ضلع گورداسپور کے مقام پر ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ ۱۵۶۰ء تک وہ بیرم خان کی سرپرستی میں بادشاہ بنا رہا۔ پھر ۱۵۶۴ء تک دائی انگا کی سرپرستی میں بادشاہت کرتا رہا۔ جب اسے اپنے خلاف سازشوں کا علم ہوا تو اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور اپنی وفات ۱۶۰۵ء تک بلاشرکت غیرے حکمرانی کرتا رہا۔ اس کے جاہ وجلال اور وسعت وانتظام سلطنت دیکھ کر ہی انگریز سفیروں نے اسے اکبر اعظم کہا تھا۔ اس نے تقریباً ۴۹ سال ۸ ماہ حکومت کی۔

آخری برسوں میں اسے یکے بعد دیگرے بہت سے صدمات برداشت کرنا پڑے۔ اس کی والدہ فوت ہوئی، اس کے دو بیٹے مراد اور دانیال کثرت شراب نوشی سے اس کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گئے اور شہزادہ سلیم باغی ہو گیا۔ اس کا معتمد خاص ابوالفضل قتل ہوا۔ اس ملک میں اس کا جاری کردہ دین ''دین الٰہی'' بری طرح ناکام ہوا۔ ان تمام صدمات نے اکبر اعظم کو موت کی دہلیز تک پہنچا دیا۔ وہ مرض موت میں مبتلا ہوا۔ اس نے کھانا پینا ترک کر دیا اور صاحب فراش ہو گیا۔ بڑی مشکل سے سلطنت کے احکامات کی نگرانی کرتا۔ بس اب یہی لگ رہا تھا کہ ہندوستان کا یہ عظیم بادشاہ بے یار و مددگار دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

اس زمانہ یاس میں ایک روز اسے زندگی کی آخری خوشی ملی، اس کی ایک بیوی سلطانہ بیگم نے شہزادہ سلیم کو الہ

آباد سے بلا کر سمجھایا اور دونوں باپ بیٹے میں صلح ہوگئی۔ اکبر نے اسے اپنا جانشین مقرر کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا اور بستر مرگ پر لیٹے لیٹے اس نے امرائے سلطنت کو بلایا۔ سب کو نصیحتیں کیں، ان سے غلطیاں معاف کروائیں۔ پھر شہزادہ سلیم کو بلایا، اپنی تلوار اس کی کمر سے باندھی اور نصیحتیں کیں اور خاص طور پر یہ کہا ''خاندان شاہی کی عورتوں کی خبر گیری کرنا اور میرے دوستوں کو فراموش نہ کرنا۔''

اکبر کے بارے میں عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بے دین مرا لیکن یہ غلط ہے۔ تواریخ کی کتابوں اور غیر مسلم مورخین نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اکبر دین اسلام پر فوت ہوا۔ چند حوالے درج ذیل ہیں:

۱۔ تزک جہانگیر کے پہلے باب میں شہنشاہ نورالدین محمد جہانگیر خود لکھتا ہے: ''بابا جان (اکبر) نے مرتے وقت کلمہ شہادت دہرایا۔ سورۃ یٰسین پڑھوا کر سنی اور ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی حیثیت سے فوت ہوا۔''

۲۔ انگلستان کا سفیر سر طامس رو پندرہ بیس برس بعد ہندوستان آیا اور مقامی حالات کے بارے میں اپنے ملک ایک تفصیلی خط بھیجا، جس میں اکبر بادشاہ کے بارے میں لکھا ''اکبر کی وفات بطور ایک مسلمان ہوئی۔''

۳۔ ایک پرتگیز پادری بوٹیلو سیر کرتے کرتے بیجاپور کے عادل شاہی بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور جب اکبر کا ذکر چھڑا اور بادشاہ نے اس کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔ ''میری تو خدا سے التجا تھی کہ ایسا نہ ہوتا، لیکن اکبر ہمیں غلط امیدیں دلاتا رہا اور بالآخر آپ کے دین محمدی ہی پر مرا۔''

۴۔ رود کوثر کے مصنف شیخ محمد اکرام نے بڑی جستجو کے بعد یہ بات ثابت کی ہے کہ اکبر کے آخری سالوں میں نواب مرتضیٰ خان بخش الملک کے اثرات اکبر کی شخصیت پر پڑے تھے۔ وہ شیخ فرید کے نام سے مشہور تھے اور ایک دینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اکبر ان کی دیانتداری اور دینی لگاؤ سے بڑا متاثر تھا۔ انہوں نے صرف ایک کلرک کی حیثیت سے اکبر کے دربار میں نوکری اختیار کی تھی۔ رفتہ رفتہ سرکاری ملازموں کی تنخواہیں دینے کے بڑے عہدے تک پہنچے۔ اکبر کے آخری برسوں میں دربار میں ان کا اثر و رسوخ بہت زیادہ ہوگیا اور دربار پر اسلامی اقدار کا رنگ نمایاں نظر آتا تھا۔ اگر اکبر کے جیتے جی دربار پر اسلامی رنگ غالب آ گیا تھا تو وہ خود کیسے اسلامی رنگ سے بچا ہوگا۔

کتب تواریخ میں یہ بات بھی درج ہے کہ اکبر پر اس کی ماں ملکہ حمیدہ بانو بیگم کی مذہبی شخصیت کی چھاپ بچپن ہی میں لگ گئی تھی۔ وہ بچپن ہی میں نماز پنجگانہ کا عادی ہوگیا تھا۔ وہ بڑی خوش الحانی سے اذان بھی دیا کرتا اور مسجد کی صفائی میں پیش پیش ہوتا۔ اس کی یہ عادات ایجاد دین تک قائم رہیں۔

مقبرہ جھانگیر ...... تین مینار ھیں یا چار

سلطنت مغلیہ کا چوتھا فرمانروا شہزادہ سلیم تھا۔ وہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ جو ۱۵۵۹ء میں پیدا ہوا تھا۔ شیخ سلیم چشتی سے عقیدت کے باعث اکبر بادشاہ نے اس کا نام محمد سلیم رکھا تھا اور اسے پیارے سے ''شیخو بابا'' کہتا تھا۔ چنانچہ شیخو پورہ اسی کے نام سے موسوم ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شہزادہ سلیم جسمانی طور پر مضبوط ہوا، بلکہ ایک عالم فاضل آدمی بن گیا تھا۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ علم تاریخ، علم سوانح نگاری، علم جغرافیہ اور علم حیات میں بہت دسترس رکھتا تھا۔

سلیم ۱۶۰۵ء میں تخت نشین ہوا اور اس نے نورالدین جہانگیر کا لقب اختیار کیا۔ اس کے پرامن اور ترقی یافتہ دور کی وجہ سے شہزادہ خرم کی شبانہ روز محنت تھی۔ جہانگیر نے جو بڑے بڑے کارنامے بطور حکمران سرانجام دیئے، ان کے علاوہ تزک جہانگیر کی تصنیف ہے، جس کی وجہ سے وہ مغل بادشاہوں میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔ شہنشاہ جہانگیر تقریباً ۲۲ برس تک برسراقتدار رہا۔ اس کے اقتدار کے آخری سال میں سپہ سالار مہابت خان (زمان بیگ) نے بادشاہ جہانگیر اور ملکہ نور جہاں کو یرغمال بنالیا اور اپنے وطن کابل کی طرف چلا گیا۔

آخر کار سلیقہ مند ملکہ نور جہاں کی تدبیر کام آئی اور جہانگیر اس چنگل سے آزاد ہوا۔ کثرت مے نوشی سے جہانگیر کی صحت اب روز بروز گر رہی تھی۔ مہابت کی حراست میں رہ کر اس کی صحت پر مزید برے اثرات پڑے۔ چنانچہ ۱۶۲۷ء میں رہائی کے بعد شہنشاہ جہانگیر بحالی صحت کی خاطر کشمیر چلا گیا۔ وہاں اس دفعہ طبیعت سنبھل نہ سکی۔ اسی دوران پتہ چلا کہ شہزادہ شہریار (ملکہ نور جہاں کا داماد جو لاہور میں مقیم تھا) بال جھڑنے کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے، لہذا بادشاہ سلامت نے لاہور کا قصد کیا۔

بادشاہ جہانگیر عالم شہزادگی ہی سے شکار کا شوقین تھا۔ کشمیر سے واپسی پر دل بہلانے کے لئے اس نے ایک دن شکار کا ارادہ ظاہر کیا، چنانچہ راجوری کے قریب بیرم کلہ میں شکار کا بندوبست کیا گیا۔ حسب معمول بہت سے ہنکارے جنگلی ہرنوں کو گھیرنے میں مصروف تھے ان میں ایک نوجوان خر برولڑ کا بھی شامل تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ہرنوں کو گھیر گھیر کر بادشاہ کے قریب لا رہا تھا اور بادشاہ اس کی پھرتی پر عش عش کر رہا تھا۔

وہ ایک تیز رفتار ہرنی کے پیچھے لگا ہوا تھا کہ ہرنی پہاڑ پر چڑھ گئی۔ نوجوان ہنکارا بھی چٹانوں کو عبور کرتا ہوا اس کے پیچھے جا رہا تھا کہ اچانک ایک چٹان سے اس کا پاؤں پھسلا۔ اس نے ایک جھاڑی کا سہارا لینے کی کوشش کی، لیکن جھاڑی جڑ سے اکھڑ گئی اور وہ نوجوان لڑکا پتھریلی چٹانوں سے ٹکراتا، قلابازیاں کھاتا زمین پر بادشاہ کے قریب آ رہا۔ اس کی ہڈیاں بالکل چور چور ہو چکی تھیں۔ وہ بادشاہ کے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ بادشاہ نے فوراً شکار موقوف کیا اور

اپنی قیام گاہ میں آ گیا۔

جہانگیر پہلے ہی دمے کا مریض تھا۔ ایک نوجوان وفادار ہنکارے کی اچانک موت نے اس کی صحت پر منفی اثرات ڈالے۔ اس کی خواہش کے مطابق لاہور کی طرف سفر تیزی سے شروع کیا گیا، لیکن ابھی راجوری ہی میں مقیم تھے کہ ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ بمطابق ۱۶۲۷ء بروز جمعۃ المبارک بوقت چاشت اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا۔ مرتے مرتے یہ وصیت کر گیا تھا کہ اسے نور جہاں کے بنوائے ہوئے باغ دلکشا واقع شاہدرہ لاہور میں دفن کیا جائے، چنانچہ ملکہ نور جہاں اپنے محبوب شوہر کی میت کو لے کر لاہور کی طرف عازم سفر ہوئی۔

جب وہ گجرات شہر کے قریب پہنچے تو موسم گرما کی شدت کے باعث بادشاہ کا جسم گلنے سڑنے لگا تو باہم مشورے سے بادشاہ کی آنتیں اور معدہ نکال کر گجرات شہر کے نواح میں دفن کی گئیں۔ آج بھی وہاں ٹانڈا روڈ پر ایک بوسیدہ سا مزار اس قبر کی نشاندہی کرتا ہے جہاں اہل علاقہ ہر سال ''شاہ جہانگیر'' کا میلہ مناتے ہیں۔

بادشاہ جہانگیر کی باقی ماندہ میت لاہور لا کر ملکہ نور جہاں کی سرپرستی میں شاہدرہ کے باغ دلکشا میں دفن کی گئی۔ یہ بات تب سے مقبرہ جہانگیر کے نام سے موسوم ہے اور مغل بادشاہوں کے نمائندہ باغوں میں سے ایک ہے۔ یہ باغ اس زمانے میں دریائے راوی کے مغربی کنارے پر ''کامران کی بارہ دری'' کے قریب تھا۔ ملکہ نور جہاں نے دس برسوں میں ۱۰ لاکھ روپے کی لاگت سے جہانگیر کا قابل دید مقبرہ تعمیر کروایا۔ اس کا رقبہ ۵۵ ایکڑ پر مشتمل ہے۔ یہ بالکل مربع شکل کا باغ ہے، جس کا ضلع ۱۵۳۸ فٹ ہے۔ اس میں ۱۶ متوازی شکل کے لان بنے ہوئے ہیں اور ہر لان میں ایک فوارہ نصب ہے۔ مقبرے کی اندرونی عمارت نہایت قابل دید ہے۔

مزار کی عمارت باہر سے ہشت پہلو اور اندر سے گنبد نما ہے۔ قبر کا تعویز سنگ مرمر کا ہے۔ اس پر عقیق، لاحور، نیلم، مرجان اور دیگر قیمتی پتھروں سے گلکاری کی ہوئی ہے۔ تعویز کے دائیں اور بائیں جانب اللہ تعالیٰ کے ۹۹ نام کندہ کرا دیئے گئے ہیں۔ اندرونی فرش بھی نہایت ہی نفیس قسم کا ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر چار خوبصورت مینار ہیں۔ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ اس مقبرے کو بادشاہی مسجد لاہور کے میناروں پر سے کھڑے ہو کر دیکھیں تو ان کے تین مینار نظر آتے ہیں۔ یہ نظر کا دھوکا نہیں بلکہ دونوں عمارتوں کے درمیان زاویوں کی مماثلت ہے، یعنی چوتھا مینار کسی ایک مینار کے پیچھے چھپ جاتا ہے اور یوں چار کے بجائے تین نظر آتے ہیں۔

شاہ جہاں اور ممتاز محل

شہنشاہ جہانگیر کو اللہ تعالیٰ نے چار بیٹوں سے نوازا تھا۔ شہزادہ خرم اس کا تیسرا بیٹا تھا۔ یہی شہزادہ بعد ازاں دکن کی مہمیں طے کرنے کے بعد ''شاہ جہاں'' کے خطاب سے نوازا گیا۔ وہ ۵ جنوری ۱۵۹۲ء کو لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں کا نام جودھا بائی تھا۔



شہزادہ خرم شہنشاہ جہانگیر کی وفات کے بعد فروری ۱۶۲۸ء میں تخت نشین ہوا۔ اس نے تقریباً تیس برس بڑے کروفر سے حکومت کی اس کی شادی جہانگیر کے وزیراعظم آصف جاہ کی بیٹی ارجمند بانو سے ہوئی تھی جو بعد ازاں ممتاز محل کے نام سے معروف ہوئی۔ ملکہ ممتاز محل کے بطن سے شاہ جہاں کے چودہ بچے پیدا ہوئے۔ ان میں سے چار لڑکے (داراشکوہ، شجاع، اورنگزیب، مراد) اور دو لڑکیاں (جہاں آرا، روشن آرا) زندہ رہے اور تاریخ میں قابل ذکر نام پایا۔

شہنشاہ کو داراشکوہ سے بڑی محبت تھی۔ اس لئے وہ اسے مہمات پر بھیجتا نہ دور دراز صوبے کا صوبیدار مقرر کرتا۔ وہ زیادہ تر دارالسلطنت ہی میں رہتا، لیکن وہ سیاست میں مہارت نہ رکھتا تھا، لہذا اولی عہد مقرر ہونے کے باوجود تخت نشینی کی جنگ نہ جیت سکا۔

شاہ جہاں نے اپنی زندگی ہی میں سلطنت اپنی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دی تھی کہ داراشکوہ کو صوبہ پنجاب، شجاع کو صوبہ بنگال، اورنگزیب کو صوبہ دکن اور شہزادہ مراد کو صوبہ گجرات (کاٹھیاواڑ) ملا تھا۔ چاروں شہزادے صوبائی حکومتیں حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ بادشاہ بننے کے خواب بھی دیکھ رہے تھے۔ ستمبر ۱۶۵۷ء میں شاہ جہاں سخت علیل ہو گیا اور چند ہی دنوں میں حالت ایسی خراب ہوئی کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ اب اس نے ارکان سلطنت اور خاندان کے افراد کو بلا کر داراشکوہ کی جانشینی کا اعلان کر دیا۔ داراشکوہ نے شہنشاہ کی علالت اور اپنی تخت نشینی کو چھپانے کے لئے صوبوں کی طرف جانے والی شاہراہیں بند کر دیں اور اپنے بھائیوں کے وکیلوں (درباری سفیروں) کو نظر بند کر دیا۔

اس کا یہی اقدام تخت نشینی کی جنگ کا باعث بنا۔ کیونکہ شجاع، اورنگزیب اور مراد نے یہ باور کر لیا کہ ان کا باپ مر گیا ہے اور داراشکوہ زبردستی اقتدار پر قابض ہو گیا ہے۔ چنانچہ تینوں شہزادے اپنے اپنے صوبوں سے افواج لے کر آگرے کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں مراد اور اورنگزیب کا سیاسی اور فوجی اتحاد ہو گیا۔ ان دونوں نے ابتدائی

معرکے جیت لئے اور آگرے کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ جب یہ تمام خبریں شاہ جہاں تک پہنچیں تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اپنے بیٹوں میں مفاہمت کرانا چاہی۔ مگر بدقسمتی سے اس کے مشورے داراشکوہ ہی نے تسلیم نہ کیے۔ مغرور شہزادہ ساموگڑھ کے میدان جنگ میں شکست کھا کر ملتان کی طرف بھاگ گیا۔

اس موقع پر بادشاہ شاہ جہاں نے اورنگزیب کو قید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن شہزادی روشن آراء بیگم کے باعث یہ راز اورنگزیب پر عیاں ہوگیا اور اس نے باپ سے ملنے سے انکار کردیا۔ اورنگزیب کا پلہ بھاری دیکھ کر چند ہی دنوں میں عوام، مغل امراء اور ارکان سلطنت کی ہمدردیاں اورنگزیب کی طرف ہوگئیں۔ چنانچہ وہ اپنے تمام سیاسی حریفوں یعنی بھائیوں کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب رہا۔ اس نے اپنے باپ کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کردیا اور خود ۱۶۵۸ء میں تخت نشین ہوگیا۔

اورنگزیب عالمگیر نے شاہ جہاں کو قلعہ آگرہ میں نظر بند کرکے اپنی بڑی بہن جہاں آرا (بیگم صاحبہ) کو باپ کے ساتھ رہنے کی ہدایت کی۔ معزول بادشاہ کے آرام وسکون اور ضروریات زندگی پوری کرنے کے لئے ایک سہ ہزاری منصبدار فاضل خان کو مقرر کیا۔ شاہ جہان نے لوگوں سے جو قرض لیا تھا اورنگزیب نے اپنے پلے سے ادا کیا۔ اسے مکمل آزادی تھی کہ وہ اسیری کی زندگی میں دربار لگائے اور اسے آرام وسکون اور یاد الٰہی سے بسر کرے اور ملکہ ممتاز محل کی برسی سابقہ روایات کے مطابق منائے، تاہم یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ اورنگزیب کے خلاف کوئی پیغام یا مراسلہ نہیں بھیجے گا۔

بادشاہ شاہ جہاں کو اپنی بڑی بیٹی جہاں آرا سے بڑی محبت تھی۔ وہ سیاسی طور پر داراشکوہ کا ساتھ دیتی تھی۔ وہ قرآن پاک کی حافظہ تھی اور خوش الحان قاریہ۔ اس نے اپنے باپ کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اسی مصروفیت کے باعث اس نے شادی نہیں کی تھی۔

شاہ جہاں نے تقریباً ۸ سال نظر بندی میں گزارے۔ عبادت الٰہی اور اپنی عزیز بیٹی جہاں آرا سے گفتگو کے بعد جو وقت باقی بچتا، معزول شہنشاہ قلعے کی کھڑکی میں بیٹھ کر اپنی محبوب مرحومہ بیوی کا مزار (تاج محل) دیکھنے میں گزارتا۔ کبھی کبھی اپنے حکمران بیٹے اورنگزیب عالمگیر کو تادیبی خطوط لکھتا۔ اکثر چپ چاپ اور مغموم رہتا۔ ان دنوں اس کے پاس مروارید کی بنی ہوئی ایک تسبیح تھی۔ جس کے ۱۰۰ دانے ہم رنگ اور ہم وزن تھے۔ وہ اسی تسبیح پر وظائف اور ذکر شمار کیا کرتا۔ اس تسبیح کی قیمت چار لاکھ روپے تھی۔

جنوری ۱۶۶۶ء بمطابق ماہ رجب ۱۰۷۶ء میں نظر بند شاہ جہان کی طبیعت یکا یک بگڑنے لگی۔ جب اس کی اطلاع دکن میں اورنگزیب عالمگیر کو ملی تو اس نے اپنے بڑے بیٹے شہزادہ معظم کو عیادت کے لئے روانہ کیا۔ ابھی شہزادہ معظم راستے ہی میں تھا کہ شاہ جہاں اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حالت بیماری میں وہ اپنے

دل میں خالق حقیقی کو یاد کر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نظریں اپنی مرحومہ بیوی کے مقبرے پر لگی ہوئی تھیں۔ اسی حالت میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

جہاں آرا بیگم، خدام اور قلعے میں مقیم محافظوں نے اپنے مرحوم بادشاہ کو آنسوؤں، آہوں اور ہچکیوں کا نذرانہ پیش کیا اور اسی روز شاہ جہاں کو اس کی وصیت کے مطابق تاج محل میں اس کی محبوب بیوی کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ چند روز بعد شہزادہ معظم آگرہ پہنچا۔ اس نے اپنی بڑی پھوپھی (جہاں آرا بیگم) سے اظہار تعزیت کیا اور اپنے دادا کی قبر پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر جیسے ہی اورنگزیب عالمگیر کو باپ کے انتقال کی خبر ملی، وہ سر دربار بہت افسردہ ہوا تھا کہ ضبط کے باوجود آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اسی وقت اپنے اہل خانہ کو لے کر آگرہ روانہ ہوا۔ چند روز میں دارالسلطنت پہنچا اور ارکان سلطنت اور اپنے اہل و عیال کو لے کر اپنی بڑی بہن جہاں آرا کے پاس پہنچا۔ اپنی مصروفیات اور کوتاہیوں پر معذرت طلب کی۔ دونوں بہن بھائی مل کر خوب روئے۔ جب دل کا غبار کچھ چھٹا تو جہاں آرا بیگم نے اسے یہ خوش خبری سنائی کہ اس کی درخواست پر بابا حضور نے اسے معاف کر دیا تھا اور آخری وقت میں اس کے لئے دعا کی تھی۔ یہ سن کر اورنگزیب عالمگیر اور بھی آبدیدہ ہوا۔ پھر وہ ارکان سلطنت اور اہل خانہ کو لے کر تاج محل پہنچا اور والد اور والدہ ممتاز بیگم کے لئے دیر تک فاتحہ خوانی کرتا رہا۔

اورنگزیب کا دور بادشاہت

سلطنت مغلیہ کا چھٹا عظیم حکمران اورنگزیب ۱۵ ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ بمطابق ۲ نومبر ۱۶۱۸ء کو صوبہ گجرات (کاٹھیاواڑ) کے مقام ''دوھد'' میں پیدا ہوا، کیونکہ اس وقت اس کا عظیم باپ شاہ جہاں دکن کی مہموں کے سلسلے میں وہاں مقیم تھا۔ اورنگزیب ۳ جولائی ۱۶۵۸ء کو برسر اقتدار آیا۔ اس کے دور کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے دور میں جب وہ آسام و بنگال میں مقیم تھا، اس نے اسلامی اصلاحات کا جال بچھایا۔ تمام غیر اسلامی، غیر شرعی اور غیر اخلاقی رسوم پر پابندی عائد کر دی۔ اپنی رعایا کو مسلم اور غیر مسلم میں تقسیم کر کے ہر شخص کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کی۔ ایک ابتدائی حکم کے تحت ۱۸۰ ایسے ٹیکس ختم کئے جن کی آمدنی کروڑوں روپے تھی۔ لیکن ان کی وجہ سے عوام پریشان تھے۔ غیر مسلموں سے صرف جزیہ لینا شروع کیا اور دیگر بہت سے ٹیکس اور جبری خدمات ختم کر دیں۔ ان کا یہ بیان اس کی مذہبی فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ ''مناصب کی تقسیم مذہب کی بنیاد پر نہیں، قابلیت کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔''

۱۶۵۸ء سے ۱۶۸۶ء میں وہ آسام و بنگال کے باغیوں اور سکھوں کی شورشوں کو کچلنے میں مصروف رہا۔ اسی دوران اس نے کابل و قندھار کے معاملات بھی سلجھائے۔ ۱۶۸۶ء تا ۱۷۰۷ء وہ دکن میں مقیم ہو کر مرہٹوں، راجپوتوں اور بیجا پور

اور گولکنڈہ کے حکمرانوں پر فتوحات حاصل کرتا رہا۔
۱۷۰۷ء میں وہ دکن شہر دولت آباد میں مقیم تھا۔ اس کی عمر ۹۰ سال اور اسے حکومت کرتے ہوئے پچاس برس اور اڑھائی ماہ ہو رہے تھے کہ فروری کے آخری دنوں میں وہ بخار کے مرض میں مبتلا ہوا۔ علامات بتا رہی تھیں کہ وہ وقت رخصت آ گیا ہے۔ اس کے بیٹے شہزادہ محمد اعظم اور شہزادہ کام بخش یہ حالات دیکھ کر باہم الجھ پڑے۔ جب اورنگزیب عالمگیر کی طبیعت کچھ سنبھلی اور حالات کا پتہ چلا تو اس نے اپنے بیٹوں کو لڑنے مرنے سے بچانے کے لئے ایک راستہ اختیار کیا۔ چھوٹے شہزادے کام بخش کو بیجاپور کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا، جبکہ بڑے بیٹے معظم کو فی الحال اپنے پاس رکھا اور پھر مالوہ کی صوبیداری دے کر رخصت کیا۔

بادشاہ کی بیماری کا پانچواں روز تھا۔ مارچ ۱۷۰۷ء کی تین اور ذیقعدہ ۱۱۱۸ء کی بیس تاریخ تھی۔ بادشاہ نے حسب معمول نماز فجر ادا کی اور اپنی عادت کے مطابق تسبیح لے کر کلمہ کا ورد کرنے بیٹھ گئے۔ جب نقاہت کچھ زیادہ محسوس ہوئی تو لیٹ گیا۔ کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا اور سورج کو طلوع ہوئے زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ اورنگزیب عالمگیر کی زندگی کی شام ہو گئی اور یوں بادشاہ سلامت اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

شہنشاہ نے مرنے سے پہلے اہل خانہ اور درباری مصاحبوں کے مشورے پر ایک ہندو جوگی کو ایک ہاتھی اور قیمتی الماس بطور صدقہ دیا تھا۔ پھر یہ وصیت کی تھی کہ ”میت کو تابوت میں نہیں رکھنا اور نہ قبر گہری کھودنی ہے، بلکہ ایک عام مسلمان کی طرح زمین کی پہلی منزل میں عام کفن میں دفن کرنا۔“ چنانچہ وصیت کے مطابق وقائع نویس حمید الدین خان اور دیگر درباریوں نے اسی روز شہر دولت آباد کے قریب حضرت شیخ برہان الدین شاہ زری اور دیگر بزرگوں کے مزاروں کے بیچوں بیچ جگہ تلاش کر کے عظیم مغل حکمران کو ایک عام مسلمان کی حیثیت سے دفن کیا۔ جنازے اور تدفین میں عام لوگوں کے علاوہ ارکان سلطنت، درباریوں اور اہل خانہ نے شرکت کی۔ ایسی مجاہدانہ زندگی اور عابدانہ موت بعد میں کسی مغل بادشاہ کو نصیب نہ ہوئی۔

دانت کھٹے کردینے والا جواب

ترکی کے حکمران سلطان عبدالحمید خان سے جرمنی کے بادشاہ نے ایک بار کہا۔ ''یورپ میں آپ کی حالت ایسی ہے جیسے بتیس دانتوں میں ایک زبان۔''

مطلب یہ تھا کہ تم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہو۔ کچھ نہیں کر سکتے۔ حالت تھی بھی ان دنوں ایسی ہی۔ ترکی کی حکومت حد درجے کمزور تھی۔ سلطان ترکی کو یورپ کا مرد بیمار کہا جاتا تھا۔ ان باتوں کے باوجود سلطان عبدالحمید نے بہت خوبصورت جواب دیا، بولے۔ ''آپ کی بات ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت یہ ہے کہ دانت سب کے سب گر جاتے ہیں اور زبان قائم رہتی ہے۔''

جشن خوشی یا وبال دنیا وآخرت

آج کل گانا سننا اور سنانا اس قدر عام ہے کہ اکثر شادی بیاہ اور دیگر پرمسرت تقریبات میں بھی گانے خوب چلائے جاتے ہیں، بلکہ بعض محلوں میں اس موقع پر اتنی بلند آواز میں گانے چلائے جاتے ہیں کہ پورا محلّہ ان کی آواز سے گونجتا ہے اور سارے محلے والے اس آفت ناگہانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کیونکہ گانوں کی بلند آواز سے نہ کوئی مطالعہ کر سکتا ہے، نہ تلاوت کر سکتا، نہ عبادت کر سکتا ہے، نہ ذکر و دعا کر سکتا ہے، بلکہ کوئی آرام بھی نہیں کر سکتا۔ اس طرح گناہوں کی آواز سے دوسروں کو تکلیف پہنچانا حرام اور سخت گناہ ہے اور ایسی تقریبات میں شریک ہونا بھی جائز نہیں ہے، خواہ اہل تقریب کتنا ہی برا منائیں، اس کی بالکل پرواہ نہ کرنی چاہئے، کیونکہ کسی انسان کو خوش کرنے کی خاطر اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا جائز نہیں۔



حضرت مدنی اور اینٹ مٹی کا کام

''نقش حیات'' جو حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی خودنوشت سوانح ہے، اس میں بڑے مختصر اور بڑے بے تکلف انداز میں اپنی زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بسا اوقات میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھا ہوا کتاب پڑھا رہا ہوتا تھا اور آدمی آ کر کہتا کہ والد صاحب بلا رہے ہیں۔ طلبہ کو رخصت کر کے حاضر ہوتا تو فرماتے کہ اینٹ مٹی اٹھانے والا مزدور نہیں آیا تم اس کا کام انجام دو۔ بحالت مجبوری تمام دن یہ کام کرنا پڑتا اور تمام اسباق کو معطل کرنا پڑتا۔ بسا اوقات ایک ایک دو دو ہفتہ اسباق کو معطل کر کے تمام اوقات اسی تعمیری خدمات میں صرف کرنے پڑتے۔

سچ ہے کہ! سچ نجات دیتا ہے

حضرت ربعی بن حراش بچپن سے صدق وصفائی میں مشہور تھے۔ تمام عمر کوئی جھوٹ آپ کی زبان پر نہیں آیا۔

ایک مرتبہ ایک عجیب اتفاق پیش آیا کہ ان کے دو صاحبزادے پر حجاج بن یوسف کے (جو اس امت کا سب سے زیادہ ظالم مشہور ہے) معتوب تھے اور اس کی ظالمانہ سختیوں سے واقف تھے۔ اس لئے روپوش ہو کر دن گذار رہے تھے۔ حجاج کو کسی نے بتلایا کہ ان کے والد کبھی جھوٹ نہیں بولتے، انہیں سے ان لڑکوں کا پتہ دریافت کرو۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں فوراً آدمی بھیج کر دریافت کیا۔ آپ نے بے تامل فرمادیا کہ دونوں گھر کے اندر ہیں۔ اولاد کی جان جاتی ہے اور والد شفیق ایک کلمہ خلاف واقع فرمادینا گوارا نہیں کرتے۔ اس موقع پر سچ پر قائم رہنا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ لیکن سچائی کو بھی حق تعالیٰ نے وہ برکات عطا فرمائی ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں اس کے آثار و برکات کا ظہور ہو جاتا ہے۔

حضرت ربعی بن حراش کی اس حیرت انگیز راست گوئی سے حجاج بن یوسف جیسا سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور کہا ہم نے آپ کی سچائی کی وجہ سے ان دونوں کا جرم معاف کردیا۔ (صفوۃ الصفوۃ، صفحہ ۱۹، ج ۲)

ٹی وی اور اچھے بچے

ہو جو گندی وہ سی ڈی نہیں دیکھتے
فحش چیزیں کبھی بھی نہیں دیکھتے
اہل دل بدتمیزی نہیں دیکھتے
اچھے بچے تو ٹی وی نہیں دیکھتے

دیکھنے میں بظاہر اجالا ہے یہ
اور باطن میں جھانکو تو کالا ہے یہ
درحقیقت گناہوں کا آلہ ہے یہ
اچھے بچے ٹی وی نہیں دیکھتے

فحش چیزیں دکھاتا ہے انسان کو
سچ ہے کمزور کرتا ایمان کو
ورغلاتا ہے ہر اک مسلمان کو
اچھے بچے تو ٹی وی نہیں دیکھتے

سچ ہے سانپوں کا کوئی پٹارہ ہے یہ
نفس و شیطاں کے ماروں کا مارا ہے یہ
دشمنان شریعت کا پیارا ہے یہ
اچھے بچے تو ٹی وی نہیں دیکھتے

مشورہ ہے مرا آپ کو دیکھئے
ہے جو خود پہ لگی چھاپ کو دیکھئے
دیکھنا ہے تو ماں باپ کو دیکھئے
اچھے بچے تو ٹی وی نہیں دیکھتے

کعبۃ اللہ کو اور سبز گنبد کو دیکھ
جلوۂ حق کو نور محمد ﷺ کو دیکھ
راہ سنت کو فرمان احمد ﷺ کو دیکھ

اچھے بچے تو ٹی وی نہیں دیکھتے
اللہ برائی سے للّٰہ رک جائیے
اچھی باتوں کو دنیا میں پھیلائے
اچھے بچوں کو یہ بات بتلائے
اچھے بچے ٹی وی تو نہیں دیکھتے

شاہ ہند کی بجائے شاہ جہاں کا لقب کیوں اختیار کیا؟:

ایک غریب طالب علم ملا سعد اللہ خان تحصیل علم کے لئے پنجاب سے دہلی آیا۔ اپنے گزارے کے لئے دن کو وہ ایک نواب کے لڑکوں کو تعلیم دیتا تھا اور رات کو خود پڑھتا تھا۔ وہ دور مغل بادشاہ شاہ جہاں کا تھا۔ شاہ جہاں کے شاہ ایران سے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں کے درمیان خط و کتابت بھی تھی۔ ایک دفعہ ایران کا سفیر قیمتی تحائف اور ایک خط لے کر دہلی آیا۔ اس خط میں حسب معمول دعا سلام کے بعد بعض سیاسی امور پر اظہار خیال کیا گیا تھا لیکن آخر میں ایک سطر ایسی مبہم عبارت میں لکھی تھی کہ دربار کے کسی امیر، وزیر اور شہر کے کسی اہل علم کی سمجھ میں نہ آئی۔ شاہ جہاں کو اس کا مطلب معلوم کرنے کی فکر تھی۔ کیونکہ اگر اس کا جواب نہ دیا جاتا تو اہل ہند کے علم و فضل کی بدنامی ہوتی۔ وہ نواب صاحب جن کے لڑکے ملا سعد اللہ خان کے زیر تعلیم تھے وہ بھی اس خط کو گھر لائے۔ لیکن بہت غور کرنے پر بھی اس معمہ کو حل نہ کر سکا۔ سعد اللہ خان نے اپنے شاگردوں سے اس بات کا چرچا سن کر نواب سے وہ خط مانگا۔

نواب نے جواب دیا۔ ''بڑے بڑے فضلاء اسے سمجھنے کی کوشش میں ناکام ہو چکے ہیں، آپ سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔''

سعد اللہ نے کہا۔ ''پھر بھی اگر یہ خط مجھے دے دیا جائے تو کچھ حرج نہیں کبھی ایسا اتفاق بھی ہوتا ہے کہ ایک ناخواندہ آدمی کسی بات کو زیادہ سمجھ لیتا ہے۔''

نواب نے کہا۔ ''کچھ مضائقہ نہیں۔ میں ایک گھنٹے کے لئے یہ خط آپ کو دیتا ہوں اور دربار کی طرف روانہ ہونے سے پہلے واپس لے لوں گا۔''

سعد اللہ خط لے کر اپنے کمرے میں آیا اور ایک گھنٹہ اس پر غور کر کے نواب کو یہ کہہ کر واپس دے دیا۔ ''نواب صاحب میں اس کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ جب جہاں پناہ کی طرف سے اس کا جواب لکھا جائے تو وہ جواب میرے حوالے کر دیجئے گا، میں اس کے نیچے اس سطر کا جواب تحریر کر دوں گا۔''

یہ سن کر نواب کو بہت تعجب ہوا اور اس نے اس سطر کا مطلب پوچھا۔ مگر سعد اللہ نے بتانے سے انکار کر دیا اور کہا۔ ''جب شاہ ایران کا جواب آئے تو اس کا مفہوم خود ہی واضح ہو جائے گا۔ فی الحال بیان کرنے سے اس کا لطف جاتا رہے گا۔'' نواب نے شاہ جہاں کو اس بات کی اطلاع کی۔ بادشاہ بہت خوش ہوئے۔ شاہ ایران کے لئے تحفے مہیا کئے گئے اور اس بات کا جواب سعد اللہ سے لکھوا کر بھیج دیا گیا۔

اب شاہ جہاں نے سعد اللہ خان کی لیاقت آزمانے کے لئے اسے شاہی مرغی خانے کا مہتمم بنایا۔ اگرچہ یہ کام ایک مولوی کے مناسب حال نہ تھا۔ تاہم اس نے اسے بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ مرغیوں کی خوراک کا خرچ صفر رہ گیا۔ ایک دن بادشاہ نے مرغی خانے کا حساب دیکھا تو حیران ہو کر وزیر سے پوچھا کہ ''کیا مرغیاں مر گئیں، ان کا خرچ حساب میں درج نہیں ہے۔'' وزیر خاموش رہا۔ اس پر بادشاہ مرغی خانے کا معائنہ کرنے گیا تو مرغیاں پہلے سے زیادہ موٹی تازی دکھائی دیں۔ اس نے حیرت سے سعد اللہ کو دیکھا۔

سعد اللہ نے کہا۔ ''جہاں پناہ، جس آٹے سے شاہی مطبخ کے برتن بند کئے جاتے تھے، وہ پہلے ضائع کر دیا جاتا تھا۔ میں اب وہ مرغیوں کو کھلا دیتا ہوں۔ جس سے خرچ کی بچت ہو گئی۔'' بادشاہ نے اس کارگزاری سے خوش ہو کر اسے شاہی کتب خانے کا ناظم مقرر کیا۔ یہ منصب اس کے لائق تھا، کیونکہ یہاں اسے بہترین کتب اور نادر کتابوں کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ ایک دن بادشاہ کتب خانے میں آیا تو دیکھا کہ اکثر کتابوں پر زربفت کمخواب، ریشم اور طرح طرح کے بیش قیمت کپڑوں کے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس نے سعد اللہ سے پوچھا۔ ''تم نے ان گراں بہا غلافوں کی قیمت کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟''

سعد اللہ نے عرض کیا۔ ''جہاں پناہ، ان پر ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ امراء اپنی درخواستیں ریشم اور دوسرے قیمتی کپڑوں کے تھیلوں میں رکھ کر خدمت عالی میں پیش کرتے ہیں۔ یہ تمام تھیلے شاہی دفتر میں بیکار پڑے ہوئے تھے۔ میں نے ان کے غلاف سلوا دیئے۔'' بادشاہ اس جواب سے بے حد مسرور ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ شخص تو وزیر اعظم کے عہدے کا مستحق ہے۔

اسی اثناء میں شاہ ایران نے شاہ جہاں کے خط کا جواب بھیجا۔ جس میں تحریر تھا۔ ''ہم کو یقین ہے کہ جس شخص نے ہمارے خط کا جواب دیا ہے وہ آپ کا وزیر اعظم ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو وہ خوشی سے یہاں آئے، ہم اسے یہ منصب عطا کریں گے۔'' بادشاہ نے سعد اللہ خان کو طلب کیا اور پوچھا۔ ''اب بتاؤ کہ شاہ ایران نے اس سطر میں کیا دریافت کیا تھا؟ اور تم نے اس کا کیا جواب دیا؟''

سعد اللہ نے عرض کیا۔ ''جہاں پناہ انہوں نے یہ دریافت کیا تھا کہ جہاں پناہ نے شاہ ہند ہونے کے باوجود شاہ جہاں کا لقب کیوں اختیار کیا۔ میں نے ان کو یہ جواب دیا کہ ہند اور جہاں کے حروف کے اعداد برابر ہیں۔ اس طرح:

ہ	=	۵	ج	=	۳
ن	=	۵۰	ہ	=	۵
د	=	۴+	ا	=	۱
		۵۹	ن	=	۵۰+
					۵۹

لہذا ہند کی جگہ جہاں لکھنے پر کیا اعتراض ہے۔ شاہ جہاں نے اس جواب سے خوش ہو کر اسے خلعت اور نواب کا خطاب دے کر اپنا وزیر بنا لیا۔

فقہ کے امام کی احتیاط

روٹی پکانے کے لئے خمیر کی ضرورت پیش آئی تھی۔ ایک گھر سے خمیر منگا لیا گیا۔ آٹے میں خمیر ملا کر روٹی تیار کی گئی۔ کھانا ان کے سامنے رکھا گیا۔ خمیر کی بو محسوس کر کے انہوں نے پوچھ لیا۔ ''آج روٹی کیسی ہے؟''

''خمیری روٹی تیار کی ہے۔'' انہیں بتایا گیا۔

''اور خمیر کہاں سے لیا؟'' انہوں نے پوچھا۔

''صالح کے گھر سے منگایا تھا۔'' جواب دیا گیا۔

'تب میں یہ روٹی نہیں کھاؤں گا، صالح نے ایک سال تک قاضی کے عہدے پر کام کیا ہے۔ لہذا اس کے گھر سے آئے ہوئے خمیر کی روٹی میرے حلق سے نہیں اترے گی۔''

ان سے پوچھا گیا۔ ''تب پھر ان روٹیوں کا کیا کریں؟''

جواب میں انہوں نے فرمایا۔ ''جب کوئی سائل آئے اور سوال کرے تو روٹیاں اسے دینے سے پہلے بتا دینا کہ خمیر صالح کے گھر کا ہے اور آٹا ہمارے گھر کا اور احمد نے ان روٹیوں کو کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر لینا پسند کرے تو دے دینا، ورنہ نہیں۔''

وہ روٹیاں یونہی رکھی رہیں، چالیس روز تک کوئی سائل نہ آیا۔ آخر خراب ہو جانے کی وجہ سے ان روٹیوں کو دریائے دجلہ میں بہا دیا گیا۔

یہ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ صالح ان کے بیٹے تھے۔ بیٹے کے گھر کے خمیر سے تیار شدہ روٹی تک آپ نے کھانا گوارا نہ کیا، حالانکہ آپ کے صاحبزادے نیک اور پرہیزگار شخص تھے، لیکن وہ ایک سال تک قاضی رہے

تھے اور امام صاحب کے نزدیک اس وقت کی اسلامی حکومت اپنے فرائض پوری طرح انجام نہیں دے رہی تھی اس لئے امام صاحب سرکاری عہدوں پر فائز رہنے والے افراد سے کچھ لینا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایسی پرہیز گاری رکھنے والوں کے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

حضرت نانوتوی ؒ کا ہندو سے مقابلہ

ایک دفعہ ایک ہندو نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ کے لئے چیلنج کر دیا کہ "میرے ساتھ بسیار خوری کا مقابلہ کرو۔"

آپ نے فرمایا۔ "عیب کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اگر یہ مقابلہ کرنے کا شوق ہے تو کسی بھینس سے کرو۔ میرے سے مقابلہ کرنا ہے تو نہ کھانے کا مقابلہ کرو۔ ہمیں ۴۰ دن ایک کمرے میں بند کر دیا جائے۔ کوئی روٹی وغیرہ نہ دی جائے، پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے؟"

بھلا ہندو یہ مار کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ مناظرہ سے ہی بھاگ گیا۔

قل جآء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا

"کہہ دو حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔ بے شک باطل کو تو جانا ہی ہے۔"

کسی کا گزارہ نہیں ہوتا پھر بھی......

میرے شیخ ومرشد سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ "ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ ہم میں جو لوگ ملازم پیشہ ہیں، ان کی ۲۵ تاریخ اور کبھی ۲۰ تاریخ ہی کو تنخواہ ختم ہو جاتی ہے اور وہ تنخواہ بھی گھر کے اخراجات میں ختم ہو جاتی ہے، یہ نہیں ہے کہ اس میں سے وہ صدقہ وخیرات کر رہے ہیں یا اس کو نیک کاموں میں خرچ کر رہے ہیں، نہ عزیزوں کی خدمت ہو رہی ہے، نہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہو رہی ہے، نہ فقیروں اور مسکینوں کی خدمت ہو رہی ہے۔ اور ان سے کسی نیک کام میں خرچ کرنے کے لئے کہا جائے تو کہتے ہیں کہ ارے بھائی! ہماری تنخواہ تو کچھ ہے نہیں، ہمارا خود کا گزارا نہیں ہوتا، ہم کسی دوسرے کی کیا خدمت کریں؟ آج تین ہزار روپے والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، دس ہزار روپے والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، پچیس ہزار روپے والے کا بھی گزارہ نہیں ہو رہا ہے، سب کا یہ حال ہے کہ مہینے کی آخری تاریخوں میں قرض لے رہے ہیں، اور جب پہلی تاریخ آتی ہے تو پھر خوب مرغ مسلم پک رہے ہیں۔"

امام اعظمؒ کی حکمت

کوفہ میں ایک شخص رہتا تھا جو بڑا بدکلام تھا۔ ایک مرتبہ اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا۔ نعوذ اللہ آپ یہودی ہیں۔ اس بات کا علم امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو ہوا تو آپ تڑپ اٹھے، جب تک اس آدمی سے ملاقات نہ کی، بے چین رہے۔ جب اس شخص سے ملاقات ہوئی تو بڑی شفقت اور نرمی سے فرمایا۔



''اے بھائی! میں فلاں شخص کی طرف سے تیری بیٹی کے لئے منگنی کا پیغام لایا ہوں۔ وہ آدمی بڑی صفات کا مالک ہے، حافظ قرآن، دولت سے مالا مال ہے۔ سخاوت میں بے مثال اور متقی ہے، رات نوافل میں گزارتا ہے۔''

اس شخص نے یہ سن کر جواب دیا۔

''ایسا انسان نہ صرف میری بیٹی کے لئے بلکہ ہمارے پورے خاندان کے لئے سعادت ہے۔'' پھر حضرت امام صاحب نے فرمایا۔ ''لیکن مذہباً وہ یہودی ہے۔''

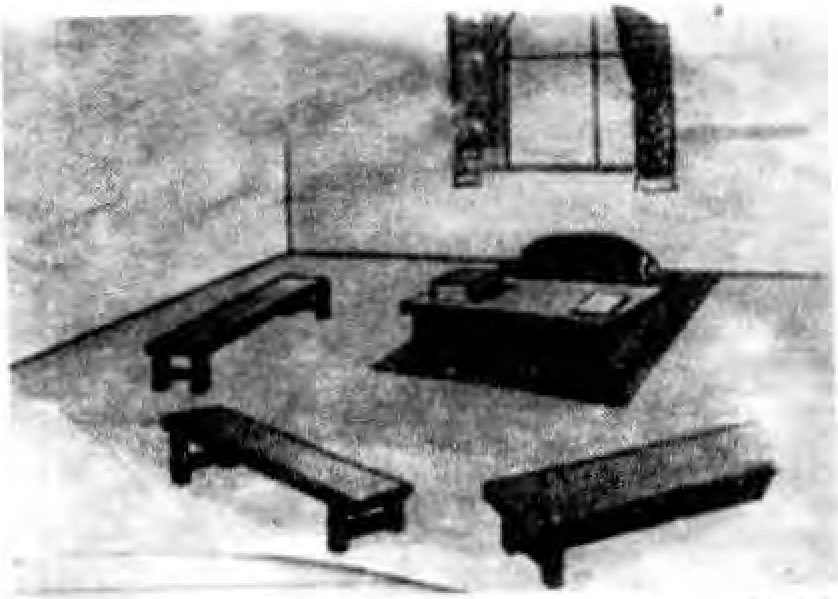
اس پر اس شخص نے کہا۔ ''آپ کیا چاہتے ہیں، میں اپنی بیٹی ایک یہودی کے حوالے کردوں، یہ کیسے ممکن ہے؟'' تب امام صاحب نے فرمایا۔

''اگر تم اپنی ایک بیٹی کسی یہودی کو نہیں دینا چاہتے تو نبی پاک ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیاں یہودی کے نکاح میں کیسے دے دیں؟''

یہ سن کر اس کا سر ندامت سے جھک گیا۔ اپنے کئے پر نادم ہوا اور اپنی زبان حال سے یہ کہنے لگا۔ ''حکمت ہو تو ایسی۔'' اس کے بعد اس نے توبہ کر لی۔

گوالیار کے قلعے میں قید کو گوارا کر لیا مگر......

آپ متحدہ ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں، یہاں ایک وقت ایسا آ گیا تھا کہ اسلام کا چراغ ٹمٹماتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ دین اکبری ایجاد ہو رہا تھا،



P-88

خنزیر اور کتے کی پاکی کا حکم دیا گیا،
سود، شراب اور جوا حلال سمجھا گیا،
برہما مہادیو اور کشن وغیرہ کی تعظیم کی جاتی تھی،
کلمہ تک بدل دیا گیا اور یوں پڑھا جاتا تھا:
لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ
بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا،
اسلامی نام رکھنے سے منع کر دیا گیا،
شیر اور بھیڑیئے کا گوشت حلال کر دیا گیا،
اور بھینس، بھیڑ، بکری اور اونٹ کا گوشت حرام قرار دیا گیا،
فرمان جاری کیا گیا کہ عربی علوم کا پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا جائے،
صحابہؓ پر تبرابازی ہوتی تھی،
گائے اور اس کے گوبر کی پوجا اکبر خود کرتا تھا

کہا گیا کہ حضور ﷺ کے دین کی عمر ایک ہزار سال تھی، اب نئے دین کی ضرورت ہے، اس دین کا نام توحید الٰہی رکھا گیا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر واقعی یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب کم از کم ہندوستان میں دین اسلام باقی نہیں رہ سکے گا۔

لیکن! آپ اس پر آشوب دور میں جانتے ہیں وہ کون مردِ درویش تھا جس نے دین اسلام کی تجدید کا فریضہ سرانجام دیا؟ آپ یقین کریں کہ وہ کسی یونیورسٹی کا پروفیسر نہ تھا،
وہ کوئی سائنس دان نہ تھا،
وہ کوئی انجینئر اور جدید اسکالر نہ تھا،
بلکہ وہ مسجد کے ننگے فرش اور مدرسہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر کتاب و سنت کا علم حاصل کرنے والا ایک خداشناس مولوی تھا۔ وہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی تھے،
جنہوں نے فتنۂ اکبری کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا،

جنہوں نے گوالیار کے قلعے میں قید ہونا گوارا کرلیا لیکن جبین نیاز کے تقدس کو دربارِ اکبری پر نہیں لٹایا۔
جنہوں نے شریعت کے روشن چہرے سے بدعات اور تحریفات کے گرد وغبار کو صاف کیا۔

تصوف کی ابتداء وانتہاء

ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھے۔ مولوی نصیر نے اوپر جا کر کہا کہ ''رئیس احرار آئے ہیں۔ رائے پور جارہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے۔''
حضرت شیخ نے فرمایا کہ ''جلدی بلادے۔''
مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا کر کہا۔ ''رائے پور جارہا ہوں اور ایک سوال آپ سے کر کے جارہا ہوں۔ پرسوں صبح ہی واپسی ہے، اس کا جواب واپسی میں لوں گا۔ سوال یہ ہے کہ تصوف کیا بلا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟''
حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ ''صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتداء انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیت پر ہے) اور انتہا ان تعبد الله کانک تراه (اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا کہ وہ سامنے ہے) اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں اور اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر اور میرا کھایا

حضرت داؤد طائی کے پاس ایک لونڈی تھی جو آپ کی خدمت کیا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے حضرت سے عرض کیا کہ ''اگر آپ اجازت دیں تو آج تھوڑا سا گوشت پکالوں؟''

آپ نے فرمایا ''ہاں پکالے۔ میرا دل بھی چاہتا ہے۔'' اس نے خوب سنوار کر گوشت پکایا۔ جب آپ کے سامنے لاکر رکھا تو پوچھا ''فلاں یتیموں کا کیا حال ہے؟''

لونڈی نے کہا ''بے چارے پہلے کی طرح خستہ حال ہیں۔''

آپ نے فرمایا۔ ''یہ گوشت لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔''

لونڈی نے عرض کیا۔ ''اتنا عرصہ ہوگیا ہے آپ نے گوشت نہیں کھایا، آپ کھالیں۔''

فرمایا۔ ''یتیموں کا کھایا ہوا عرش پر پہنچے گا اور میرا کھایا ہوا خاک میں مل جائے گا۔''

چالیس سال سے کھا رہے ہیں مگر......

دوران سفر حضرت جی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ''پاکستان دیوالیہ کیوں نہیں ہوگا؟'' ارشاد فرمایا۔ ''اس کی کئی وجوہات ہیں، مگر بڑی بڑی وجوہات تین ہیں۔

❁......تبلیغی محنت پوری دنیا میں ہو رہی ہے، جس میں بہت بھاری اکثریت پاکستانی لوگوں کی ہے۔ یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

❁......حرمین شریفین کے خدام میں اکثریت پاکستان کے مسلمانوں کی ہے۔

❁......بزرگان دین کی محنت بھی رنگ لاتی ہے۔ یہی بزرگان دین مختلف مدارس اور جامعات کی بھی سرپرستی فرماتے ہیں، اس کی اپنی برکات ہیں۔

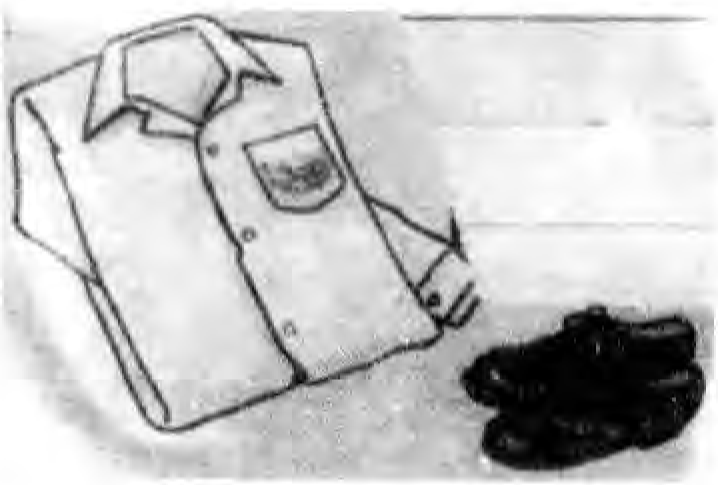
یہ بڑی بڑی وجوہات ہیں کہ جس کی وجہ سے ملک قائم و دائم ہے۔ ورنہ ہم لوگ تو اسے چالیس سال سے کھا رہے ہیں، مگر یہ قائم ہے۔''

ایک عجیب منظر جس نے اس کی زندگی بدل دی

وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے بیٹے کی خواہش کس طرح پوری کرے۔ شوہر کی وفات کے بعد وہ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے اپنا اور اپنے کم سن بیٹے سعد کا پیٹ پال رہی تھی۔ اس نے سعد کو کبھی باپ کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ وہ اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھی۔ وہ اسے ہنستا کھیلتا اور خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ سعد اپنی ماں کے حالات سے بے خبر تھا، اسے جب بھی کسی چیز کی ضرورت پڑتی، وہ ماں سے کہہ دیتا تھا۔

عید قریب آ گئی تھی اور سعد نے اپنی ماں سے نئے جوتے کا مطالبہ کر دیا تھا۔ اس کی ماں یہ فرمائش سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ جن سے سعد کے لئے نئے جوتے خرید سکتی۔

یہ رمضان المبارک کا آخری جمعہ تھا۔ سعد کی ماں نے اسے صاف ستھرے کپڑے پہنا کر نماز پڑھنے کے لئے بھیجا۔ سعد مسجد کی طرف جا رہا تھا، لیکن اس کا ذہن نئے جوتوں میں اٹکا ہوا تھا۔ ''اگر میں نے نیا جوتا نہ خریدا تو دوست مذاق اڑائیں گے۔ میری غربت پر بات کریں گے۔'' یہ سوچ کر اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔ لیکن ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو امیر بنایا ہے، وہ جس چیز کی خواہش کرتے ہیں، فوراً انہیں وہ چیز مل جاتی ہے۔ مگر افسوس کہ کچھ لوگ میری طرح غریب ہیں، جن کی چھوٹی چھوٹی خواہشیں بھی پوری نہیں ہوتیں۔'' وہ سوچتا رہا۔



چلتے چلتے آخر مسجد کے دروازے پر پہنچ گیا۔ نمازی مسجد میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ اندر داخل ہوا اور پھر اس کے اٹھتے قدم رک گئے۔ مسجد کے ایک کونے میں ایک شخص دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے تھا۔ سعد نے دیکھا وہ دونوں ٹانگوں سے محروم تھا۔ اس نے سنا وہ کہہ رہا تھا۔ ''اے اللہ! میں تیری کن کن نعمتوں کا شکر ادا کروں۔''

یہ دیکھ کر سعد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دل میں ہلچل ہوئی اور سوچنے لگا۔ ''میں کس قدر ناشکرا ہوں، اللہ نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا کی ہیں۔ بجائے شکر ادا کرنے کے، میں اللہ سے شکوہ کر رہا ہوں۔ اگر میں اس عید میں نئے جوتے نہیں پہنوں گا تو قیامت نہیں آ جائے گی، یہ شخص کتنا اچھا ہے، دونوں ٹانگوں سے محروم ہے، پھر بھی اللہ کا شکر ادا کر رہا ہے۔ نہیں، میں غریب نہیں ہوں۔ میرے پاس سب کچھ ہے، اگر جوتے نہیں تو کیا ہوا، بہت سے اور لوگوں کے پاس بھی جوتے نہیں ہوں گے۔ اس شخص کے پاس جوتے تو ایک طرف، پاؤں ہی نہیں اس کے...... یہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہے۔ میں بھی اللہ کا شکر ادا کروں گا، اس کا شکر گزار بندہ بنوں گا۔''

اس ایک منظر نے سعد کی زندگی کا رخ ہی تبدیل کر دیا۔

نماز باجماعت کی اہمیت

سارا دن گرم لو چلتی رہی۔ خواجہ احمد میروی رحمتہ اللہ (میرا شریف ضلع اٹک کی بلند پایہ علمی و روحانی شخصیت) اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ہمراہ ویرانے میں ایک ٹیلے پر مدرسہ کی دیوار کھڑی کرنے میں مصروف تھے، استاد و طلبہ معمار کو گارا مٹی اور پتھر اٹھا کر دیتے رہے، نماز عصر کا وقت آ پہنچا، خواجہ احمد میروی رحمتہ اللہ علیہ اپنے شاگردوں اور متعلقین کے ہمراہ نماز ادا کرنے چلے گئے، واپسی پر دیکھا کہ معمار ابھی تک وہیں ہیں اور وہ ''گو'' کے ساتھ لگی سیڑھی سے نیچے اترنے لگا۔ اس کے ہاتھ گارے سے لتھڑے ہوئے تھے۔

خواجہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے دور ہی سے اشارہ کیا کہ وہیں ٹھہر جاؤ! قریب آ کر پوچھا'' کیا آپ باجماعت نماز پڑھنے سے رہ گئے؟''

معمار نے کہا۔''جی ہاں! میں نے دیوار پر گارا پھیلا دیا تھا، سخت گرمی ہے، خدشہ تھا کہ اگر نماز کے لئے جاؤں تو یہ خشک ہو جائے گا، اس لئے میں نے پتھر جوڑ کر''وہ'' مکمل کر دیا۔''

معمار پر امید تھا کہ خواجہ صاحب میری محنت اور انہماک پر خوش ہو کر تحسین کریں گے، خواجہ صاحب نے وضاحت سننے کے بعد معمار کے دل میں نماز باجماعت کی اہمیت بٹھانے کی خاطر نہایت حکیمانہ انداز و تحمل سے فرمایا۔''اچھا سائیں! وت جہڑے وٹے نماز کسا کے لائے نے او پٹ دیو، سانوں انہاں دی لوڑ نئیں۔'' یعنی محترم! آپ نے جو پتھر جماعت کی نماز چھوڑ کر لگائے ہیں، انہیں اکھیڑ دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔

معمار کو اس حکم کی توقع نہ تھی۔ وہ بادل نخواستہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پتھر اکھیڑ کر نیچے اترا اور وضو کر کے نماز پڑھی، معمار نے خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عہد کیا کہ آئندہ ہرگز جماعت کی نماز نہ چھوڑے گا۔

جنت کے شربت نے کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا

ایک بزرگ کی حکایت ہے، فرماتے ہیں کہ بلاد روم میں ایک دفعہ ہمارے ساتھ ایک نیک شخص شریک سفر ہوئے۔ وہ نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے۔ میں نے ان سے ایک دن پوچھا کہ'' گیارہ دن سے آپ نے نہ کچھ کھایا ہے

اورنہ پیا ہے،کیابات ہے؟''

فرمانے لگے کہ ''اس کی وجہ میں آپ کو جدائی کے وقت بتاؤں گا۔'' جب فراق وجدائی کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ ''ایک دفعہ ہم بہت سارے افراد جن کی تعداد تقریباً چار سو تھی، ایک جنگ میں شریک ہوئے، کفار سے جنگ ہوئی اور میرے رفقاء شہید ہوئے۔ میں بھی زخمی ہونے کی وجہ سے لاشوں میں پڑا تھا۔ غروب آفتاب کے وقت اوپر فضا سے بڑی مست، عمدہ اورمزیدار خوشبو آنے لگی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ خوبصورت لڑکیاں (حوریں) کھڑی ہیں۔ان جیسی حسین عورتیں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ان کے ہاتھوں میں پانی کے گلاس تھے۔ وہ شہیدوں کے منہ میں پانی



ڈالنے لگیں۔ میں نے بھی آنکھیں بند کرلیں۔وہ حوریں شہیدوں کے منہ میں پانی ڈالتے ڈالتے میرے پاس پہنچ گئیں۔ان میں سے ایک حور نے کہا:

اصببن فی حلق هذا وعجلن قبل أن تغلق أبواب السماء فنبقى فی الأرض فقالت أخرى : أسقيه وبقيه رمق؟ فقالت الأخرى : اسقيه، لابأس عليک ياأختی

یعنی ''اس شخص کے حلق میں پانی جلدی ڈالو،قبل اس کے کہ آسمان کے دروازے بند ہوجائیں اورہم زمین پرہی رہ جائیں۔دوسری حور نے کہا کہ میں کیسے پلاؤں اس میں تو جان باقی ہے؟ پہلی حور نے کہا کہ پلادو،اس میں کوئی حرج نہیں اے میری بہن۔''

چنانچہ لڑکی (حور) نے میرے حلق میں بھی پانی ڈال دیا۔

فأنا منذ شربت ذلک الشراب لاأحتاج الى طعام ولا شراب

یعنی ''جب سے میں نے وہ شربت پیا ہے اس وقت سے مجھے نہ کھانے کی ضرورت ہےاورنہ پینے کی۔''

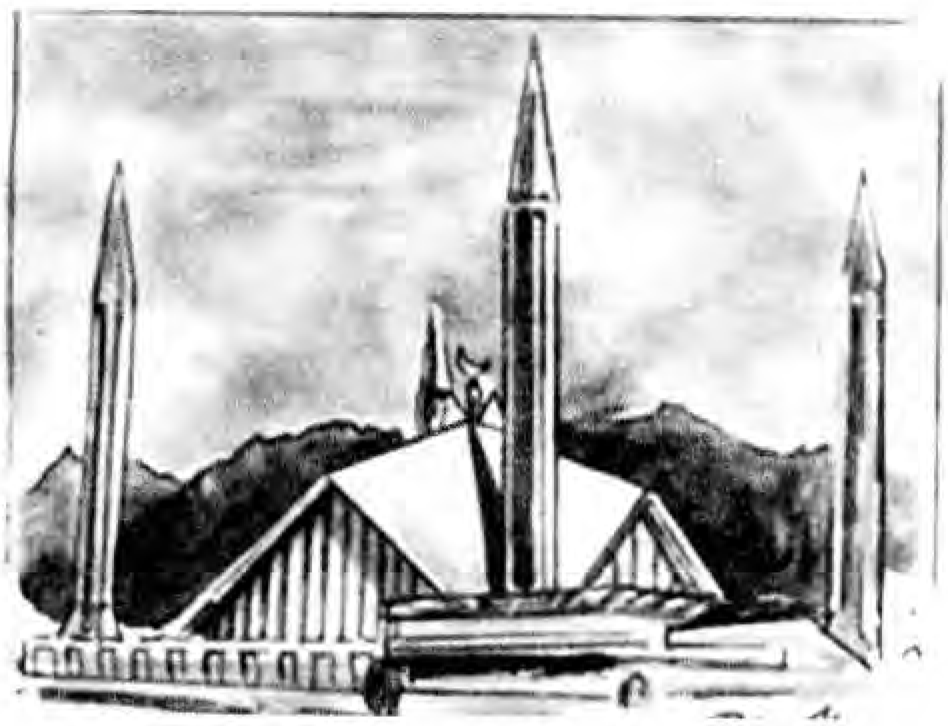
برادران اسلام!جنتی نعمتوں کا مقام وشان نہایت اعلیٰ ہے۔دعا کریں کہ ہمارا خاتمہ بالایمان ہواوراللہ تعالیٰ ہمیں جنت نصیب فرمائیں۔

جسے نالۂ نیم شب کی لذت مل جائے:

جس تحریک کے قائد کا رشتہ رب سے اتنا مستحکم ہو وہ……:

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:

کوئٹہ کے سفر میں احقر علامہ بنوریؒ کے ہمراہ تھا، یہاں مولانا کو کل چوبیس گھنٹے ٹھہرنا تھا، جس میں تین مجلسوں سے خطاب کرنا تھا، ایک پریس کانفرنس تھی، گورنر بلوچستان سے ملاقات تھی اور عشاء کے بعد جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ عام تھا۔ سارا دن مولانا کو ایک لمحہ بھی آرام نہ مل سکا۔ اور رات کو جب ہم جلسہ سے فارغ ہو کر آئے تو بارہ بج چکے تھے۔ خود بھی تھکن سے نڈھال ہو رہا تھا مولانا تو یقیناً مجھ سے زیادہ تھکے ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد میں سو گیا۔



رات کے آخری حصے میں آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا کی چارپائی خالی ہے اور قریب بچھے ہوئے ایک مصلے پر سجدے میں پڑے ہوئے سسکیاں لے رہے ہیں۔ اللہ اکبر! ایسے سفر، اتنے تھکان اور مصروفیات میں بھی نالہ نیم شبی جاری تھا، یہ دیکھ کر مجھے ایک ندامت ہوئی کہ مولانا اپنے ضعف، علالت اور سفر کے باوجود بیدار ہیں اور ہم صحت منداور نوعمری کے باوجود محو خواب! اور دوسری طرف یہ اطمینان بھی ہوا کہ جس تحریک کے قائد کا رشتہ ایسے ہنگامہ دار و گیر میں بھی اپنے رب سے اتنا مستحکم ہو، انشاء اللہ ناکام نہیں ہوگی۔

اس زمانے میں ملک بھر میں مولانا کا طوطی بول رہا تھا۔ اخبارات مولانا کی سرگرمیوں سے بھرے ہوئے تھے اور ان کی تقریریں اور بیانات شہ سرخیوں سے شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی، تو میزبانوں نے اخبارات کا ایک پلندہ لا کر مولانا کے سامنے رکھ دیا۔ یہ اخبارات مولانا کے سفر کوئٹہ کی خبروں، بیانات، تقریریوں اور تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔ مولانا نے یہ اخبارات اٹھا کر ان پر ایک سرسری نظر ڈالی اور پھر فوراً ہی انہیں ایک طرف رکھ دیا، اس کے بعد جب کمرے میں کوئی نہ رہا تو احقر سے فرمایا:

''آج کل کوئی تحریک دین کے لئے چلائی جائے اس میں سب سے بڑا فتنہ نام ونمود کا فتنہ ہے۔ یہ فتنہ دینی تحریکوں کو تباہ کرڈالتا ہے۔ مجھے بار بار یہ ڈر لگتا ہے کہ میں اس فتنے کا شکار نہ ہو جاؤں اور اس طرح یہ تحریک ڈوب نہ جائے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس فتنے سے ہم سب کی حفاظت فرمائے، ورنہ ہمارے اعمال کو تو بے وزن بنا ہی دے گا، اس مقدس تحریک کو بھی لے کر بیٹھ جائے گا۔''

یہ بات فرماتے ہوئے مولانا کے چہرے پر کسی تصنع یا تکلف کے آثار نہ تھے، بلکہ دل کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی تشویش نمایاں تھی۔ (نقوش رفتگاں)

ایسی تیسی گناہوں کی

ہمارے ایک بزرگ تھے حضرت بابا نجم احسن صاحب قدس اللہ سرہ، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز صحبت تھے، بڑے عجیب بزرگ تھے، وہ شعر بھی بڑے اچھے کہا کرتے تھے، اور ان کے شعر کہنے کا انداز ایسا بے تکلفی کا ہوتا تھا جیسے کسی زمانے میں ''داغ'' اور ''میر'' کا بے تکلف شاعری کا انداز ہوتا تھا۔ ان کا ایک بڑا پیارا شعر ہے۔ فرماتے تھے:

دولتیں مل گئیں ہیں ''آہوں'' کی
ایسی تیسی میرے گناہوں کی

''آہ سے مراد استغفار ہے، یعنی جب مجھے استغفار کی دولت مل گئی تو اب یہ گناہ میرا کیا کریں گے۔

ابوعبداللہ مغاربیؒ کا ارشاد

ابوعبداللہ مغاربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''جو گناہگار کو بنظر رحمت نہ دیکھے وہ طریق تصوف سے باہر ہے۔''

ابراہیم تیمیؒ کا حال

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جو آپ پر سختی کرتا اس کے حق میں بددعا نہ کرتے اور فرماتے ''اس کو اپنے ظلم کی سزا ہی کافی ہوگی۔''

میرے باعث گناہگار نہ ہوں

ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ بہت رحیم تھے، بسا اوقات آپ کسی ایک قوم کے پاس سے گزرتے تو اس کو السلام علیکم نہ کہتے اور فرماتے ''میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ مجھے حقیر جان کر میرے سلام کا جواب نہ دیں گے تو میرے باعث گناہگار ہوں گے۔''

سامان کی نگرانی کون کرتا ہے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مکان کے قریب جب کوئی مسافر اترتا اور وہ سو جاتا تو آپ تمام رات صبح تک بیدار رہ کر اس کے اسباب کی نگرانی کرتے اور اس کو معلوم بھی نہ ہوتا۔

دوسرے کی بدخوئی کرنے کا انجام:

ایک بادشاہ نے دو غلام سستے داموں خریدے۔ ان میں سے ایک غلام سے اس نے کچھ باتیں کیں تو اس کو بڑا شیریں زباں اور حاضر جواب پایا۔ اس کی لیاقت اور ذہانت سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اب اس نے دوسرے غلام کو اشارہ کیا کہ ادھر آؤ، جب وہ بادشاہ کے سامنے آیا تو اس نے دیکھا کہ اس غلام کے کالے کالے دانت ہیں اور گندہ دہن ہے۔ بادشاہ کو اس سے گفتگو کرتے ہوئے کراہت محسوس ہوئی۔ اسے حکم دیا کہ ''ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ جا اور میری

باتوں کا جواب دے۔''

دوسری طرف اس نے پہلے غلام سے کہا کہ ''میں تیرے ساتھی سے باتیں کرتا ہوں، اتنی دیر میں تو حمام میں جا کر نہا دھو لے۔'' جب وہ چلا گیا تو بادشاہ نے گندہ دہن غلام سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''تیرے ساتھی نے تیرے بارے میں جو کچھ کہا ہے تو مجھے ویسا معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے تجھے چور، بدمعاش، آوارہ منش اور نہ جانے کیا کیا کہا، تاہم میرا دل کہتا ہے کہ تم بہت عقلمند ہو اور تمہارا ساتھی تمہارے پاسنگ بھی نہیں۔ تم بھلا اس زبان دراز کو کیا سمجھتے ہو؟''

غلام نے دست بستہ عرض کیا ''حضور میرا ساتھی بڑا راست گو ہے اور نہ صرف سچا ہی نہیں بلکہ نیک خو، حیا، علم، دینداری اور احسان و سخا کا پتلا ہے۔ یہ اوصاف اس کی فطرت میں ہیں۔ اس نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے میں اس کو تہمت نہیں کہہ سکتا۔ اے بادشاہ! اس کی نظر میرے جن عیبوں پر گئی ہے، میں اپنی کمزوریوں کی بناء پر ان کو نہیں دیکھ سکا، ورنہ ضرور ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتا۔''

بادشاہ نے کہا۔ ''شاید تو کسی مصلحت اور خوف کی بناء پر ایسی باتیں کر رہا ہے، اے میاں کسی بات کا خوف نہ کرو، اور جس طرح اس نے تیرے عیوب بیان کئے، تو بھی بے دھڑک ان کے تمام عیوب ونقائص بیان کر دے، تا کہ مجھے معلوم ہو جائے تو میرا خیر خواہ ہے اور میرے کاروبار سلطنت کا مددگار۔''

غلام نے عرض کی کہ ''حضور آپ پوچھنے پر مصر ہی ہیں تو پھر میں اس کے عیوب بیان کئے دیتا ہوں۔ اس کا پہلا عیب یہ ہے کہ وہ نہایت وفادار، ہمدرد اور دل کا کھرا ہے۔ جوانمرد اور سخی ایسا ہے کہ کسی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ اس کا دوسرا عیب یہ ہے کہ وہ خود بین نہیں ہے، بلکہ خود ہی اپنا نکتہ چیں ہے۔ وہ اپنا عیب خود ہی ڈھونڈ کر بیان کر دیتا ہے، سب کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور خود سختیاں اٹھاتا ہے۔''

بادشاہ نے کہا ''تو اپنے دوست کی تعریف میں کیوں زیادتی کر رہا ہے۔ شاید اس کی تعریف کے پردے میں تو اپنے اوصاف بیان کر رہا ہے۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کر اور اپنے دوست کے عیوب جلدی بیان کر دے، ایسا نہ ہو کہ میں اس کا امتحان لوں اور تجھ کو شرمسار ہونا پڑے۔''

غلام نے کہا ''حضور میں خدائے بزرگ و برتر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ریاکاری سے کام نہیں لے رہا۔ بلکہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے، میرے ساتھی کے اوصاف درحقیقت اس سے دوگنا ہیں۔ اس کے جس قدر اوصاف کا مجھے علم ہے، وہ اگر بیان کروں تو آپ یقین نہیں کریں گے۔''

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ غلام اپنے ساتھی کی پیٹھ پیچھے برائی نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا اور دوسری باتیں چھیڑ دیں۔ غلام نے نہایت حسن وخوبی سے بادشاہ کے سوالوں کے جواب دیئے۔ یہاں تک کہ وہ اس کے بلند اخلاق اور فہم وفراست کا دل سے قائل ہو گیا۔ اب اس نے اس غلام کو کسی کام کے لئے بھیج دیا اور دوسرا غلام

جب حمام سے نکلا تو اس کو اپنے پاس بلایا اور کہا ''خدا تجھ کو ہمیشہ تندرست رکھے، تمہاری پاکیزہ صورت اور سیرت دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ افسوس کہ تجھ میں وہ عیوب نہ ہوتے جو تمہارے ساتھی نے بیان کئے ہیں۔''

غلام نے کہا۔ ''حضور اس بے دین نے میرے بارے میں کیا بکواس کی ہے، آپ اس کی طرف اشارہ ہی فرمادیں؟''

بادشاہ نے فرمایا کہ ''سب سے پہلے اس نے تیری منافقت بیان کی کہ تو ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ ہے۔ دیکھنے میں تو دوا معلوم ہوتا ہے، اصل میں درد ہے۔''

یہ سن کر غلام کا چہرہ غصہ سے تمتانے لگا اور دوسرے غلام کے بارے میں جو منہ میں آیا کہہ دیا۔ اس بے چارے کی ذات میں سو طرح کے کیڑے نکال ڈالے اور کوئی عیب ایسا نہ تھا جس سے اسے نہ نوازا ہو۔ بادشاہ حیران ہوکر اس کی باتیں سنتا رہا۔ جب اس کی بے ہودہ گوئی کا طوفان کسی طرح تھمنے میں نہ آیا تو بادشاہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ ''بس بس، مجھے تیری حقیقت معلوم ہوگئی۔ میں نے تم دونوں کی آزمائش کر لی اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تیرا باطن گندا ہے اور دوسرے کا صرف ظاہر، پس اے بد باطن تو مجھ سے پرے ہٹ، میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ تیرے ساتھی کو حاکم مقرر کروں گا اور تجھ کو اس کی ماتحتی میں دوں گا۔'' (حکایات رومی)

بزرگوں کی توجہ کی طاقت

ایک دفعہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ہاں کچھ مہمان آ گئے۔ قریب ہی ایک نان بائی تھا۔ اس نے دیکھا تو وہ کھانا لے آیا۔ حضرتؒ بہت خوش ہو گئے۔ فرمایا ''مانگو، کیا مانگتے ہو؟''

اس نان بائی نے عرض کیا کہ ''اپنے جیسا بنالیں۔''

رحمت کا لمحہ تھا۔ حضرت خواجہؒ نے توجہ ڈالی، وہ بالکل حضرت خواجہؒ کی طرح ہو گیا۔ مگر اتنی توجہات کو برداشت نہ کر سکا اور تیسرے دن وفات پا گیا۔ مشائخ کی توجہات میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکات اور طاقت رکھی ہوئی ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہو جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کا ہو جاتا ہے۔ من كان لله كان الله له

خلوت مع اللہ کا فائدہ

ہمارے مرشد مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''جولوگ تبلیغ وارشاد کا کام انجام دے رہے ہیں، ان کو چاہئے کہ کچھ وقت خلوت مع اللہ کا اپنے معمولات کے لئے مقرر کرلیں۔ دوسروں کی نفع رسانی کے ساتھ ساتھ اپنی نگرانی اور اپنی ترقی سے بےفکر نہ ہوں۔''



اور فرمایا کرتے تھے کہ ''تلقی موقوف ہے تخلّی پر۔ یعنی خلوت مع اللہ ہی کی برکت سے مضامین القاء ہوتے ہیں اور اس کے برعکس مسلسل نفع رسانی کا انجام اس کنویں جیسا ہے کہ جس سے ہر وقت پانی نکالا جاوے، اور اگر کنویں سے پانی جمع ہونے کا وقفہ نہ دیا جائے، تو پھر اس کنویں سے بجائے پانی کے کیچڑ نکلنے لگتا ہے۔ اسی طرح معمولات کی پابندی نہ کرنے والے کی باتیں ظلمت آمیز ہوکر غیر مفید ہوجاتی ہیں۔''

مولانا رومیؒ کا ایک دیوان بھی ہے جس میں پچاس ہزار اشعار موجود ہیں۔ بعض لوگ غلطی سے اس کو حضرت تبریزؒ کا دیوان سمجھتے ہیں، کیونکہ اکثر مقطع میں شمس الدین تبریزؒ کا نام ہے۔

فوراً بارش ہوگئی

۱۸۵۷ء کے جہاد میں دہلی کے چند بزرگ ایک مکان میں محصور ہوگئے، باہر قتل عام ہورہا تھا، اس لئے نکلنا ممکن نہ تھا۔ پانی کا جتنا ذخیرہ مکان کے اندر موجود تھا، وہ دو تین روز میں ختم ہوگیا۔ جب پیاس سے عاجز ہوگئے تو ایک بزرگ نے پیالہ لے کر پرنالے کے نیچے رکھ دیا اور دعا کی کہ ''یا اللہ! میرے بس کا تو اتنا ہی کام تھا، آگے بارش برسانا آپ کا کام ہے۔'' چنانچہ اللہ کے فضل وکرم سے بارش ہوئی اور سب لوگ سیراب ہوئے۔

قرآن کی بے ادبی کرنے پر طلاق دے دی

راولپنڈی کے ایک مسلمان نوجوان نے ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر لی۔ وہ خاوند کو مجبور کرتی کہ میرے ساتھ چرچ چلو۔ اس بیوی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ مسلمان نوجوان بھی اس کے رنگ میں رنگ گیا۔ ایک دن کام سے واپس آیا تو اس کی بیوی نے قرآن حکیم کو ردی کی ٹوکری میں پھینکا ہوا تھا۔ قرآن حکیم کو اس حال میں دیکھ کر اس کی غیرت مسلمانی جوش میں آ گئی۔ بیوی سے غضبناک ہو کر پوچھا کہ ''یہ کیا ہے؟''

بیوی کہنے لگی۔ ''یہ کتاب فالتو پڑی تھی۔ آپ نے تو کبھی پڑھی نہیں، اس لئے میں نے اسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔'' استغفر اللہ۔

الحمدللہ اس مسلمان نوجوان نے بیوی کو طلاق دے کر اپنا ایمان بچالیا۔ اگر انسان کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان کی رمق موجود ہو تو اچھا ماحول اس کے ایمان کو تازہ کر دیتا ہے اور اگر کامل ایمان والا بندہ بھی کچھ عرصہ غلط ماحول میں رہے اور غلط سوسائٹی میں رہائش رکھے تو اس کے ایمان میں خلل آ جاتا ہے۔

مسلم نوجوان جو غیر ممالک میں جاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ مسلمان عورت سے ہی شادی کریں۔ غیر مسلم کبھی بھی مسلم کا نہیں بنتا، چاہے کتنا ہی زور کیوں نہ لگالیں۔ امریکہ میں ایک بنگلہ دیش کے مرد نے امریکی عورت سے شادی کر لی۔ ۲۳ سال کے بعد کسی بات پر ناراض ہو کر وہ امریکی عورت ایک رات بچوں سمیت غائب ہو گئی اور تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔

تلاوت قرآن تقرب الی اللہ کا سب سے بہتر ذریعہ:

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا ''اے پروردگار! جو اعمال بندہ کو آپ سے قریب کرنے والے ہیں، ان میں سب سے بہتر اور زیادہ مفید عمل کونسا ہے؟''

ارشاد فرمایا۔ ''قرآن مجید کی تلاوت۔''

میں نے عرض کیا کہ یہ تقرب کا عظیم الشان فائدہ صرف اس صورت میں ہے کہ جبکہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جاتا ہے یا عام ہے کہ سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے۔

ارشاد فرمایا کہ "سمجھ کر پڑھیں یا بلا سمجھے۔ بہر حال میں وہ میرے تقرب خاص کا ذریعہ ہے۔"

(از کتاب صفوۃ الصفوہ لابن جوزی، صفحہ ۲۲۴)

اللہ والوں کا چلنا پھرنا

میرے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ فرماتے ہیں کہ "ایک مرتبہ میں اپنے مطب میں بیٹھا ہوا تھا۔ (حضرتؒ کا مطب اس وقت برنس روڈ پر ہوتا تھا اور ہمارا گھر بھی اس زمانے میں ان کے مطلب کے قریب ہی ہوا کرتا تھا)۔ دیکھا کہ مطب کے سامنے فٹ پاتھ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہاتھ میں پتیلی لئے ہوئے ایک عام آدمی کی طرح جا رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مفتی اعظم پاکستان جس کے چار دانگ عالم میں علم و فضل اور تقویٰ کے گن گائے جاتے ہیں، وہ اس طرح ایک عام آدمی کی طرح ہاتھ میں پتیلی لے کر پھر رہا ہے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کیا ان کو دیکھ کر کوئی پہچان سکتا ہے کہ مفتی اعظم پاکستان ہیں؟

پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے فرمایا کہ "جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ خاص تعلق عطا فرما دیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو عام مسلمانوں کے ساتھ اس طرح گھلا ملا کر رکھتا ہے کہ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوتا کہ یہ کس مقام کے آدمی ہیں۔

اور یہی سنت ہے جناب نبی کریم ﷺ کی، نہ یہ کہ آدمی اپنی شان بنا کر رکھے اور لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے میں تکلف سے کام لے۔

اسم الٰہی میں برکت ہوتی ہے

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ) احقر کو حضرت مرشدی سیدی رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آئے تو انکار مت کیا کرو۔ جو خیال میں آیا کرے لکھ دیا کرو۔ چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس کی حاجت کے مطابق کوئی آیت قرآنی یا کوئی اسم الٰہی سوچ کر لکھ دیتا ہوں اور بفضلہ تعالیٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بی بی کی مانگ بار بار کوشش کے باوجود سیدھی نہ نکلتی تھی۔ احقر نے کہا کہ اھدنا الصراط المستقیم پڑھ کر مانگ نکالو۔ چنانچہ اس کا پڑھنا تھا کہ بے تکلف مانگ سیدھی نکل آئی۔

احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اگر کوئی طالب صادق بھی اس معمول کو اختیار کرے تو نفع اور برکت کی امید ہے۔

کتابوں سے محبت میں جان چلی گئی

علامہ جاحظؒ مطالعہ کتب کے بڑے شوقین تھے، جیسا کہ بڑھاپے کی وجہ سے ضعف بھی بڑھ گیا۔ لیکن مطالعہ کا محبوب مشغلہ اس حال میں بھی جاری رہا، کتابوں کے جمگھٹے میں پڑے مطالعہ کرتے رہتے کہ ایک دن آس پاس رکھی ہوئی کتابیں ان پر آ گریں، مفلوج و بیمار جسم اٹھنے کی تاب کہاں سے لاتا اس طرح اپنی محبوب کتابوں ہی میں دب کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ یہ محرم ۲۵۵ھ کا واقعہ ہے۔

روزانہ ۳۶۰ مساکین کو کھانا کھلانا

علامہ فقیر محمد جہلمیؒ المتوفی ۱۳۳۴ھ رقمطراز ہیں۔ (مشہور محدث لیث بن سعد فہمیؒ المتوفی ۱۷۵ھ) بڑے سخی وکریم تھے۔ یہاں تک کہ سال بھر میں آپ کو پانچ ہزار دینار کی آمدنی تھی۔ مگر زکوٰۃ آپ پر واجب نہ ہوتی تھی، کیونکہ آپ کا دستور تھا کہ ہر روز جب تک آپ تین سو ساٹھ مساکین کو کھلانا کھلا نہیں لیتے تھے تو آپ روٹی نہیں کھاتے تھے۔

(حدائق الحنفیہ صفحہ ۱۴۰ طبع لاہور)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا زہد

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ سادگی مومن کی علامت ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ میں اتنی سادگی تھی کہ انہوں نے اپنی ضروریات کو بھی بہت کم کر دیا تھا۔ آج ہم لوگ تو اپنی ہوس و خواہشات کو کم نہیں کرنا چاہتے۔ ضرورت تو دور کی بات ہے، ضرورت کو باقی رکھیں اور خواہشات سے پیچھا چھڑا لیں تو یہی غنیمت ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے پاس ایک جوڑا کپڑوں کا اور ایک لنگی تھی۔ جب جوڑے کو دھونا ہوتا تو لنگی باندھ لیتے تھے۔ اتنی دیر میں نہا لیتے تھے اور جوڑا بھی سوکھ جاتا تھا تو اسے پہن لیتے تھے۔

ایسی سادگی سے زندگی گزار دی کہ حیرت ہوتی ہے۔ آپ کے کھانے کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ کا پس خوردہ کھا لیتے۔ حتیٰ کہ دو سال انہیں بھی پتہ نہ چلنے دیا۔ خانساماں کے ساتھ ایسی ترتیب بنائی تھی کہ اسے کہتے جو بچ جایا کرے وہ دے دیا کریں۔ کبھی بچتا اور کبھی نہ بھی بچتا۔ مگر آپ اسی طرح گزارا کرتے رہے۔ ایک مجاہد کی طرح زندگی گزاری۔

ایک دفعہ آپ کو اس وقت ۵۰۰ روپے تنخواہ کی پیشکش ہوئی جبکہ استاد کی تنخواہ ۵ روپے ہوتی تھی۔ اگر آپ چاہتے تو ٹھاٹھ سے رہ سکتے تھے۔ مگر آپ نے سادگی کو شاہانہ زندگی پر ترجیح دی، اس لئے کہ سادگی سنت بھی ہے اور اس میں سہولت بھی ہوتی ہے اور تکلفات سے جان چھوٹ جاتی ہے۔

تحمل و بردباری ضروری ہے

جدہ کے قریب سمندر کے اندر ہی جہاز روک دیا گیا۔ دو تین مریض ایسے تھے، جن سے بیماری پھیلنے کا خطرہ تھا۔ تین دن بڑی بے چینی میں گزرے اور پھر آخر کار مراد بر آئی۔ ہمارے سلف صالحین اتنی برداشت کرتے تھے کہ بعض اوقات جدہ کی زمین بھی دیکھنی نصیب نہ ہوتی تھی۔ پھر بھی دل چھوٹا نہیں کرتے تھے۔ آج ہم لوگ اتنے سہولت پسند بن گئے ہیں کہ دو چار گھنٹے انتظار کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر ہمیں حج سے پہلے کوئی کہہ دے کہ درخواست تب منظور ہوگی۔ جب ۲۰ گھنٹے آپ کو جدہ میں انتظار کرنا پڑے گا تو کتنی آسانی محسوس ہوگی۔ ضروری ہے کہ ہم حج کے سفر میں مختلف جگہ صبر سے انتظار کی گھڑیاں گزاریں۔ اس انتظار کا بھی بہت فائدہ ہوگا اور اجر ملے گا۔

حضورؐ سے محبت کا انداز

ایک صاحب اپنے ہاتھ میں ہمیانی لئے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس کے اندر کچھ پیسے تھے۔ ایک چور قریب سے بھاگتا ہوا ہاتھ سے وہ ہمیانی چھین کر نکل گیا۔ تھوڑی دور آگے گیا تو اس کی بینائی ختم ہوگئی۔ اس نے وہیں رونا چلانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا۔ ''اے لوگو! میں نے فلاں جگہ پر ایک آدمی کی ہمیانی چھینی ہے، مجھے اس جگہ پر لے جاؤ تاکہ میں اس سے معافی مانگ لوں اور میری آنکھوں کی بینائی لوٹ آئے۔''

جب لوگ اسے وہاں لائے تو ہمیانی کے مالک وہاں سے جا چکے تھے۔ قریب ہی ایک حجام تھا۔ اس سے پوچھا کہ ''فلاں آدمی سے میں نے ہمیانی چھینی تھی، تم اسے جانتے ہو؟''

اس نے کہا ''پہچانتا تو ہوں، نمازوں کے لئے وہ آتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اگلی نماز کے لئے یہاں سے گزریں، اگر آئے تو میں تمہیں بتا دوں گا۔''

چنانچہ اسے بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی آدمی گزرنے لگا۔ حجام نے کہا ''یہ وہی صاحب گزر رہے ہیں۔''

چور ان کے قدموں پر گر کر معافی مانگنے لگا۔ اس نے کہا کہ ''بھائی! میں نے تو اسی وقت تجھے معاف کر دیا تھا۔''

وہ بڑا حیران ہوا۔ پھر پوچھنے لگا۔ ''اسی وقت مجھے معاف کر دیا تھا؟''

انہوں نے کہا۔ ''ہاں، اس لئے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ تم میری ہمیانی لے گئے ہو اور تم نے یہ ظلم کیا ہے۔ آخر قیامت کے دن یہ مقدمہ پیش ہوگا۔ اگر پیش ہوگا تو پھر حساب کتاب ہوگا اور اس طرح میرے محبوب ﷺ کو جنت میں جانے میں اتنی دیر ہو جائے گی، چنانچہ اسی وقت میں نے تجھے معاف کر دیا تھا تاکہ نہ مقدمہ پیش ہو اور نہ حضور ﷺ کو جنت میں جانے میں دیر لگے۔''

انسان کی قدر و قیمت

ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کریں وہ یہ کہ:

خدا نے زمین بنائی	تو	انسان کے لئے
آسمان کو سجایا	تو	انسان کے لئے
سورج اور چاند محوِ گردش ہیں	تو	انسان کے لئے
ندی نالے، نہریں اور دریا رواں ہیں	تو	انسان کے لئے
نباتات اور جمادات کو وجود دیا	تو	انسان کے لئے
حیوانات کا گوشت، دودھ اور جملہ منافع پیدا کئے	تو	انسان کے لئے
کعبہ تعمیر کرایا	تو	انسان کے لئے
قرآن کو نازل کیا	تو	انسان کے لئے

جس انسان کے لئے خدا نے اتنا کچھ کیا ہے، خدارا ٹھنڈے دل سے سوچئے اس انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں!!

وہ نظافت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئی:

ایک مسلمان طالب علم لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا، وہ جس مکان میں مقیم تھا اس میں ایک انگریز خاتون رہتی تھی اور وہاں مختلف ممالک کے طلبہ بھی مقیم تھے۔ یہ عورت کپڑے دھوتی تھی اور پیسے لیتی تھی۔ یہ طالب علم بھی اپنے کپڑے اس سے دھلواتا تھا۔ ایک مرتبہ جب وہ طالب علم اپنے گھر جارہا تھا تو راستہ میں اس کو اس عورت نے روک لیا اور طالب علم سے کہا ''کیا آپ کو میرے کپڑے دھونے پر بھروسہ نہیں ہوتا؟''

طالب علم نے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں؟ مجھے بھروسہ ہے کہ آپ کپڑے ٹھیک دھوتی ہیں۔''

''پھر آپ اپنے کپڑے خود دھو کر میرے حوالے کیوں کرتے ہیں؟'' خاتون نے پوچھا۔

طالب علم نے کہا ''اگر مجھے کپڑے خود دھونے ہوتے تو میں آپ کے حوالے کیوں کرتا؟ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے کپڑے دھو کر آپ کو نہیں دیتا، ویسے ہی دے دیتا ہوں۔''

خاتون نے کہا۔ ''پھر یہ کیا بات ہے کہ مجھے دوسرے لوگوں کے زیر جامہ میں طرح طرح کے دھبے اور بدبو

محسوس ہوتی ہے، لیکن آپ کے زیر جامہ پر بھی ایسی کوئی چیز مجھے نہیں ملی۔''

طالب علم نے جواب دیا۔ ''محترمہ، میں مسلمان ہوں، میرا دین مجھے پاکی اور نظافت کا حکم دیتا ہے، اگر میری شلوار یا زیر جامے پر پیشاب کا قطرہ بھی پھیل جائے تو ایسی حالت میں اس وقت تک نماز نہیں پڑھتا جب تک اسے دھو نہ لوں۔ اس لئے میرے کپڑوں میں کوئی ناپاک چیز نہیں رہ سکتی، اور جب کپڑے اتارتا ہوں تو وہ پاک صاف ہوتے ہیں۔''

انگریز خاتون بولی۔ ''تمہارا اسلام اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تعلیم دیتا ہے؟''

طالب علم نے کہا۔ ''رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھیں، چنانچہ جب میں بیت الخلاء جاتا ہوں تو پہلے ایک دعا پڑھتا ہوں، نکلتا ہوں تو دوسری دعا پڑھتا ہوں، جب نئے کپڑے پہنتا ہوں تب بھی دعا پڑھتا ہوں، اسی طرح کھانا کھانے، گھر سے نکلنے، سونے، جاگنے اور زندگی کے ہر اہم کام کے موقع پر ہمیں نبی کریم ﷺ نے دعائیں سکھائی ہیں، وہ پڑھتا ہوں تاکہ اللہ کے ساتھ میرا تعلق مضبوط رہے، کیونکہ یہ تعلق ہی صحیح راستے کی طرف میری رہنمائی کرتا ہے اور مجھے ایسے کاموں سے باز رکھتا ہے جو اللہ کی ناراضی کا باعث ہوں۔''

انگریز خاتون کو اس نوجوان کی یہ باتیں بڑی عجیب لگیں، مگر بڑی دلکش محسوس ہوئیں، اس کے بعد اس نوجوان کی نشست و برخاست اس کے رہن سہن اور عادات واطوار غور سے دیکھتی رہی اور اس کی تہذیب، اس کی شائستگی، اس کی پاکیزگی، اس کی عفت اور فضولیات سے اس کے اجتناب نے رفتہ رفتہ اس خاتون کے دل میں اسلام کے لئے ایک جستجو پیدا کردی، وہ اس نوجوان سے اسلامی تعلیمات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرتی رہی، یہاں تک وہ اسلام کی حقانیت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ حق کے نور نے اس کے دل کو بھی منور کر دیا اور وہ نہ صرف یہ کہ خود مسلمان ہوئی، بلکہ اپنے خاندان کے متعدد افراد کو بھی مسلمان کر لیا۔ (ترجمہ از مجلۃ التضامن الاسلامی۔ شمارہ شوال ۱۴۰۴ھ، صفحہ ۶۶ و ۶۷)

انوارات کی بارش

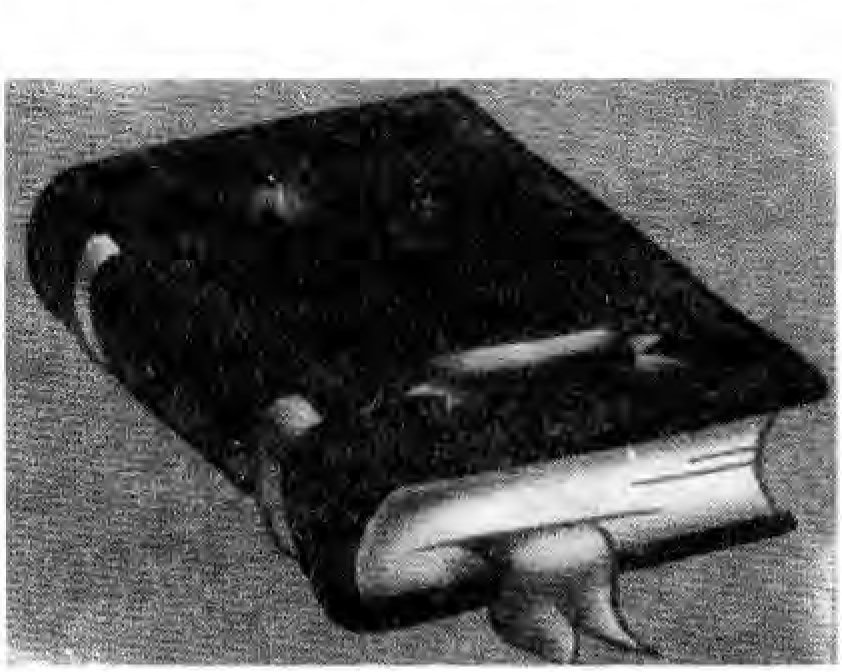
کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے چہرے پر ایسا نور ہوتا تھا کہ جب حضرت اوابین یا تہجد کی نماز پڑھتے تو طلباء ستونوں یا دیواروں کے پیچھے سے حضرت کے چہرے کو دیکھتے رہتے تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ ان کے چہرے پر انوارات کی بارش برسایا کرتے تھے۔

فراست مومن کا ایک واقعہ

مولانا عبدالاول جونپوریؒ لکھتے ہیں:
ابوسعید الخزاز نے حرم شریف میں ایک فقیر کو دیکھا جس پر صرف ستر ڈھانپنے جتنا کپڑا تھا۔ (ابوسعید الخزاز فرماتے ہیں) کہ اس فقیر کی وجہ سے میں نے اپنے نفس میں شرم محسوس کی۔ فقیر نے میری اس بات کو فراست سے جان لیا اور اس نے (قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی) ''اور تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے نفسوں میں ہے اس کو جانتا ہے، پس تم اس سے ڈرو''۔ (ابوسعید کہتے ہیں) میں پشیمان ہوا اور اپنے دل میں اللہ سے استغفار کی (وہ فقیر) میری یہ بات بھی فراست سے جان گیا اور اس نے یہ (آیت) پڑھی۔ ''وہی ذات ہے جو اپنے بندوں سے توبہ کو قبول کرتی ہے۔''
حضور ﷺ نے سچ فرمایا کہ ''مومن کی فراست سے بچو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے۔''
(الطریف للادیب الظریف عربی، صفحہ ۱۰۵ طبع لکھنؤ)

نوبل پرائز ونر کیسے بنا؟:

میں آپ کو ایک ایسی بات سنا دوں جو مجھے یقین ہے کہ آپ نے پہلے نہیں ہوگی۔ مجھے ایک مرتبہ کالج کے پرنسپل کی طرف سے خط ملا کہ فلاں تاریخ کو ہم نے ایک فنکشن کرنا ہے اور آپ کو اس میں رول آف آنر پیش کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم نے ملک کے رول آف آنر کو پیش کرنے ایک نامور سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کو بلایا ہے۔ (جو اگرچہ غیر مسلم ہے، لیکن پاکستانی ہے۔ اس کو کینیڈا سے بلوایا ہے)۔ میں اس وقت یونیورسٹی سے چھٹی لے کر کالج پہنچا۔ بہت بڑا فنکشن تھا۔ پرنسپل نے کہا کہ



اس بچے نے میرے کالج کا بڑا اچھا ریکارڈ بنایا ہے۔ میں اس کے لئے فنکشن بھی شایان شان کروں گا۔ چنانچہ اس نے

عبدالسلام خورشید (نوبل پرائزونر) کو کالج میں بلایا۔ وہ بھی اسی کالج سے پڑھے، جس سے میں نے پڑھا۔ خیر عبدالسلام خورشید نے مجھے رول آف آنر پیش کی۔ اس کے بعد چائے کی پارٹی میں اکٹھے ہوئے، آپس میں بات چیت ہوئی۔ ہمارے ایک پروفیسر نے عبدالسلام خورشید سے پوچھ لیا کہ ''آپ نوبل پرائزونر کیسے بنے؟''

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ''میں بہت محنتی ہوں۔''

اس پروفیسر نے کہا کہ ''سائنس اسٹوڈنٹس تو سارے ہی محنتی ہوتے ہیں۔ سارے ہی پڑھا کو ہوتے ہیں۔ سارے ہی کتابی کیڑے ہوتے ہیں۔''

اس نے کہا ''نہیں، لیکن میں بہت زیادہ محنتی ہوں۔''

اس پروفیسر نے کہا کہ ''ڈاکٹر صاحب وہ کونسی محنت ہے جو دوسرے لڑکے نہیں کرتے، سب سائنس پڑھنے والے لڑکے بڑے ذہین ہوتے ہیں، بڑی محنت کرتے ہیں، لیکن نوبل پرائزونر تو نہیں بنتے۔''

ڈاکٹر نے کہا کہ ''نہیں میں بڑا محنتی ہوں۔'' پھر کہا۔ ''میں ذہین اتنا نہیں ہوں، محنتی زیادہ ہوں۔''

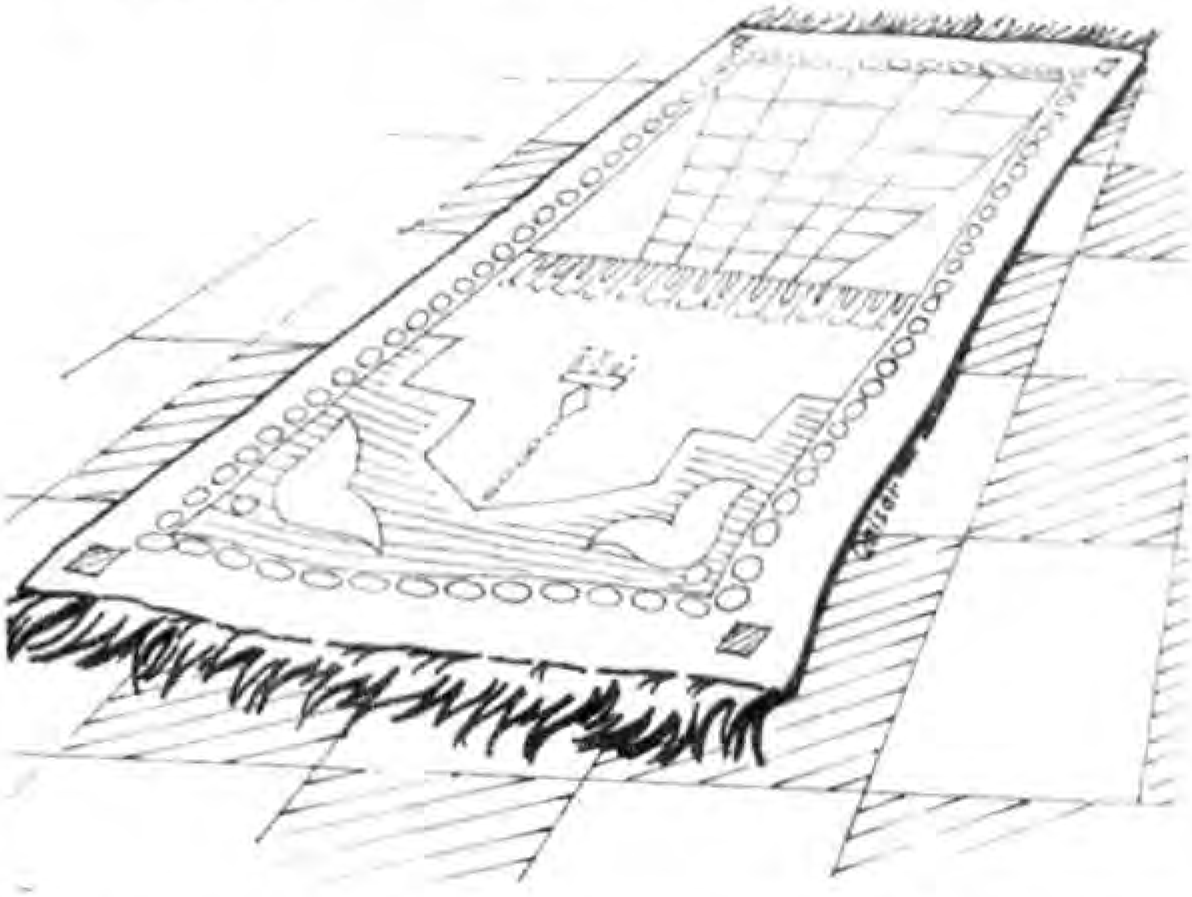
پروفیسر نے کہا کہ ''نہیں نہیں، آپ ذہین زیادہ ہوں گے۔''

اس نے کہا کہ ''میں کہہ رہا ہوں کہ میں محنتی زیادہ ہوں۔'' اس نے بڑی عجیب مثال دی۔ ''ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے کہا کہ ''میں نے کیمسٹری کی ایک کتاب پڑھی، وہ مجھے سمجھ نہیں آئی، میں نے پھر پڑھی مجھے سمجھ نہیں آئی، میں نے تیسری دفعہ پڑھی، مجھے سمجھ میں نہیں آئی۔ حتیٰ کہ میں نے اس کتاب کو تریسٹھ (۶۳) مرتبہ پڑھا۔ وہ کتاب مجھے تقریباً حفظ ہوگئی۔''

اس کی بات سن کر ہم حیران ہوئے کہ ایسا بھی کوئی بندہ ہوسکتا ہے کہ جسے ایک کتاب سمجھ میں نہ آئی تو اس کتاب کو شروع سے لے کر آخر تک تریسٹھ مرتبہ پڑھتا ہے۔ واقعی جس کے اندر اتنی محنت کا شوق ہو تو وہ مستحق ہے کہ اسے دنیا میں نوبل پرائز دیا جائے۔

یہ اس درست اچھا ھے جو......

حماد بن زید فرماتے ہیں، میں نے مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ان کے سامنے کتا بیٹھا ہے۔ میں نے اسے ہٹانا چاہا تو آپؒ نے فرمایا۔ ''اے حماد، رہنے دو، یہ اس دوست سے اچھا ہے جو لوگوں کی غیبت کرے۔''



مزے کی خاطر یا اللہ کی خاطر

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ:

''حضرت! نماز پڑھتے ہوئے ساری عمر گزر گئی، مگر نماز میں مزہ ہی نہیں آیا، کچھ علاج فرمادیں۔''

حضرت نے جواب میں لکھا کہ:

''نماز میں مزہ آنا کوئی ضروری نہیں، تم مزہ کی خاطر نماز پڑھ رہے ہو یا اللہ تعالیٰ کی بندگی کی خاطر نماز پڑھ رہے ہو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس لئے نماز پڑھ رہا ہوں۔ ارے، اگر مزہ کی خاطر نماز پڑھی جارہی ہے تو وہ نماز ہی کیا ہوئی!! نماز تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اس کی بندگی کی خاطر پڑھی جائے، چاہے اس نماز میں بالکل بھی مزہ نہ آئے۔''

ریشمی قبا اتاردی

حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، بچپن میں آپ بڑے قیمتی لباس میں ملبوس مکتب جارہے تھے۔ نوکر چاکر آپ کے ساتھ تھے۔ راستے میں آپ نے ایک زخمی گدھا دیکھا، جس کی پیٹھ زخمی تھی اور کوے اس کی پیٹھ سے گوشت نوچ رہے تھے اور بے چارا مجبور تھا اور وہ ان کو اڑا بھی نہیں سکتا تھا۔ حضرت عثمانؒ کو اس پر ترس آ گیا اور اپنے نوکروں کو اپنی ریشمی قبا اتار کر دی اور حکم دیا کہ ''یہ اس گدھے کی پیٹھ پر اوڑھا دو۔'' پھر آپ نے اپنی دستار اتار کر اس کے زخم کی جگہ پر باندھ دی اور چل دیئے۔

گدھے نے زبان حال سے بارگاہ حق میں دعا کہ تو حضرت کی طبیعت میں کچھ ایسا انقلاب آیا کہ آپ طلب معرفت میں حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں پہنچ گئے اور ان کی نظر سے عارف کامل بن گئے۔ (تذکرۃ الاولیاء، صفحہ ۴۸۸)

عشق مولیٰ کی دیوانی:

اسرار الحجتہ للغزالی۔ حضرت جنید علیہ الرحمتہ سانڈنی پر سوار ہو کر حج کرنے تشریف لے چلے۔ حجاز کے راستہ پر سواری کو چلاتے ہیں، مگر نہیں چلتی۔ روم کی طرف بھاگتی ہے۔ مارتے ہیں، کھینچتے ہیں، کچھ نہیں ہوتا۔ حیران تھے کہ الٰہی آج کیا ہوا۔ ستر دفعہ اس کو کعبہ کے رستہ پر ڈالا، مگر کیا ممکن ہے جو ایک قدم چلے۔ مجبور ہو کر مہار چھوڑ دی۔ آپ کی سواری شتر بے مہار روم کی طرف چل نکلی۔ چند منزل کے بعد آپ کا ایک شہر پر گزر ہوا کہ جہاں کی رعایا بڑی پریشان ماری ماری پھر رہی تھی۔ انہیں اجنبی اور نیا دیکھ کر بولے کہ ''کیا تم کوئی طبیب ہو؟''

آپ نے فرمایا کہ ''میں ایک بڑے حکیم کا ناچیز غلام ہوں۔''

''اچھا، آپ ہمارے بادشاہ کے حضور چلئے۔ حضور کو حکیم کی بڑی تلاش ہے، کیونکہ بادشاہ کی دختر نہایت سخت جنون کے مرض میں مبتلا ہے۔''

حضرت جنید علیہ الرحمتہ نے دل میں کہا کہ ''ضرور یہ کوئی راز ہے۔''

آپ ان کے ساتھ ساتھ ہوئے۔ جب بادشاہ کے سامنے پہنچے، بادشاہ نے آپ سے کہا کہ ''اے حکیم، میری دختر بیمار ہو کر پاگل ہوگئی ہے۔ تم اس کا علاج کرو گے۔''

فرمایا کہ ''ہاں، ہمیں کیا انکار ہے۔''

بادشاہ بولا کہ ''پھر شرط یہ ہے کہ اگر لڑکی تندرست نہ ہوئی تو جناب کا سر کاٹ کر قلعہ کی دیوار میں چن دیا جائے گا اور اگر آپ نے تندرست کر دیا تو جو کچھ آپ مانگیں گے دوں گا۔''

جب یہ شرطیں طے ہوئیں تو بادشاہ اپنے ساتھ حضرت جنیدؒ کو محل سرا میں لے گیا۔ صاحبزادی نے باپ کی صورت دیکھتے ہی زنجیروں میں تڑپنا شروع کر دیا۔ بادشاہ پیچھے ہٹا اور حضرت جنیدؒ کو دور سے بتایا کہ ''وہ مریضہ بیٹھی ہے۔ زنجیروں میں بند ہے۔''

حضرت جنیدؒ قدم اٹھاتے اندر چلے گئے۔ سامنے پہنچتے ہی عورت نے ''السلام علیکم یا جنید فرمایا۔''

حضرت جنیدؒ نے پوچھا ''تمہیں میرا نام کس نے بتایا ہے؟''

لڑکی نے کہا ''جو تمہیں کعبہ سے یہاں کھینچ کر لایا، اس نے تمہارا نام مجھے بتایا۔''

حضرت جنیدؒ نے پوچھا۔ ''اے بی بی، تمہیں یہ ایمان اور رحمان کہاں سے نصیب ہوا؟''

لڑکی نے کہا کہ ''ایک دن میں محل کی چھت پر کھڑی تھی کہ آسمان سے آواز آئی ''اللہ احد والرسول احمد۔'' وہ آواز دل کے پار ہوئی۔ نہ جانے کیا آواز تھی۔ اب تو حال یہ ہے کہ روز بروز عشق مولیٰ کی آگ بھڑکتی جاتی ہے۔ جو کسی

طرح کم نہیں ہوتی۔‘‘

جنیدؒ نے کہا کہ ’’آپ تو ولی کامل ہیں، یہ پاگلوں کی صورت کیوں بنائی ہے؟‘‘

کہا کہ ’’ان نامحرموں سے منہ چھپانے کے لئے۔ لیکن ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ میں نے جناب الٰہی میں دعا کی تھی کہ الٰہی میری موت سے پہلے مجھے کسی کامل مسلمان کی زیارت نصیب کردے۔ اس لئے میرے اللہ نے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔‘‘

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ ’’آپ دارالسلام چلئے۔‘‘

فرمایا کہ ’’وہاں کیا کروں گی؟‘‘

فرمایا کہ ’’وہاں کعبہ ہے، بیت المقدس ہے۔‘‘

کہا کہ ’’جنید، ذرا آسمان کی طرف دیکھو۔‘‘

جنیدؒ نے آسمان کی طرف دیکھا کہ کعبہ اور بیت المقدس مکان کے اوپر معلق ہوا میں کھڑے ہیں۔ کہا کہ ’’اے جنیدؒ میری موت کا وقت قریب ہے۔ جسم اور ہڈیاں روم کی خاک دارالکفر میں مل جائیں گے اور روح عرش الٰہی کے نیچے دفن ہوگی۔‘‘

حضرت جنیدؒ پر اسی وقت حالت طاری ہوئی۔ اسی حالت میں آواز آئی کہ ’’جنید، ستر دفعہ ہم نے تمہیں اپنی طرف بلایا مگر تو کعبہ کی طرف جانا چاہتا تھا۔ بڑے برے دل سے ہماری طرف آیا۔ حضرت جنیدؒ یہ تماشا دیکھ کر گھبرائے اور اللہ کی وہ عاشق حقیقی وطن کو سدھاریں۔ **فاذکرونی اذکرکم** ’’تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔‘‘

یہ تو دریا میں قطرہ کچھ ذرا سا آیت **فاذکرونی اذکرکم** کا بیان تھا۔ اب دوسرا بیان **واشکروالی ولا تکفرون** کا یہ ہے کہ جس طرح **فاذکرونی اذکرکم** مساوات کی صورت میں ہے۔ اسی طرح **واشکروالی لااشکرکم** برابری ہے۔ لیکن یہ مساوات اور برابری پہلے لفظ کے سبب یعنی **فاذکرونی اذکرکم** کی چھوڑی گئی ہے۔ تم میرا شکر کرو، میں تمہارا شکر کروں۔

ذکر کی وجہ سے علوم ومعارف کی بارش:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حضرت مولانا تھانویؒ کے استاد تھے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرتؒ سے دورہ حدیث کیا کرتا تھا، طلباء رات کو تکرار کیا کرتے تھے تو ان کو تکرار کروایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا مقام آیا کہ ہم سب اٹک گئے، طلباء نے مجھے کہا کہ حضرت آپ ہی پوچھنا۔ سردیوں کا موسم تھا، میں صبح سویرے اٹھا، جلالین شریف اپنے سینے سے لگائی اور مسجد میں جاکر نماز پڑھی۔ حضرتؒ کی عادت شریفہ تھی کہ فجر پڑھتے ہی صومعہ (عبادت کا ایک کمرہ) میں چلے جاتے تھے اور اشراق تک ذکر کرتے تھے۔

نماز پڑھتے ہی حضرتؒ اندر تشریف لے گئے اور کنڈی لگالی۔ میں نے جلالین شریف کو سینے سے لگائے رکھا اور سردی میں کھڑا ٹھٹھرتا رہا۔ حضرت ذکر تو اندر کررہے تھے اور مزہ مجھے آرہا تھا۔ جب اشراق کے بعد حضرتؒ نے کنڈی کھولی اور باہر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی اور گردن پر تھے۔ آپ کی صدری پر بھی پسینے کے نشانات تھے۔ گویا ''لا الہ الا اللہ'' کی ایسی ضربیں لگائی تھیں کہ پسینے میں شرابور ہورہے تھے۔ مجھے راستے میں کھڑا دیکھ کر حضرتؒ نے پوچھا۔ ''اشرف علی! کیوں کھڑے ہو؟''

میں نے کہا۔ ''حضرت! کتاب کی ایک بات سمجھ نہیں آئی۔''

وہیں حضرت نے کھڑے کھڑے اس کے متعلق تقریر کرنی شروع کردی۔ عجیب صورتحال تھی کہ نہ تو مجھے الفاظ کی سمجھ آئی اور نہ ہی معانی کی۔ یعنی الفاظ بھی غیر مانوس اور معانی بھی۔ تقریر فرما کر حضرتؒ نے کہا کہ ''سمجھ آ گئی؟''

میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! مجھے تو سمجھ نہیں آئی، حضرت کچھ نزول فرمائیں تاکہ مجھے سمجھ آسکے۔''

حضرتؒ نے پھر دوبارہ تقریر شروع کی۔ اس مرتبہ الفاظ تو مانوس تھے مگر معانی کا پھر بھی پتہ نہ چلا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ ''اشرف علی! سمجھ گئے؟''

میں نے کہا ''حضرت! سمجھ تو نہیں آئی۔''

فرمایا۔ ''تمہیں اس وقت سمجھ نہیں آئے گی، جاؤ پھر کسی وقت پوچھنا۔''

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی وجہ سے علوم ومعارف کی ان پر اتنی بارشیں ہوتی تھیں کہ اس وقت ان کی تقاریر کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

حضور دل سے دو رکعت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''حضور دل سے دو رکعت ہزار رکعت سے بہتر ہے۔''

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ مسجد میں جاتے تو کانپنے لگتے اور مارے ہیبت الٰہی کے ان کا رنگ بدل جاتا، یہاں تک کہ دنیاوی امور کو بالکل بھول جاتے۔''

اے دوست! اسے خوب یاد رکھ اور خشوع کر، ممکن ہے کہ تو بھی خاشعین میں سے شمار ہو۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

میری بچیاں تیرے سپرد

حضرت فضیل بن عیاض کا آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنی اہلیہ کو وصیت کی کہ ''جب تم مجھے دفن کر چکو تو دونوں لڑکیوں کو ساتھ لے کر کوہ بوقبیس پر جا کر آسمان کی طرف منہ کر کے کہنا کہ الٰہی فضیل نے مجھ کو وصیت کی ہے کہ جب تک میں جیتا تھا ان دونوں لڑکیوں کی پرورش اور نگہداشت اپنی بساط کے مطابق کرتا رہا، اب تو نے مجھے قبر کے قید خانہ میں مقید کر دیا ہے، تو یہ یتیم لڑکیاں تیرے سپرد ہیں۔''

حضرت فضیلؒ کی تدفین کے بعد ان کی اہلیہ دونوں بچیوں کو ساتھ لے کر کوہ بوقبیس پر گئیں اور وصیت کے مطابق بارگاہ الٰہی میں دیر تک دعا کرتی رہیں اور پھر زار زار رونے لگیں۔ اتفاقاً اسی وقت امیر یمن کا ادھر سے گزر ہوا، اس نے اس خاتون کی گریہ وزاری سنی تو ان کے پاس آ کر رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے حضرت فضیلؒ کی وفات اور وصیت کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا۔

امیر نے کہا ''بی بی! تم فکر نہ کرو اور یہ دونوں بچیاں مجھے بخش دو۔ میں ان کا عقد اپنے لڑکوں سے کر دوں گا۔''

حضرت فضیل کی اہلیہ نے کہا ''میں راضی ہوں۔''

امیر نے کہا ''تو ابھی میرے ساتھ چلو۔''

چنانچہ وہ بچیوں اور ان کی والدہ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اونٹوں پر بٹھا کر یمن لے گیا اور اپنے بزرگوں کو جمع کر کے اپنے بیٹوں کا نکاح حضرت فضیل کی صاحبزادیوں کے ساتھ کر دیا اور دونوں کا ایک ایک ہزار مہر باندھا۔

عجیب شانِ خدا ھے

حضرت غوث الاعظم شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے، جو لباس کوئی بادشاہ نہ خرید سکتا، وہ یہ خرید کر پہنتے تھے اور دوسری طرف حضرت ابراہیم ادہم رحمتہ اللہ علیہ جنگل میں پیاسے کنویں اور ڈول کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک ہرن آیا، کنویں کو دیکھا کہ بہت گہرا ہے۔ اس نے گردن اوپر اٹھائی، خدا کی طرف دیکھا۔ گویا خدا سے التجا کی۔ پانی جوش کھا کر اوپر آ گیا۔ اس نے پیا۔

ابراہیم ادھم بھی اس کی طرف چلے۔ یہ پہنچے تو پانی پھر نیچے ہو گیا۔ ان کو بڑا رنج ہوا اور دل میں کہا۔ ''مولا تیری شان!''

فوراً آواز آئی۔ ''ابراہیم! تم میں اور اس جانور میں کتنا فرق ہے۔ ہرن نے صرف ہماری طرف دیکھا اور تم ڈول، رسی کو تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ پھر وہ جانور ہے بےعقل، تم کو ہم نے عقل دی۔'' غرض عجیب شان ہے خدا کی۔

اسی طرح حضور ﷺ کے ہاں بعض کو منہ مانگی مرادیں ملتی تھیں بعض کو تکالیف۔ اور پہچاننا مشکل ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ مقبول ہے۔

جس کو اللہ محروم کر دے:

ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقدی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۲۰۷ھ علم مغازی میں کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ کتاب الردۃ ان کی تصنیف میں سے ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کی وفات شریف کے بعد قبائل عرب کا اسلام سے پھر جانا اور اسود عنسی و طلیحی و مسلیمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کے خلاف صحابہ کرامؓ کی معرکہ آرائی وغیرہ کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مالک بن انس و سفیان ثوری وغیرہ سے حدیث سنی ہے اور ان سے محمد بن سعد، صاحب طبقات و مشرحانی زاہدؒ نے حدیث روایت کی ہے۔ مگر بہ اتفاق محدثین ضعیف الحدیث ہیں۔ خلیفہ مامون عباسی کے زمانے میں بغداد کے قاضی تھے۔ دفیات الاعیان ابن خلکان خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ مامون نے ان سے درخواست کی کہ ''جمعہ کی نماز پڑھائیے۔''

انہوں نے عذر کیا کہ ''مجھے سورہ غاشیہ و اعلیٰ وغیرہ بالکل یاد نہیں ہے۔''

خلیفہ نے کہا ''یہ کونسی بڑی بات ہے، رات میرے پاس رہئے اور یاد کر لیجئے، میں خود یاد کرادوں گا۔''
چنانچہ خلیفہ نے یاد کرانے کی پوری کوشش کی، مگر حال یہ تھا کہ ایک طرف یاد کرتے تھے اور دوسری طرف بھولتے جاتے تھے۔ خلیفہ عاجز ہوگیا اور گھبرا گیا۔ رات بھی زیادہ ہوگئی۔ آخر خلیفہ نے کہا کہ ''اب مجھے نیند آرہی ہے، آپ خود یاد کر لیجئے، بلکہ دن کو بھی حفظ کر لیجئے گا۔''
بہت رٹ رٹا کر جمعہ کی امامت کے لئے آگے بڑھے اور سورہ اعلیٰ شروع کی۔ جب صحف ابراہیم وموسیٰ پر پہنچے تو بھول گئے اور صحف عیسیٰ وموسیٰ پڑھ دیا۔ اتنے بڑے حافظ تاریخ کا جو بڑی بے تکلفی سے تاریخی واقعات وحوادث کو اپنے حافظہ سے فر فر سناتا ہو، قرآن مجید کا یاد نہ ہوسکنا عجیب وغریب معنی رکھتا ہے۔

اتنے آنسو بہتے جیسے وضو کا پانی ہے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ایسے علماء دیکھے ہیں اور ایسے لوگوں کی صحبت میں رہا ہوں جو دنیا کے حصول سے خوش نہ ہوتے اور نہ اس کے چلے جانے سے افسوس کھاتے ہیں۔ ان کی نظر میں دنیا کی مٹی سے بھی کم حیثیت ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں، نہ ان کا کپڑا رنگایا جاتا ہے اور نہ وہ کسی کو اپنے گھر میں کھانا پکانے کو کہتے اور جب سوتے، تو اپنے تخت پر کپڑا نہ بچھاتے اور کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کو دستور العمل بناتے اور جب رات ہوتی تو اپنے قدموں پر کھڑے ہو جاتے اور نیچے منہ کر کے روتے اور آنسو ان کے چہرے پر بہتے کہ ان کے پاس آنے والے خیال کرتے کہ وضو کا پانی ہے۔

خلاء میں اذان سننا اسلام لانے کا سبب بن گیا

۵ نومبر ۱۹۸۶ء ڈاکٹر زبیر احمد صاحب میرے ساتھ معہد البحوث مکہ مکرمہ میں استاد مساعد کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ انہوں نے ہوائی سے ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ موصوف نے کہا کہ گزشتہ تعطیلات میں جب وہ لاہور گئے تو ان کی ملاقات ڈاکٹر غلام نبی سے ہوئی جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر ہیں اور تقریباً ۱۵ سال سے وہاں کام کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر غلام نبی صاحب نے ڈاکٹر زبیر صاحب کو بتایا کہ تقریباً چھ ماہ پہلے امریکہ کے سفر میں وہ خاص طور سے خلاء پیما آرمسٹرانگ سے ملاقات کے لئے کیلفورنیا کے قصبہ بوسٹن گئے۔ جہاں آرمسٹرانگ کی رہائش ہے۔ ڈاکٹر غلام نبی صاحب کو پہلے تو حیرت ہوئی کہ انہوں نے آرمسٹرانگ کو تہبند اور عمامہ میں دیکھا۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان حسب ذیل سوالات وجوابات ہوئے:

سوال: کیا یہ خبر درست ہے کہ آپ نے اسلام قبول کرلیا ہے؟

جواب: درست ہے۔

سوال: آپ کے اسلام لانے کا کیا سبب ہوا؟

جواب: خلائی سفر کے موقع پر جب میں ساؤنڈ بیریئر (Soundbarrier) زون میں پہنچا تو میں نے عربی زبان میں ایک آواز سنی۔ جس کا مفہوم میں نہ سمجھ سکا، لیکن مجھے حیرت ہوئی کہ یہاں یہ آواز کیسی! خلائی سفر سے واپس آنے کے بعد بھی مجھ پر یہ حیرت طاری تھی۔ واپسی پر طبی معائنہ کے بعد جب ڈاکٹروں نے مجھے اداس پایا تو یہ طے کیا کہ مجھے میرے اہل وعیال کے پاس بھیج دیا جائے۔ جب میں کار میں اپنے گھر جارہا تھا تو صبح کا وقت تھا۔ میں نے ایک مسجد میں وہی آواز سنی۔ یہ کالوں کی مسجد تھی۔ میں مسجد کے اندر داخل ہوا اور اذان کے کلمات دوبارہ سنانے کی فرمائش کی اور اسے ٹیپ بھی کرلیا۔ جب مجھے پورا یقین ہوگیا کہ یہی آواز میں نے خلاء میں سنی تھی تو میں نے اسی وقت کلمہ پڑھ لیا اور اسلام لے آیا۔ چرچ نے میرے خلاف مہم شروع کردی کہ یہ پاگل ہوگیا ہے، لیکن میں پاگل نہیں ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت تک میں ایک سو چھ آدمیوں کو مسلمان کر چکا ہوں۔

ڈاکٹر غلام نبی صاحب نے اس سے کہا: آپ یہ حالات مجھے اپنے قلم سے لکھ کر دے دیں تاکہ میں دوسروں سے ذکر کروں تو مجھ پر غلط بیانی کا الزام نہ لگے۔ چنانچہ آرمسٹرانگ نے اپنے قلم سے یہ حالات انہیں لکھ کر دے دیئے۔

اتباع سنت میں جی زیادہ لگے چاہے ثواب......

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، کھڑے ہوکر نہیں پڑھتے تھے، حالانکہ فقہاء کرام نے صاف صاف لکھا ہے کہ اگر نوافل کھڑے ہوکر پڑھیں تو پورا ثواب ہے، اگر بیٹھ کر پڑھیں تو آدھا ثواب ہے، اور وتر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں فقہاء یہی لکھتے ہیں کہ بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے۔ لیکن حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

کسی نے ان سے پوچھا کہ ''حضرت! آپ یہ جو دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ کھڑے ہوکر کیوں نہیں پڑھتے؟''

جواب میں حضرت نے فرمایا کہ ''روایات میں کثرت سے یہ آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ وتر کے بعد کی دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے میں بھی بیٹھ کر پڑھ لیتا ہوں۔''

کسی نے پھر پوچھا کہ ''حضرت! ثواب کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس لئے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آدھا ثواب ملتا ہے اور کھڑے ہوکر نماز پڑھیں تو پورا ثواب ملتا ہے۔''

حضرت نے فرمایا کہ ''ثواب تو آدھا ہی ملتا ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے بھی یہی قاعدہ بیان فرمایا ہے اور فقہاء نے بھی یہی قاعدہ بیان فرمایا ہے۔''

پھر سوال کیا کہ ''حضرت! جب بیٹھ کر پڑھنے سے آدھا ثواب ملتا ہے تو آپ پورا ثواب لینے کے لئے کھڑے ہوکر کیوں نہیں پڑھتے؟''

جواب میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ ''بھائی بات یہ ہے کہ اتباع سنت کے کام میں جی زیادہ لگے، بھلے ثواب کم ہو۔''

یعنی اگر ثواب کم ملے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے وہ کام جس طرح کیا ہے، اس طرح کرنے میں طبیعت زیادہ لگتی ہے اور وتر کے بعد کی نفلوں کا حضور اقدس ﷺ سے بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے، اس واسطے بیٹھ کر پڑھنے میں طبیعت زیادہ لگتی ہے۔ ٹھیک ہے ثواب کم ملتا ہے تو کم ملے۔

بہر حال! ہمارے بزرگوں کا یہ مزاج ہے کہ جس کام میں اتباع سنت ہو، اس کو پکڑ لو، اور آنکھوں کو کھلا رکھ کر نماز پڑھنا سنت ہے۔ چاہے اس درجے کا خشوع حاصل نہ ہو، لیکن پھر بھی اتباع سنت کا جو نور اس میں ہے وہ آنکھیں بند کرنے میں نہیں ہے، یہ تو عام اصول ہے۔

یہودی ہیں مگر نماز، مسواک عمامے، روزے، اعتکاف کررہے ہیں، کیوں؟

یہ فقیر فرانس گیا تو ایک دوست کہنے لگے کہ ''رمضان المبارک آیا، مجھے روزے رکھنے تھے، تراویح پڑھنی تھی۔ میں نے اپنے پروفیسر سے کہا کہ مجھے چھٹی دے دو۔''

اس نے کہا؟ ''کیوں؟''

میں نے کہا کہ ''مجھے روزے رکھنے ہیں اور تراویح پڑھنی ہے۔''

اس نے کہا کہ ''تمہیں چھٹی کی کیوں ضرورت ہے؟''

میں نے کہا کہ ''مجھے فلاں جگہ جانا ہے اور وہاں سے میں روز آ نہیں سکتا۔''

اس نے کہا ''میں تمہیں یہیں جگہ بتا دیتا ہوں۔''

میں نے کہا کہ ''بہت اچھا۔''

وہ مجھے یونیورسٹی میں ایک جگہ لے گئے، جہاں پر گورے چٹے نوجوان لڑکے کالی داڑھیاں، عمامے باندھے ہوئے، جبے پہنے ہوئے، مسواک سے وضو کررہے ہیں، نمازیں پڑھ رہے ہیں اور اذانیں دے رہے ہیں، قرآن پاک ایک آگے پڑھ رہا ہے، دوسرے پیچھے سن رہے ہیں۔ روزے رکھ رہے ہیں، پورا مہینہ...... پھر اعتکاف بھی بیٹھے۔ پھر صبح شام جیسے روزے کی سحری افطاری ہوتی ہے، اس کے مطابق کررہے ہیں۔

کہنے لگے کہ میں عید پڑھ کر واپس آیا۔ میں نے ٹیچر سے کہا کہ ''آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے ایسے نیک لوگوں سے ملا دیا۔ میرا رمضان شریف تو بڑا اچھا گزرا۔''

وہ مسکرا کے کہنے لگے کہ ''آپ کو پتہ ہے یہ سب یہودی تھے؟''

میں نے کہا ''مجھے تو پتہ نہیں ہے۔''

کہنے لگے کہ ''انہوں نے ایک پروجیکٹ شروع کیا ہے کہ اسلام میں مسلمانوں کے جیسے روزے رکھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ تم ہو بہو ایک مہینہ اس طرح رہ کر دیکھو کہ اس میں کیا اچھائیاں ہیں، کیا برائیاں ہیں۔ اچھائیاں ہوں گی تو ہم بن کہے قبول کرلیں گے جو خامیاں ہوں گی تو اس کے خلاف پروپیگنڈہ کریں گے۔''

اب بتائیے آج دنیا میں یہ کام ہو رہا ہے۔ ہمارے نوجوان بیرون ملک جن یونیورسٹی سے اسلامیات کی پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لیتے ہیں، وہاں پر اسلامیات کے ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ یہودی ہوتے ہیں۔ اب بتائیے دنیا میں

اس وقت اسلام کے خلاف کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اللہ اکبر۔ اس وقت ہمارے سب سے بڑے دشمن دنیا کے اندر یہودی ہیں جو بالواسطہ اسلام کو ہر وقت نقصان پہنچانے کے لئے کوششیں کر رہے ہیں۔

دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی

حضرت شیخ الحدیث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ طالب علمی کے دنوں میں ایک دفعہ میرا اپنا جوتا کسی نے اٹھالیا۔ تقریباً چھ ماہ تک مجھے دوسرا جوتا خریدنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، کیونکہ اس مدت میں مجھے مدرسہ سے باہر قدم نکالنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مدرسہ ہی کی مسجد میں جمعہ ہوتا تھا اور مدرسہ کے بیت الخلا میں ایک دو جوتے جو کسی کے پرانے ہو جاتے وہاں رکھ دیئے جاتے تھے جو ابھی تک دستور چلا آ رہا ہے۔ بیت الخلاء کے لئے وہی پرانے جوتے استعمال کر لیتا تھا۔ مجھے کسی بھی اور ضرورت کے واسطے مدرسہ کے دروازہ سے نہ تو باہر قدم رکھنا پڑا اور نہ ہی جوتے کی ضرورت ہوئی۔

اگر اس سے زیادہ رقم ہوتی تو میں......:

امام ابوحنیفہؒ کے صاحبزادے حماد نے سورۃ فاتحہ ختم کر لی تو امامؒ نے معلم کو ایک ہزار درہم عطا کئے۔ معلم نے امام صاحب سے کہا۔ ''میں نے ایسا کونسا کام کیا ہے کہ اتنی بڑی رقم آپ نے عطا فرما دی؟''

امامؒ نے معلم کو جواب دیا۔ ''تم نے میرے بچے کو جو کچھ سکھایا ہے، اسے حقیر مت سمجھو۔ خدا کی قسم، اگر میرے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو میں بے تامل وہ بھی دے ڈالتا۔



پانچ سوال اور اس کے جوابات

شفیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں۔ میں نے سات سو علماء سے پانچ سوال کئے، سب نے ایک ہی جواب دیا۔

(۱) عقلمند کون ہے؟

''جو دنیا کو ناپسند کرتا ہے۔''

(۲) سمجھدار اور دانا کون ہے؟

''جو دنیا سے دھوکا نہ کھائے۔''

(۳) غنی کون ہے؟

''جو اللہ کی تقسیم پر راضی ہو۔''

(۴) فقیہ کون ہے؟

''جو زیادہ کا مطالبہ نہ کرے۔ (غالباً مال و دنیا)۔''

(۵) بخیل کون ہے؟

''جو اپنے مال میں سے اللہ کا حق نہ دے۔

دو نادر مقدمے اور عجیب فیصلے

یا قصہ گدھے کی حجامت بنانے کا

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے کا ذکر ہے کہ بغداد کی گلیوں میں ایک لکڑ ہارا لکڑیاں بیچ رہا تھا۔ اس نے یہ لکڑیاں اپنے گدھے پر لادی ہوئی تھیں۔ انہیں وہ جنگل سے بڑی محنت سے کاٹ کر اور اکٹھی کر کے لایا تھا۔ ان دنوں نہ سوئی گیس ہوتی تھی نہ مٹی کا تیل، لوگ لکڑیاں جلا کر اپنی ضرورت پوری کیا کرتے تھے۔

لکڑ ہارا جب شہر کی اس گلی میں پہنچا جہاں شاہی حجام کا گھر تھا تو شاہی حجام نے اسے روکا اور کہا کہ لکڑیاں اسے دی جائیں۔ لکڑ ہارا ٹھہر گیا اور حجام نے اس کی ساری کی ساری لکڑیاں خریدنے کی خواہش کی۔ بھاؤ ہو چکا تو لکڑ ہارے نے گدھے سے لکڑیاں اتار دیں۔ حجام گدھے کے پاس کھڑا لکڑ ہارے کو لکڑیاں اتارتے دیکھ رہا تھا۔ لکڑ ہارا اپنے کام

سے فارغ ہو چکا تو اس نے رقم مانگی، لیکن حجام نے کہا ”تم نے ابھی پوری لکڑیاں نہیں اتاریں۔ ابھی گدھے پر ایک لکڑی بچی ہوئی ہے۔“

لکڑ ہارا بڑا حیران ہوا، اس نے اپنے گدھے کی طرف دوبارہ دیکھا، لیکن اسے گدھے پر کوئی لکڑی نظر نہ آئی۔ اس نے حیرانی سے کہا۔ ”جناب! میں نے تمام لکڑیاں اتار دی ہیں۔ اب گدھے پر کوئی لکڑی نہیں رہی۔“

”ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو بے وقوف! تمہیں واقعی گدھے پر کوئی لکڑی نظر نہیں آ رہی؟“ حجام نے بگڑ کر کہا۔

”اچھا! آپ اس کجاوے کی بات کر رہے ہیں۔ جناب بے شک یہ بھی لکڑی کا بنا ہوا ہے، لیکن یہ میرے گدھے کے لئے ہے۔ اس میں تو میں لکڑیاں وغیرہ لادتا ہوں۔ یہ ان لکڑیوں کا حصہ نہیں جن کا میں نے آپ سے سودا کیا ہے۔“ لکڑ ہارا شاہی حجام کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

لیکن حجام کو اپنے مرتبے کا بڑا غرور تھا کہ وہ خلیفہ کا حجام ہے، اس نے پھر بڑے رعب اور غرور سے کہا۔ ”نہیں، تم نے تمام لکڑیوں کا سودا کیا تھا، اس لئے میں تمام لکڑیاں لوں گا۔ چاہے اس میں کجاوا بھی آئے۔ کیا کجاوا لکڑی کا بنا ہوا نہیں ہے؟“

لکڑ ہارے نے بہت کہا کہ یہ کجاوا لکڑیوں میں نہیں آتا، لیکن حجام نہ مانا۔ بات عدالت تک پہنچی اور معاملہ خلیفہ کے دربار میں آ گیا۔ خلیفہ نے اس انوکھے مقدمے کا فیصلہ حجام کے حق میں کر دیا کیونکہ قانون کے مطابق حجام کی بات ٹھیک کہ وہ گدھے پر لدی ہوئی ہر ایک چیز لے گا۔ چونکہ کجاوا لکڑی کا بنا ہوا ہے۔ اس لئے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ لیکن حقیقت میں سب جانتے تھے کہ یہ حجام کی چالاکی ہے۔ خلیفہ کے فیصلے کے بعد لکڑ ہارے نے اپنا کجاوا حجام کے حوالے کر دیا۔

اس واقعے کو کچھ عرصہ گزرا۔ ایک دن یہی لکڑ ہارا حجام کے مکان پر گیا اور کہا کہ اس نے اپنی اور اپنے ساتھی کی حجامت بنوانی ہے۔ حجام نے اپنی فیس بتائی تو لکڑ ہارا اس فیس پر حجامت بنوانے کے لئے تیار ہو گیا۔ حجام نے پہلے لکڑ ہارے کی حجامت بنائی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ جاؤ اپنے ساتھی کو لے آؤ۔

لکڑ ہارا گیا اور اپنے گدھے کو دکان کے اندر لے آیا۔ گدھے کو دیکھ کر حجام کو سخت غصہ آیا۔ وہ چلایا۔ ”نامعقول! کیا میں گدھے کی حجامت کرتا ہوں؟ میں اس کی حجامت ہرگز نہیں کروں گا۔“

لیکن لکڑ ہارے نے کہا ”تم نے میری اور میرے ساتھی کی حجامت بنانے کا معاوضہ طے کیا ہے، یہ گدھا میرا ساتھی ہے، اس لئے تمہیں اس کے حجامت بنانا پڑے گی، ورنہ میں اپنا مقدمہ خلیفہ کے پاس لے جاؤں گا۔“

حجام گدھے کی حجامت کر کے اپنی ذلت قبول کرنے کو تیار نہ ہوا اور مقدمہ خلیفہ کی عدالت میں چلا گیا۔ خلیفہ نے اس عجیب مقدمے کو سنا اور حجام سے کہا ”کیا تم نے لکڑ ہارے اور اس کے ساتھی کی حجامت بنانے کا وعدہ کیا تھا؟“

''جی ہاں حضور!'' اس نے جواب دیا۔

''کیا تم نے جو معاوضہ ان دونوں کی حجامت کا مانگا تھا، وہ لکڑ ہارے نے تمہیں دے دیا ہے؟''

''ہاں حضور! میں نے معاوضہ لے لیا ہے۔''

''تو پھر تمہیں گدھے کی حجامت بنانا پڑے گی!'' خلیفہ نے اعلان کیا۔

''لیکن حضور میں گدھوں کی حجامت نہیں کرتا۔'' حجام نے فریاد کرتے ہوئے کہا۔

''سنو حجام! تم نے پچھلے دنوں اس لکڑ ہارے سے لکڑیں خریدی تھیں تو اس وقت تم نے تمام لکڑیوں کا سودا کیا تھا، لیکن لکڑ ہارے نے تم سے اپنے کجاوے کا سودا نہیں کیا تھا، مگر کجاوا بھی لکڑی کا بنا ہوا تھا، اس لئے قانون کے مطابق تمہاری بات مان لی گئی اور تمہیں کجاوے سمیت تمام لکڑیاں مل گئیں۔ اسی طرح تم نے لکڑ ہارے سے اس کے ساتھی کی حجامت بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ اب لکڑ ہارے کا ساتھی چاہے کوئی گدھا ہو یا انسان، تمہیں اس کی حجامت بنانا پڑے گی۔''

حجام نے بہت شور مچایا، لیکن اس کی بات نہ مانی گئی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ''وہ اس بھرے دربار میں سب کے سامنے گدھے کی حجامت کرے۔''

حجام کو واقعی بھرے دربار میں گدھے کی حجامت بنانا پڑی۔ اس طرح اس نے چالاکی اور عیاری سے اپنے مقام کا جو ناجائز فائدہ اٹھایا تھا، اسے اس کی سزا مل گئی۔ کہتے ہیں کہ یہ ترکیب خود خلیفہ ہارون الرشید نے لکڑ ہارے کو بتائی تھی تا کہ حجام کو اس کے کئے کی سزا ملے۔

حضرت کی قوت برداشت

حضرت مفتی محمد حسن صاحب مشہور دینی مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، ان کی زندگی کا ایک غیر معمولی واقعہ ان کی ٹانگ کے آپریشن سے تعلق رکھتا ہے۔ پاکستان کے مایہ ناز سرجن ڈاکٹر امیر الدین جنہیں ایشیاء بھر میں معروف سرجن کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے، آپریشن کے لئے تیار کھڑے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کا قطعی فیصلہ تھا کہ نہ تو انہیں بے ہوش کرنا اور نہ کسی صورت مقامی طور پر کسی دوائی کا استعمال کرنا، جو اس خاص حصہ کو آپریشن کی تکلیف سے وقتی طور پر بچا سکے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے عقیدت مند ڈاکٹروں، سرجن امیر الدین اور کرنل ضیاء اللہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ''میں کچھ پڑھنا شروع کرتا ہوں، جب یہ ورد ختم ہو جائے تو تم اپنا کام (آپریشن) شروع کر دینا۔''

اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ آپریشن کے دوران حضرت مفتی صاحب ہوش و ہواس میں انتہائی پرسکون انداز میں

لیٹے ہوئے تھے۔ سرجن امیر الدین آپریشن میں مصروف تھے اور کرنل ضیاء اللہ حضرت مفتی صاحب کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ مفتی صاحب نے آپریشن کے دوران ''سی'' تک نہیں کی۔ آپریشن میں تقریباً ایک گھنٹہ لگا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر کا ہاتھ آپ کی نبض پر تھا۔ اس کا بیان ہے کہ ''حیرت ہے کہ آپریشن کے شروع سے اختتام تک نبض کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا، اس آپریشن کے بعد ایسا تکلیف دہ درد ہوتا ہے کہ اس کی شدت کا پہاڑ جیسے مضبوط دل والا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ مگر حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمتہ جس بشاشت کے ساتھ آپریشن کے کمرے میں داخل ہوئے تھے، اسی بشاشت کے ساتھ اس طرح واپس ہوئے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

(بحوالہ: سوانح مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ)

عالم بے عمل کی مثال

ہم لوگ ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ راستہ ٹرک سے بلاک تھا، جب گذرنے لگے تو ایک بڑا سا ٹینکر کھڑا تھا۔ ڈرائیور سے پوچھا کہ ''خدا کے بندے، سڑک کیوں بلاک کر رکھی ہے؟'' کہنے لگا ''اس کا پیٹرول ختم ہوگیا ہے۔'' جبکہ ٹنوں کے حساب سے پیٹرول اس کے اوپر لدا تھا، مگر اپنا پیٹرول ختم ہوجانے سے سڑک پر کھڑا تھا۔ میں نے دوسروں سے کہا عالم بے عمل کی مثال ایسی ہی ہے، پشت پر ٹنوں کے حساب سے پیٹرول لادے ہوئے ہے، لیکن اپنی ٹنکی خالی ہونے کی وجہ سے سڑک پر کھڑا ہوا ہے علم تو ایک راستہ کی مانند ہے۔

ریاکاری انتہائی درجہ کی برائی

فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو کسی ریاکار کو دیکھنا چاہے تو مجھے دیکھ لے۔ پھر داڑھی ہاتھ سے پکڑتے اور روتے اور اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے کہ اے فضیل! جوانی میں تو فاسق تھا، پھر بڑھاپے میں ریاکار ہوگیا۔ واللہ فسق ریا سے بدرجہا بہتر ہے۔

یہ قوت ایمانی ہوسکتی ہے نہ کہ جسمانی

سید عبدالرحمٰن مرحوم سپہ سالار افواج نواب وزیرالدولہ مرحوم، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھانجے تھے، آپ بیان کرتے ہیں کہ آپ کی عادت تھی کہ سورج نکلنے کے گھنٹوں بعد تک ورزش اور کشتی میں مشغول رہتے، میں بچہ تھا، آپ کے بدن پر مٹی ملتا، یہاں تک کہ خشک ہوکر جھڑ جاتی، پیروں پر کھڑا کر کے پانچ سو ڈنٹر لگاتے، پھر کچھ ٹھہر کر پانچ سو اور۔ من بھر بیس اور تیس سیر کے مگدر ہلاتے تھے۔ ان میں تعداد کا خیال نہیں تھا، بلکہ وقت کا اندازہ تھا۔ مثلاً دو گھنٹے، تین گھنٹے، چار گھنٹے۔ معین خان کے مقبرے کے پاس (تکیے کے قریب، ندی کنارے) پتھر کا ایک ستون ہے، چار ہاتھ لمبا اور بہت دبیز، نیچے سے موٹا، اوپر سے پتلا، یہ شہ زوروں کی ورزش گاہ تھی۔ اوپر سے ہر زور آور اس کو اٹھا کر کھڑا کر دیتا تھا، نیچے سے کوئی زانو تک، کوئی کمر تک لے آتا تھا۔

ایک روز چاندنی رات میں ہم وہاں سے گذرے تو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو اٹھانا چاہئے، یہ کہہ کر کرتہ اتار کر کاندھے پر رکھا اور پتھر کے قریب کچھ جھک کر اس کو اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور بیس قدم چل کر اس کو زمین پر اس زور سے پٹخا کہ ایک ہاتھ کے قریب زمین کھد گئی، دوسرے روز لوگ آئے اور اس کو اپنی جگہ سے اتنے دور گڑھے میں پڑا دیکھا تو کہنے لگے کہ کون دیو یا جن تھا، جس نے اتنے دور لا کر ڈال دیا۔

تیرنے اور پانی میں ٹھہرنے کی آپ نے بڑی مشق بڑھائی، نواب وزیرالدولہ مرحوم والیٔ ریاست ٹونک آپ کی شناوری کی بہت تعریف کرتے تھے۔ مولوی علیم اللہ دہلی کے مشہور تیراک، استاد اور مشہور استاد کے شاگرد کہتے تھے کہ یہ وصف سید صاحب رحمۃ اللہ ہی میں دیکھا کہ سخت بہاؤ میں بہاؤ کے خلاف تیرتے تھے، میں باوجود اتنی مشق اور زور آزمانے کے یہ نہیں کرسکتا۔

(سیرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ)

اللّٰہ تعالیٰ کی شان

ہر چند کہ جنات ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن بعض جاندار مثلاً گدھے اور کتے ان کو دیکھتے ہیں۔ مسند احمد اور داؤد میں جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے:

''اگر تمہیں رات میں کتے یا گدھے کی آواز سنائی دے تو اللہ کے ذریعہ شیطان سے پناہ مانگو، اس لئے کہ گدھے اور کتے ایسی چیزیں دیکھتے ہیں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔''

اس میں کوئی تعجب نہیں، کیونکہ سائنس دانوں نے یہ تحقیق کی ہے کہ بعض جانداروں میں ایسی چیزوں کو دیکھنے کی صلاحیت ہے جن کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ شہد کی مکھی بنفشی اوٹ کے اوپر بھی شعاعوں کو دیکھ سکتی ہے۔ اس لئے وہ سورج کو بدلی کی حالت میں بھی دیکھ لیتی ہے اور الورات کی گھٹاٹوپ تاریکی میں چوہے کو دیکھ لیتا ہے۔

اصل چیز دل کا قبضہ میں لانا ہے

اس سے بڑی اور اصل کرامت کیا ہوسکتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت پر اپنی تمام خواہشات نفسانیہ اور دنیا بھر کے تعلقات کو قربان کردے۔ یہ کرامت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامت جیسی ہے، انہیں ہر وقت ایسی عظیم کرامت حاصل تھی، اسی لئے ان سے دوسری کرامات زیادہ منقول نہیں۔ اللہ کی قسم! یہ اتنی بڑی کرامت ہے کہ اس کے سامنے ہوا پر اڑنے اور سمندر کی سطح پر چلنے جیسی کرامات ہیچ ہیں۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اگر بر روی خسے باشی، وگر بہوا پری مگسے باشی، دل بدست آرتا کسے باشی۔

''اگر تو پانی پر چلنے لگے تو تنکا بن جائے، اور اگر ہوا میں اڑنے لگے تو مکھی بن جائے، دل کو قبضہ میں لاتا کہ تو مرد بن جائے۔''

مقصد یہ ہے کہ ہوا یا پانی پر بیٹھ کر مکھی یا تنکے کی نقل اتار لینا کوئی کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ اپنے قلب کی خواہشات کو اپنے مالک کی رضا کے سامنے فنا کردے۔

مسلمان تاجر کی شان

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف فرما تھے کہ جماعت کا وقت ہوگیا۔ دیکھا کہ فوراً سب کے سب اپنی دکانیں بند کر کے مسجد میں داخل ہوگئے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہی لوگوں کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ (سورۂ نور۔۳۱)

پوری آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ ''ان مسجدوں میں ایسے لوگ صبح اور شام اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے خریدنا غفلت میں ڈالتا ہے نہ بیچنا۔ وہ ایسے دن کی پکڑ سے ڈرتے ہیں جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی۔''

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ تجارت وغیرہ اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے تھے، لیکن جب اذان کی آواز سنتے توسب کچھ چھوڑ کر فوراً مسجد میں چلے جاتے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔ اللہ کی قسم یہ لوگ تاجر تھے، مگران کی تجارت ان کو اللہ کے ذکر سے نہیں روکتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک مرتبہ بازار میں تشریف فرما تھے کہ اذان ہوگئی۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے سامان کو چھوڑ کر نماز کی طرف چل دیئے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ شانہ نے لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ سے یاد فرمایا۔''



ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن جب حق تعالیٰ شانہ تمام دنیا کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا۔ ''کہاں ہیں وہ لوگ جو خوشی اور رنج دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد کرنے والے تھے۔'' تو ایک مختصر جماعت اٹھے گی اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوجائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا۔ ''کہاں ہیں وہ لوگ جو راتوں میں اپنی خواب گاہ سے دور رہتے اور اپنے رب کو خوب اور رغبت کے ساتھ یاد کرتے تھے۔'' تو ایک دوسری مختصر جماعت اٹھے گی اور وہ بھی جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوجائے گی۔ پھر ارشاد ہوگا۔ ''کہاں ہیں وہ لوگ جن کو تجارت یا بیچنا اللہ کے ذکر سے نہیں روکتا تھا۔'' تو ایک تیسری جماعت مختصر سی کھڑی ہوگی اور جنت میں بغیر حساب داخل

ہوجائے گی۔اس کے بعد بقیہ لوگوں کا حساب شروع ہوجائے گا۔

کان کا پیدا کرنے والا خود کیسے بہرا ہوسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کا ڈیزائن ایسے بنایا ہے جیسے کہ ڈش انٹینا ہو۔ چنانچہ کان کی تحقیق پر ایک مستشرق سائنسدان سوچتا رہا، سوچتا رہا۔ بالآخر اس نے اپنی کتاب میں کہا کہ ''اے کان کے پیدا کرنے والے تو خود کیسے بہرا ہوسکتا ہے۔'' یعنی جس نے کان کو پیدا کردیا جو سننے کے لئے اتنا بہترین آلہ ہے، وہ خود کیسے بہرا ہوسکتا ہے۔ وہ خود بھی تو سننے والا ہوگا۔

ریاکاری سے بچئے

❁ ...... یوسف بن اسباطؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی طرف وحی فرمائی ''اپنی قوم کو سنادو کہ اپنے عمل میرے پاس پوشیدہ بھیجیں، میں انہیں ظاہر کردوں گا۔''

❁ ...... ابوعبدالرحمٰن زاہد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مناجات میں فرمایا کرتے ''افسوس، میں نے لوگوں کے ساتھ امانت کا برتاؤ کیا، اور اپنے پروردگار کے ساتھ خیانت کی۔ کاش میرا طریقہ عمل برعکس ہوتا۔'' پھر خوب روتے۔

❁ ...... زبیر بن عوامؓ فرماتے ہیں۔ ''اپنی نیکیوں کے لئے پوشیدہ جگہ بناؤ، جیسے برائیوں کے لئے بناتے ہو۔''

❁ ...... ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میں نے تیس سال کے عرصہ میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے شرم آئے، مگر اپنی زوجہ سے ہمبستری۔''

امام صاحب کی ذہانت

خلیفہ ہارون الرشید کے پاس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا تو خلیفہ نے حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کے لئے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ ''امام ابوحنیفہ اپنی عقل کی آنکھوں سے وہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو دوسرے لوگوں کو سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتیں۔''

عقود الجمان کے مطابق امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ ''اے امام! میرا بھائی مر گیا ہے، اس نے سات سو اشرفیاں ترکہ میں چھوڑی ہیں۔ مجھے ان میں سے ایک اشرفی دیتے ہیں۔''

امام صاحب نے پوچھا۔ ''وراثت کس نے تقسیم کی؟''
اس نے کہا ''داؤد طائی نے۔''
آپ نے فرمایا ''پھرا تیرا یہی حق بنتا ہے۔''
وہ مایوس ہوکر کہنے لگی۔ ''آپ بھی انہی کی بولی بولنے لگے۔''
آپ نے پوچھا۔ ''اچھا یہ بتا کہ تیرے بھائی نے دولڑکیاں چھوڑی ہیں؟''
اس نے کہا ''ہاں۔''
آپ نے پوچھا ''یہ بتا کہ ایک ماں چھوڑی ہے؟''
اس نے کہا ''ہاں۔''
پوچھا ''اور ایک بیوی چھوڑی ہے۔''
اس نے کہا ''ہاں۔''
پوچھا ''اور بارہ بھائی چھوڑے ہیں۔''
اس نے کہا ''ہاں۔''
پھر پوچھا ''اور تو ایک بہن ہے؟''
اس نے کہا ''ہاں۔''
تو حضرت امام صاحب نے فرمایا:

''پھر تجھے ایک اشرفی نہیں ملے گی تو اور کیا ملے گی؟ دیکھ اس کی صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ دولڑکیوں کا دوثلث یعنی چارسواشرفی، ماں کا ایک سدس یعنی ایک سواشرفی، بیوی کا ایک ثمن یعنی پچھتر اشرفی، بارہ بھائیوں کی ۲۴ اشرفیاں اور ایک بہن کی ایک اشرفی۔ یعنی ذوالفروض کے بعد جو پچیس اشرفیاں بچی تھیں ان میں للذکر مثل حفظ الانثیین (مرد کے لئے دوعورتوں کے برابر حصہ ہے) کے مطابق ۲۴ بارہ بھائیوں کی اور ایک اکیلی بہن کی۔''

اس واقعے میں حیرت انگیز ذہانت کی بات یہ ہے کہ عورت نے تو کل ترکہ اور صرف اپنا حصہ بتایا تھا۔ امام صاحب نے باقی ورثاء اور ان کے حصے اپنی بے مثال ذہانت سے خود ہی سمجھ لئے اور ترکہ تقسیم کر کے اس کو بالکل صحیح ثابت کر دیا۔ رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔ (از تعارف امام ابوحنیفہ" صفحہ ۲۱)

روزے کا طبی فائدہ

مجھے ایک صاحب ملے، کہنے لگے کہ ''میں روزے رکھتا ہوں۔'' وہ امریکن تھے۔
میں نے کہا'' وہ کیوں؟ تم تو غیر مسلم ہو۔تم کیسے روزے رکھتے ہو؟''
کہنے لگے کہ'' سال میں کچھ وقت انسان پر ایسا گزرنا چاہئے کہ وہ ڈائٹنگ کرے۔ جب ہم کچھ عرصہ کے لئے Digestive System کو فارغ رکھتے ہیں تو جسم کی اندر کچھ رطوبتیں ایسی ہوتی ہیں جو کہ ختم ہوجاتی ہیں۔ بہت سی پیچیدہ قسم کی بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں۔ بھوکا رہنے سے Digestive System پہلے سے زیادہ مضبوط ہوجاتا ہےاور بہتر طریقے سے کام کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ میں نے اور میری بیوی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم سال میں ایک مہینہ اسی طرح روزہ رکھ کر ڈائٹنگ کیا کریں گے۔''
میں نے اسے بتایا کہ'' یہ سنت ہے کہ ہر مہینے یا ایام بیض کے تین روزے رکھیں، بالخصوص وہ لوگ جو غیر شادی شدہ ہوں، وہ زیادہ روزے رکھیں۔ یہ بھوکا رہنا انسان کے اندر ایک ڈسپلن اور صبر وضبط پیدا کرتا ہے۔ غیر شادی شدہ کو اس کی زیادہ تلقین کی گئی ہے تا کہ اس کی شہوانی قوت مناسب رہ سکے۔''
آج کے غیر مسلم اس کے اندر مادی فائدہ دیکھ کر اس کو اپنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ فقیر نے سنت نبوی ﷺ میں سو سے زیادہ ایسی مثالیں سنت میں دیکھی ہیں کہ جن کو ہو بہو سائنس کی دنیا تسلیم کرتی ہے۔

امانت کا لوٹانا ضروری ہے، چاہے وہ حقیر چیز ہو:

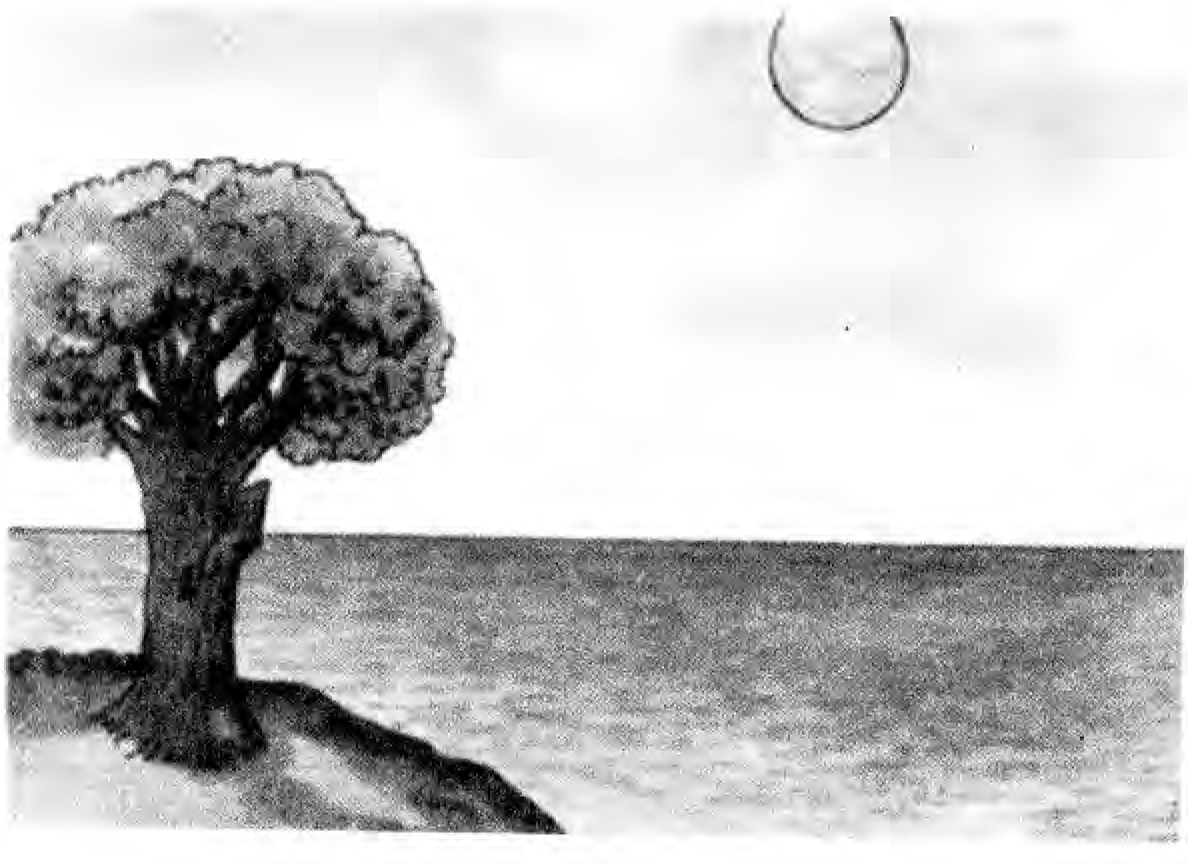
امانت کے بارے میں ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک رات جابر بن زیدؒ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے ایک عزیز کے مکان سے اپنے گھر کی طرف جارہے تھے۔ خالی ہاتھ تھے۔ راستے میں کتوں نے تنگ کرنا شروع کردیا۔ اندیشہ ہوا کہ کہیں کتے کے بچوں کو نقصان نہ پہنچادیں۔ ساتھ ہی ایک جھونپڑا تھا۔ حضرت جابرؒ نے اس میں سے کھجور کی ایک شاخ کھینچ کر نکال لی۔ کھجور کی لکڑی دیکھ کر کتے بھاگ گئے۔ گھر پہنچ کر حضرت جابر بن زیدؒ نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ'' شاخ کے اس ٹکڑے کو حفاظت سے رکھو، کل صبح جھونپڑے کے مالک کو پہنچادیں گے۔''

بچوں نے کہا ''ابا جان، آپ بھی کمال کرتے ہیں، کھجور کی یہ شاخ ایسی کونسی قیمتی چیز ہے کہ اب آپ کل صبح اسے لوٹانے کے لئے جائیں گے۔''

سیدنا جابر بن زیدؒ نے فرمایا۔ ''بچو! اگر ہر گزرنے والا شخص اس طرح جھونپڑے سے ایک ایک شاخ کھینچ کھینچ کر لے جانے لگے، تب تو دوسرے دن جھونپڑے کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اس لئے میرے بیٹو، یاد رکھو کہ امانت امانت ہوتی ہی، چاہے قیمتی ہو یا حقیر اور اس کا واپس لوٹانا اتباع سنت کی غرض سے بہت ضروری ہے۔''

ہارون الرشید نے ذلیل آدمی کو کیوں والیٔ مصر بنایا

ایک دن ہارون الرشید تلاوت کررہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے جس میں اللہ تعالیٰ فرعون کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ فخر کرتا تھا ملک مصر اور نیل کی نہروں پر جو درختوں کے نیچے ہیں تو ہارون الرشید پڑھتے پڑھتے رک گئے اور کچھ دیر سوچنے کے بعد حاجب کو حکم دیا کہ ''تمام بغداد میں گشت کرو اور اپنے آدمیوں کو بھی بھجوا کر ایسا شخص تلاش کرو جو تمہیں تمام بغداد میں سب سے حقیر، نالائق، غلیظ اور کمینہ معلوم ہو۔''



حاجب اور دوسرے ملازم تلاش کرتے کرتے اجاڑ محل کھنڈروں کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ زمین پر ایک شخص مردے کی طرح لیٹا ہے اور کتے بیٹھے ہیں۔ حاجب نے سوچا ''اس سے ذلیل شخص کون ہوگا کہ کتوں کے ساتھ رہنے سہنے پر راضی ہو۔'' اس کو جگا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے۔

ہارون الرشید نے پوچھا ''کیا نام ہے؟''

جواب دیا ''لولون۔''

پوچھا ''کیا کام کرتا ہے؟''

بولا ''کتے پالتا ہوں۔''

خلیفہ نے پوچھا ''کس مقام کا امیر بنا کر بھجوادوں بشرطیکہ اپنا منصب فرض اچھی طرح بجالائے۔''

طولون نے جواب دیا ''اگر امیر المومنین مجھے اس لائق فرمائیں تو حاضر ہوں۔''

ہارون الرشید نے حکم دیا کہ مصر کی ولایت کا فرمان اس کے نام لکھ دیا جائے اور اس کی تیاری کا سامان فراہم کیا جائے۔ چنانچہ طولون کے لئے قیمتی لباس، نوکر چاکر، گھوڑے اور میرانہ ساز وسامان اکٹھا کیا گیا۔ لوگوں کو یہ حال معلوم ہوا تو بہت حیران ہوئے۔ ایک صاحب نے امیر المومنین سے پوچھا کہ ''اس ذلیل ترین آدمی کو اتنے بڑے عہدے پر مامور کرنے کا سبب کیا ہے؟''

خلیفہ نے جواب دیا ''فرعون ملعون کو ملک پر بڑا ناز تھا۔ میں نے اس کے غرور کو نیچا دکھانے کے لئے بغداد کے سب سے حقیر اور ذلیل آدمی کو اس ولایت کا والی بنا کر بھیجا ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہوجائے کہ خدائے عزوجل کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

خدا کی قدرت دیکھئے کہ جب طولون نے مصر کی امارت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس نے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے اور مدت تک مصر کا والی رہا۔

بے کار ھے

- ...... بے کار ہے وہ دل جس میں تڑپ نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ آنکھ جس میں آنسو نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ ذہن جس میں روشنی نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ پھول جس میں خوشبو نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ عمل جس میں نیت نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ عبادت جس میں خلوص نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ گھر جس میں سکون نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ انسان جس میں ہمدردی نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ باپ جس میں شفقت نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ اولاد جس میں ادب نہیں۔
- ...... بے کار ہے وہ مسلمان جس کو ختم نبوت سے جذباتی محبت نہیں۔

غیبت کے بدلے چھوارے کا تحفہ:

حضرت حسن بصریؒ سے کسی شخص نے آ کر کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے۔

حضرت بصریؒ نے اسی وقت تازہ چھوارے منگوائے اور ایک طباق میں رکھ کر انہیں اس شخص کے پاس بطور تحفہ بھیجا اور کہلا بھیجا کہ ''میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے میری غیبت کر کے اپنی کچھ نیکیوں کو میرے دفتر اعمال میں منتقل کر دیا۔ آپ کے اس احسان کا بدلہ میں چکا نہیں سکتا۔ تاہم یہ حقیر سا تحفہ قبول فرمایئے۔''

وہ شخص حضرت حسن بصریؒ کے اس سلوک کو دیکھ کر بڑا شرمندہ ہوا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی۔

نیت کے بدلنے سے

ایک دفعہ ایک بزرگ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے ایک شخص کو مکان بناتے ہوئے دیکھا۔ مکان میں کھڑکیاں اور روشن دان بھی تھے۔ بزرگ نے اس شخص سے پوچھا کہ ''تم نے اس مکان میں کھڑکیاں اور روشن دان کیوں بنائے ہیں؟''

اس نے جواب دیا ''تاکہ تازہ ہوا آئے اور خراب ہوا باہر نکلے۔''

انہوں نے فرمایا ''افسوس اگر تو یہ نیت کر لیتا کہ اذان کی آواز کھڑکیوں اور روشن دانوں سے آئے تو میں جب تک یہ مکان رہتا، تیرے نامہ اعمال نیکیاں لکھی جاتی رہتیں۔ ہوا تو آتی جاتی رہتی، اسے تو کوئی روک بھی نہیں سکتا۔''

ناخن بڑھانا نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے:

یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کا معمول جمعے کے دن یا جمعرات کے دن ناخن کاٹنے کا تھا۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ پندرہویں دن ناخن کاٹا کرتے تھے۔
جدید طب کیا کہتی ہے، اب یہ بھی سن لیں۔

بڑھے ہوئے ناخنوں میں پیٹ کے کیڑے کے انڈے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جب انسان کھانا کھاتا ہے تو یہ انڈے کھانے میں شامل ہوجاتے ہیں اور پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ اندر ہی اندر پھلتے پھولتے اور بہت تیزی سے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور کبھی کبھی تو دواؤں کے ذریعے بھی نہیں نکلتے۔

میڈیکل کے قانون کے مطابق اگر آپ کو پیٹ کے کیڑوں کی گولی کھانا ہے تو اس کو ہاتھ میں لے کر ہرگز نہ کھائیں، کسی خشک کاغذ پر گولی رکھ کر منہ میں ڈالیں۔ گولی کھانے سے پہلے غسل کریں، دھوپ میں خشک کئے ہوئے کپڑے پہنیں، بستر کو دھوئیں، بستر کی چادر کو دھو کر خشک کریں۔ پھر استری کر کے بچھائیں۔ رات کو گولی کھائیں، صبح اٹھ کر پھر غسل کریں۔ بستر بدلیں، چادر بدلیں، لباس تبدیل کریں، نیم گرم پانی سے نہائیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اکثر اوقات کیڑوں کے انڈے ہاتھوں، بدن اور کپڑوں پر لگنے کی وجہ سے جسم کے اندر چلے جاتے ہیں اور اگر ہم لباس کو صاف کریں گے اور ناخن کاٹیں گے تو انڈے دور ہوجائیں گے۔ اس طرح صحت اور تندرستی نصیب ہوگی۔

جو عورتیں ناخن بڑھاتی ہیں، وہ خون کی کمی کا شکار ہوجاتی ہیں، ایسی خواتین نفسیاتی امراض کا زیادہ شکار ہوں گی۔ یہاں تک کہ ایک ماہر نفسیات کے قول کے مطابق ناخن بڑھانا اتنا خطرناک ہے کہ انسان کو نفسیاتی مریض بنادیتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات انسان خودکشی کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔

کم عقل مگر سمندر جتنی دولت کے مالک

رزق کے بارے میں مشہور محدث حضرت سفیان بن عینیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ کے دو عبرت انگیز شعر ہیں جو حلیہ (ج ۷ صفحہ ۲۷۶) میں درج ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

كم من قوىٍ قوىٍ من تقلبه
مهذب الرأى عنه الرزق منحرف
كم من ضعيف ضعيف العقل مختلط
كأنه من خليج البحر يغترف

(۱) یعنی ''کئی طاقتور انسان قوی الافعال اور بڑے عقلمند ہوتے ہیں، مگر رزق کے دروازے ان پر بند ہوتے ہیں۔

(۲) اور کئی کمزور، کم عقل اور بے وقوف انسان سمندر جتنی دولت کے مالک ہوکر اس سے حسب منشا خرچ کرتے ہیں۔''

ریاکاری سے بچنے کے لئے عالم باللہ کی صحبت

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ (سبحان اللہ) ان کے پاس ایک بزرگ آتے تھے، ان کا نام تھا ابو ہاشم۔ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ ان کو ابو ہاشم صوفی کہا کرتے تھے، یہ صوفی کا لفظ امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کی فقیہ زبان سے نکلا ہے۔ جب وہ آتے تو امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کئی دفعہ اپنا درس بھی موقوف کر کے کھڑے ہو جاتے اور ان کو پاس بٹھاتے۔ اب طلبہ کے دل میں اشکال ہوتا کہ امام صاحب اتنے بڑے عالم، جبال العلم اور یہ تو ایک ذاکر شاغل بزرگ ہیں، ان کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور درس بھی کئی دفعہ چھوڑ دیتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں۔

ایک دن ایک شاگرد نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ ''حضرت ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ان کا اتنا اکرام کیوں کرتے ہیں؟''

امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے بڑا عجیب عالمانہ جواب دیا۔ فرمایا۔ ''دیکھو! میں عالم بکتاب اللہ ہوں اور ابو ہاشم عالم باللہ ہیں اور عالم باللہ کو عالم بکتاب اللہ پر فضیلت حاصل ہے۔''

امام صاحب ان کی صحبت اختیار فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو ریاء کی باریک باتوں سے میں کبھی واقف نہ ہوسکتا۔''

منافق کا انجام:

ابوالعباس خضر علیہ السلام جب عمر بن عبدالعزیزؒ کو مدینہ شریف میں ملے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ ''اے عمر! اس بات سے بچتا رہ کہ ظاہر میں تو ولی اللہ معلوم ہو اور باطن میں اللہ جل جلالہ کا دشمن ہو۔ کیونکہ جس کا ظاہر باطن سے یکساں نہیں وہ منافق ہے اور منافق لوگ آگ کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہوں گے۔''

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اس قدر روئے کہ ان کی داڑھی تر ہوگئی۔

حدیث میں ہے کہ ''آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو حیلہ گر ہوں گے۔ یعنی آخرت کے عمل سے دنیا کمائیں گے۔ لباس تو ان کا بھیڑوں کی کھال جیسا ہوگا اور ان کی زبان شہد سے زیادہ میٹھی ہوگی اور دل بھیڑیوں جیسے ہوں گے۔''

عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں ''حسن بصریؒ کو جو مرتبہ حاصل ہوا ہے وہ اس لئے ملا ہے کہ جو لوگوں کو کہتے تھے سب سے پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے اور جس بات سے ان کو روکتے تھے سب سے بڑھ کر اس سے دور بھاگتے تھے۔'' کہتے ہیں۔ ''ہم نے حسن بصریؒ سے بڑھ کر کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔''

چار روپے کا راز

ایک بادشاہ اتفاق سے کھیتوں کی طرف آنکلا۔ اس نے ایک کسان کو کھیت میں ہل چلاتے دیکھا تو اس سے پوچھنے لگا۔ ''تم دن بھر میں کتنا کما لیتے ہو؟''

کسان نے جواب میں کہا ''بادشاہ سلامت! میں روزانہ چار روپے کماتا ہوں۔''

''یہ چار روپے تم کیسے خرچ کرتے ہو؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

''حضور! ایک روپیہ میں خرچ کرتا ہوں، دوسرا روپیہ ادھار دے دیتا ہوں، تیسرا قرض چکانے میں چلا جاتا ہے اور چوتھا روپیہ میں کنوئیں میں ڈال دیتا ہوں۔'' کسان نے اطمینان سے جواب دیا۔

''اے کسان! میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا...... ذرا وضاحت کرو۔''

''کسان بولا۔ ''حضور! پہلا روپیہ میرے اور میری بیوی بچوں پر خرچ ہوتا ہے۔ دوسرا روپیہ میں اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہوں۔ اس لئے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں تو وہ مجھے کھلا سکیں، گویا میں انہیں ادھار دیتا ہوں۔ تیسرا اپنے والدین پر خرچ کرتا ہوں، اس لئے کہ انہوں نے مجھے پال پوس کر جوان کیا۔ میں ان کا قرض ادا کرتا ہوں۔ چوتھا روپیہ میں خیرات کر دیتا ہوں۔ میں دنیا میں اس کا بدلہ نہیں چاہتا۔ گویا نیکی کر کے دریا میں ڈال دیتا ہوں۔''

کسان کی بات سن کر بادشاہ دنگ رہ گیا۔

طالب علم امام احمد بن حنبلؒ کے دروازے پر بھکاری کے روپ میں

سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے وہ بغداد پہنچا۔ اس نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا۔ ''میں امام احمد بن حنبلؒ سے ملنا چاہتا ہوں، وہ مجھے کہاں ملیں گے؟''

امام صاحب کا نام سن کر لوگوں نے سرد آہیں بھریں اور اسے بتایا۔ ''وہ ان دنوں کڑی آزمائش سے گزر رہے ہیں۔ حکومت نے ان سے ملنے جلنے پر پابندی لگا رکھی ہے۔ کوئی ان سے نہیں مل سکتا، نہ وہ کسی کو درس دے سکتے ہیں۔ بس اپنے گھر میں رہ سکتے ہیں، کہیں آ جا بھی نہیں سکتے۔''

مسافر کو یہ سن کر دھچکا لگا۔ وہ تو ان سے علم حدیث سیکھنے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر طے کر کے آیا تھا۔ راستے میں تکالیف برداشت کی تھیں۔ آج کا دور تو تھا نہیں کہ ہوائی جہاز میں بیٹھے اور چند گھنٹوں میں سینکڑوں میل کا سفر طے کیا..... اس وقت تو سفر پیدل ہوتا تھا یا پھر گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں پر ہوتا تھا۔ اس کا اپنا گھر اندلس میں تھا اور بچپن سے دلی آرزو یہ تھی کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کے علم کی دولت حاصل کرے گا۔ نہ جانے کتنی مصیبتیں جھیل کر وہ یہاں تک تو آ گیا، لیکن علم کا دروازہ بند ملا۔



اب تو مارے پریشانی اور رنج اس کا برا حال ہو گیا۔ سوچ میں ڈوب گیا کہ اب کیا کرے۔ اس کی طلب سچی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اس کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔ آخر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک سرائے میں کمرہ کرائے پر لیا، سامان اس میں رکھا اور بغداد کی عظیم الشان مسجد میں جا پہنچا۔ اس نے سوچا تھا کہ نماز کے بعد وہاں موجود لوگوں کی باتیں سن کر کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا۔

نماز کے بعد اسے لوگوں کا ایک حلقہ نظر آیا۔ یہ حلقہ عالم فاضل لوگوں کا تھا۔ ان میں سے ایک حدیث کے راویوں کے حالات بیان کر رہا تھا۔ اس طالب علم نے اپنے نزدیک بیٹھے ایک شخص سے پوچھا۔ ''یہ کون ہیں؟''

''یہ یحییٰ بن معین ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

اسے ان کے پاس تھوڑی سی جگہ نظر آئی۔ وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''اے شیخ ابوزکریا، میں ایک پردیسی ہوں۔ میرا وطن بہت دور ہے۔ آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ میری خستہ حالی کی بنا پر جواب سے محروم نہ فرمائیں۔''

انہوں نے کہا۔ ''پوچھو! کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

اس نے چند سوالات محدثین کے بارے میں کئے۔ تسلی بخش جواب پاکر اس نے اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ امام احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھا۔

اللہ تعالیٰ کے سپرد

ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اس کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا جو اس سے بہت مشابہ تھا۔ امیر المومنینؓ نے پوچھا ''یہ کون ہے اور تیرے ساتھ کیا قرابت رکھتا ہے کہ میں نے کسی کو کسی کے ساتھ ایسا مشابہ نہیں دیکھا ہے؟''

اس نے کہا کہ ''امیر المومنین! یہ میرا بیٹا ہے، مجھ کو ایک سفر درپیش تھا اور اس لڑکے کی ماں حاملہ تھی۔ اس نے کہا تو مجھ کو اس حالت میں چھوڑ کر جاتا ہے؟ میں نے کہا جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے اس کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ جب سفر سے واپس آیا تو اس کی ماں مرگئی تھی۔ ایک روز میں بیٹھا لوگوں سے باتیں کر رہا تھا کہ ناگاہ اس کی قبر پر روشنی دیکھی۔ میں نے لوگوں سے کہا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ تیری بیوی کی قبر ہے، ہم ہر شب ایسی ہی روشنی دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا واللہ وہ صائم الدھر اور قائم اللیل تھی۔ اسی سبب سے یہ روشنی ہے۔ پھر ہم اس کی قبر پر گئے۔ دیکھا کہ ایک چراغ روشن ہے اور یہ لڑکا ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ یہ تیری امانت ہے جو تو نے خدا کے سپرد کی تھی تو اگر اس کی ماں کو سپرد کرتا تو اس کی ماں کو بھی پاتا۔ جو کوئی خدا کو امانت سپرد کرتا ہے سلامت پاتا ہے۔''

یحییٰ بن معین نے حیرت بھرے انداز سے اس اجنبی طالب علم کو دیکھا اور پھر کہا ''ہم جیسے امام صاحب پر بھلا کیسے تنقید کر سکتے ہیں، وہ مسلمانوں کے امام ہیں۔ سب انہیں امام تسلیم کرتے ہیں۔ فضل اور کمال کے مالک ہیں۔ موجودہ دور میں سب سے بہتر عالم ہیں۔''

طالب علم یہ باتیں سننے کے بعد مسجد سے نکلا اور پوچھتے پوچھتے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے امام صاحب تشریف لائے۔ دروازہ کھولا، پردیسی طالب علم پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا ''میں آپ کو نہیں جانتا۔ فرمائیے آپ کون ہیں اور کیسے تشریف لائے ہیں؟''

طالب علم نے دبی آواز میں انہیں بتایا ''حضرت والا میں ایک پردیسی ہوں، اندلس سے آیا ہوں۔ حدیث کا طالب ہوں۔ یہ اتنا لمبا سفر صرف آپ کی خدمت میں حاضری کے لئے کیا ہے۔''

یہ سن کر امام صاحب نے فرمایا۔ ''اندر آ جاؤ! کہیں کوئی تمہیں دیکھ نہ لے۔''

پھر اسے اندر لا کر بٹھایا اور فرمایا ''واقعی تم بہت دور سے آئے ہو، تم جیسے شخص کا مقصد پورا کرنا اور ہر ممکن تعاون کرنا مجھے سب کاموں سے زیادہ محبوب ہے، لیکن کیا کروں، اس وقت آزمائش میں گرفتار ہوں، شاید تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہوگا۔''

طالب علم نے فوراً کہا ''جی ہاں! مجھے تمام حالات معلوم ہو چکے ہیں، لیکن آپ میری بات سن لیں۔ میں یہاں اجنبی ہوں، مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا، پہلی بار اس شہر میں آیا ہوں۔ میں روزانہ بھکاری بن کر آیا کروں گا۔ دروازے پر آ کر ویسی ہی صدا لگایا کروں گا جیسی وہ لگاتے ہیں۔ آپ دروازے پر آ جایا کریں، اگر آپ نے روزانہ مجھے ایک حدیث بھی سنا دی تو میرے لئے یہ بہت کافی ہوگی۔''

امام صاحب نے اس تجویز کو سن کر فرمایا ''ٹھیک ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگوں کے پاس آمدورفت نہ رکھنا، نہ محدثین کے حلقے میں جا کر بیٹھنا، تا کہ بات نہ کھلے۔''

طالب علم نے یہ شرط منظور کر لی غرض وہ روزانہ ہاتھ میں لکڑی اور اس پر بھکاریوں جیسا کپڑا باندھ کر آتا اور دوات آستین میں چھپا کر لاتا، امام صاحب کے دروازے پر آ کر دستک دیتا، صدا لگاتا ''اللہ بہت سا دے بابا۔''

وہاں بھکاری اسی طرح صدا لگاتے تھے۔ امام صاحب دروازے پر آ جاتے۔ طالب علم اندر جاتا تو وہ دروازہ اندر سے بند کر لیتے۔ پھر اس سے دو تین یا اس سے زیادہ احادیث بیان کرتے۔ طالب علم روزانہ ایسا ہی کرتا۔ آخرکار امام صاحب پر آزمائش کا دور ختم ہوا اور ان کا درس آزادانہ شروع ہوا۔

ہر شخص اپنا رزق پورا کرے گا

حضرت ابن منکدرؒ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور جابرؓ نبی علیہ السلام سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ تاخیر رزق کی وجہ سے ناامید نہ ہوا کرو، کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرسکتا جب تک وہ اپنا رزق پورا کا پورا حاصل نہ کر لے۔ پس نیک اور جائز طریقے سے رزق حاصل کرو۔ رزق حلال حاصل کرو اور حرام مال چھوڑ دو۔''

اللہ تعالیٰ نے علم کے اس طالب کو وقت کا امام بنا دیا۔ اس کا نام حافظ حدیث ابوعبدالرحمٰن بن مخلد اندلسی ہے۔ انہوں نے ۲۷۶ ہجری میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے کچھ حصہ ہم جیسوں کو بھی عطا فرمائے۔

بسیار گوئی کا انجام

ایک مسافر اپنی سوچ میں مگن کہیں جا رہا تھا کہ ایک کھوپڑی اس کے قدموں سے ٹکرا گئی۔ مسافر چونک پڑا اور ہڑبڑا کر بولا ''تم اس حال کو کیوں پہنچی؟''

کھوپڑی بولی۔ ''زیادہ بولنے کی وجہ سے۔''

اس شخص کو نہایت تعجب ہوا۔ وہ بادشاہ وقت کے پاس آیا اور اسے اس عجیب کھوپڑی کی اطلاع دی۔ بادشاہ نے تحقیق کی غرض سے چند سپاہیوں کو اس کی ہمراہی میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ وہ لوگ کھوپڑی کے پاس پہنچے۔ آدمی نے پوچھا۔ ''تم اس حال کو کیوں پہنچی۔'' مگر جواب ندارد۔ اس نے دوبارہ، سہ بارہ سوال کیا۔ مگر وہاں اک خاموشی۔ سپاہیوں نے اسی وقت اس کی گردن اڑا دی۔ تب کھوپڑی بولی ''تم اس حال کو کیوں پہنچیں؟'' اس آدمی کی لاش نے جواب دیا۔ ''بسیار گوئی کی وجہ سے۔''



سپاہی نہایت حیران ہوئے اور اس واقعہ کی اطلاع بادشاہ کو دی۔

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ بیشتر فسادات اسی زبان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ زبان کا یہ لوتھڑا کبھی کسی محفل میں رسوا کرتا ہے تو کبھی عرش سے فرش پر لا پٹختا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ''تم مجھے دو چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ایک میں ایک چیز زبان ہے۔''

دراصل چیز کوئی بھی بری نہیں ہوتی۔ بس اس کا برا استعمال اسے برا بنا دیتا ہے۔ یہ زبان اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسے ذکر اللہ میں خرچ کیا جائے۔ اسے دین اسلام کی تبلیغ میں، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں استعمال کیا جائے۔ لیکن یہی نعمت اگر برے کاموں، لڑائیاں کروانے، فسادات ڈالنے، غیبت کرنے میں خرچ کی جائے تو یہ نعمت زحمت بن جائے گی۔ اگر زبان پر قابو پا لیا جائے تو بہت سے فسادات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

ادھر ہمارا یہ عمل ہے کہ بیٹھے ہیں تو ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنا شروع۔ کوئی تقریب ہو تو دیکھیں ناک چڑھا کر، ہاتھ نچا کر باتیں کریں گے، کبھی ملیں گے تو خوب تذکرے ہوں گے۔ پرانی محفلیں یاد کی جائیں ''ارے ہاں، میں فلاں سے ملی تھی''، ''اچھا میرا پوچھتی تھی، میرے متعلق کچھ کہتی تھی؟'' اگر ایک کہہ دے نہیں تو زور دے کر

پوچھیں گی'' کچھ تو کہتی ہوگی۔'' تب وہ کچھ تو اس کا دل رکھنے کی خاطر، کچھ اپنی خوشی کے لئے وقت اچھا پاس کریں گی، ایک دوسرے پر بہتان لگائیں گی۔ کسی کے لباس کو نشانہ بنائیں گی اور کسی کے ناک کو۔

فرمان نبوی ﷺ ہے ''وہ شخص مسلمان نہیں جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ نہ ہوں۔''

کوشش تو کرتے ہیں اس جھوٹ ساز فیکٹری (زبان) کو سنبھالیں، مگر کیا کیا جائے ''کہ بات ہونٹوں سے رکتی نہیں۔''

دین سے دور لوگوں کی زبوں حالی

ہمارے ایک پروفیسر ہمیں انجینئرنگ کا ایک مضمون پڑھا رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے جرمنی میں ایک کورس کیا۔ جس آفس میں کام کرتا تھا، اس آفس میں میرے ساتھ والے کاؤنٹر پر ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ ایک دن وہ دیر سے آفس میں پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ پریشان سی لگ رہی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا ''کیا کوئی مشکل درپیش ہے؟''

وہ کہنے لگی ''میں اپنے والد کے مکان میں رہتی تھی، میرے والد مجھ سے بہت زیادہ کرایہ وصول کرتے تھے۔ کچھ دنوں سے کسی آدمی نے ان کو زیادہ کرایہ کی آفر کردی۔ اب وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ یا تو تم بھی کرایہ بڑھاؤ یا پھر میں دوسرے آدمی کے ساتھ معاملہ طے کرلوں گا۔ میں نے کہا کہ میری سالانہ ترقی آنے والی ہے، اس کے بعد میں زیادہ کرایہ دینا شروع کردوں گی۔ مگر وہ دو روز پہلے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے اس بات سے بات چیت کرلی ہے۔ لہذا تم اپنے لئے جگہ کا بندوبست کرلو۔ مجھے نئے مکان کا بندوبست کرکے اپنا سامان شفٹ کرنا پڑا۔ جس کی وجہ سے میں آج تھکی ہوئی اور پریشان حالت میں دفتر پہنچی ہوں۔''

اصلاح نفس کا نسخہ

ایک بزرگ بیٹھے یہ کہہ رہے تھے ''نہ تو میرا اللہ نہ میں تیرا بندہ، تیری بات کیوں مانوں۔''

کسی نے سن لیا اور قاضی کو جا کر بتا دیا کہ ایک شخص بیٹھا ایسا کفر بک رہا ہے۔ قاضی نے انہیں بلوایا۔ پہلے زمانے میں حکومتیں ایسی تھیں کہ ذرا سی کوئی بات اسلام کے خلاف کسی نے کہی تو فوراً گرفت ہوتی تھی۔ آج کل کی حکومتوں کی طرح نہیں کہ جس کا جو جی چاہے بکتا رہے، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ انہیں بلوا کر پوچھا کہ ''آپ اس طرح کیوں کہہ رہے تھے؟''

انہوں نے فرمایا کہ ''بات یہ ہے کہ میرا نفس کسی گناہ کا تقاضا کر رہا تھا، تو میں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ نہ تو میرا اللہ نہ میں تیرا بندہ تو تیری بات کیوں مانوں۔''

جب بھی نفس کسی گناہ کا تقاضا کرے تو اسے کہا کریں کہ ارے خبیث انسان! میں تیرا بندہ نہیں ہوں تو تیری بات کیوں مانوں۔ میں تو صرف اپنے اللہ کا بندہ ہوں۔ اسی کا حکم مانوں گا۔ اسی طرح بے دین لوگ راہ مستقیم سے ہٹانے کی کتنی ہی کوششیں کرتے رہیں، اتنی ہمت کریں کہ ان کی سب تدبیریں خاک میں مل جائیں۔

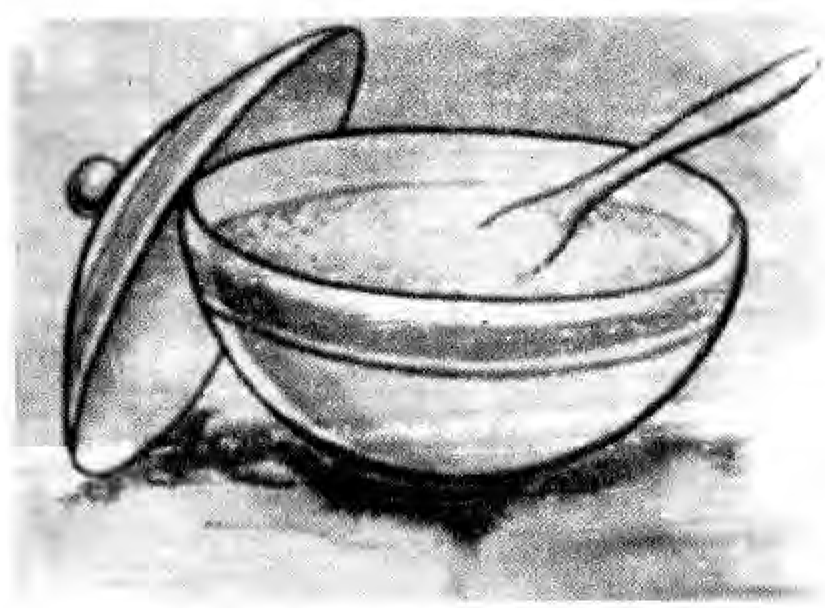
اللہ والوں کی زندگی کے آخری لمحات:

موت ایک اٹل چیز ہے، جس کا انکار کوئی نہیں کرسکتا۔ موت تمام مخلوق خداوندی پر آئے گی۔ موت سے کوئی بچا ہے نہ بچے گا۔ لیکن گناہ گاروں کی موت اور خاصان خدا کی موت میں فرق ہے۔ اب ہم اختصار کے ساتھ چند اللہ والوں کی موت کے واقعات نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت بلالؓ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو ان کی بیوی نے صدمہ کی وجہ سے کہا۔ واحزناہ یعنی ہائے افسوس۔ آج تم ہم سے جدا ہو رہے ہو؟

حضرت بلالؓ نے کہا کہ واطرباہ غداً نلقی الاحبۃ محمداً و حزبہ۔ کیسے مزے کی بات ہے۔ کیسے لطف کی بات ہے کہ کل کو دوستوں سے ملیں گے۔ آقائے نامدار جناب امام الانبیا ﷺ سے ملیں گے، ان کے ساتھیوں سے ملیں گے۔

آم کے آم گٹھلیوں کے دام



امام ابوحنیفہؒ قافلے کے ساتھ سفر میں تھے۔ ریگستان میں ان کے پاس پانی ختم ہونے لگا۔ ایک بدو نظر آیا جو مشکیزہ لئے ہوئے تھا۔ امام صاحب نے دریافت کیا ''یہ مشکیزہ کتنے میں دوگے؟''

''دو درہم میں۔'' بدو نے جواب دیا۔

امام صاحب نے کہا ''اتنا سا پانی اور دو درہم!''

سب جانتے تھے کہ ریگستان میں پانی کہاں۔ بدو نے کہا کہ ''لینا ہے تو دو درہم ہی دینا ہوں گے۔''

امام صاحب نے دو درہم دے کر پانی لے لیا۔ پھر ستو کھول کر بیٹھ گئے۔ بدو سے کہا کہ ستو کھاؤ گے؟ وہ شریک ہوگیا۔ ستو حلق میں پھنسا تو بدو نے پانی مانگا۔ امام صاحب نے کہا کہ ''ایک کٹورے کے دو درہم ہوں گے۔'' بالآخر بدو کو ایک کٹورے کے دو درہم دینے پڑے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو وہ ہنسے۔ پھر فرمایا۔ بـمـثـل ذالک فلیعمل العملون۔ اس جیسی چیزوں کے لئے لوگوں کو کام کرنا چاہئے۔ (اس وقت ان کے پاس جنت کی کوئی اشیاء

آئی ہوں گی جن کو دیکھ کر انہوں نے یہ فرمایا۔''

(۳) حضرت شیخ جنیدؒ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ابو سعید خرازؒ کے انتقال کے وقت وہ بہت ہی مزے میں تھے۔ یہ کیا بات تھی؟

حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ اگر اس وقت ان کی روح اشتیاق میں اڑ جاتی، تب بھی بعید نہ تھا۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جب ان کی وفات کا وقت تھا تو انہوں نے اپنے غلام جس کا نام نصر تھا، بلایا اور فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو۔ وہ رونے لگا۔ حضرت ابن مبارکؒ نے پوچھا کہ رونے کی کیا بات ہے۔ نصر نے کہا آپ ایسی راحتوں میں زندگی گزارتے تھے اب اس طرح فقیروں کی طرح سرزمین پر رکھ کر مر رہے ہیں۔ فرمانے لگے۔ چپ رہ، میں نے اپنے خالق و مالک رب تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ میری زندگی مالداروں کی طرح ہو اور میری موت فقیروں کی۔

مضطرب کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی

طواف کے دوران ایک دفعہ ایک نابینا شخص دعا مانگ رہا تھا۔ ''یا اللہ! مجھے آنکھیں دے دے۔ مجھے آنکھیں دے دے۔''

اس دوران حجاج بن یوسف بھی طواف کر رہا تھا۔ اس نے نابینا کی دعا سنی تو کہنے لگا ''تو کب سے دعا کر رہا ہے۔ میرے چار چکر رہتے ہیں، اگر تجھے چار چکر سے پہلے آنکھیں نہ ملیں تو تیرا سر اتار دوں گا۔''

حجاج بن یوسف جو کہتا تھا وہ پورا بھی کر دیتا تھا۔ اب تو اس نابینا کو آنکھوں کے ساتھ ساتھ جان کی بھی فکر لگ گئی۔ اب تو اس نے رو رو کر آہ و زاری سے دعا مانگنی شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کر دی۔ حجاج نے جب دیکھا کہ اسے واقعی بینائی مل چکی ہے تو کہنے لگا ''جیسے تو پہلے دعا مانگ رہا تھا اگر اس طرح سال بھر بھی مانگتا رہتا تو قبول نہ ہوتی۔ اضطراب کی ساتھ رو رو کر دعا مانگی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فوراً قبول کر لی ہے۔ امن یجیب المضطر اذا دعاہ ۔مضطرب کی دعا کون قبول کرتا ہے۔''

(۵) حضرت شیخ ذوالنون مصریؒ سے کسی نے انتقال کے قریب پوچھا کہ کچھ فرمانا ہے۔ کوئی خواہش ہو تو بتادیں؟ فرمایا، صرف یہ خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے اس کی معرفت حاصل ہو جائے۔

(۶) حضرت عطا بن یسارؒ کہتے ہیں کہ ایک شخص کے انتقال کا وقت قریب تھا۔ شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ تو مجھ سے چھوٹ ہی گیا (میرے قابو میں نہ آیا) وہ فرمانے لگے مجھے تجھ سے اب تک اطمینان نہیں ہے۔ (شیطان پر اعتماد ہی نہ کرنا کامیابی ہے)۔

(۷) ایک آدمی نے بیان کیا کہ میں حضرت ممشاد دینوریؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک فقیر آیا اور کہنے لگا۔ یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں کوئی مر جائے۔ انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا جہاں پانی کا

چشمہ بھی تھا۔ وہ اس کے قریب گیا، وضو کیا، پھر نماز پڑھی اس کے بعد پاؤں پھیلا کر لیٹ گیا اور خالق حقیقی کو ملنے کے لئے مر گیا۔

(۸) حضرت جریریؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت جنیدؒ کے پاس ان کے انتقال کے وقت موجود تھا، حضرت شیخ جنیدؒ قرآن پاک کی تلاوت بڑے مزے اور لطف سے کر رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا۔ یہ وقت کیا تلاوت کا ہے (ضعف کی وجہ سے بہت کمزور تھے) فرمانے لگے کہ اس وقت سے زیادہ اچھا وقت تلاوت کا کونسا ہوگا؟ میرا اعمال نامہ اس وقت بند ہو رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ میرا آخری جملہ قرآن آپ کی تلاوت ہو۔

(۹) ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو فرمانے لگے۔ محبوب (پیاری موت) احتیاج کے وقت آیا جو نادم ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یا اللہ تجھے معلوم ہے کہ ہمیشہ مجھے فقر غنا سے زیادہ محبوب رہی اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ رہی اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب رہی۔ مجھے جلدی سے موت عطا کر دے کہ میں تجھ سے ملوں۔

(۱۰) حضرت سیدنا معاذؓ کے جب انتقال کا وقت قریب تھا، فرمایا۔ میرے اللہ تجھے معلوم ہے کہ میں دنیا میں زیادہ دن رہنا چاہتا تھا، مگر نہ اس وجہ سے کہ مجھے دنیا سے محبت تھی، نہ اس وجہ سے کہ یہاں نہریں اور باغ لگاؤں، بلکہ اس وجہ سے چاہتا تھا کہ گرمیوں کے دوپہر میں روزہ کی پیاس کا لطف اٹھاؤں اور (آپ کے سچے دین کے لئے) مشقت میں وقت گزاروں اور تیرے ذکر کے حلقوں میں شریک ہوا کروں۔

اللہ کی رضا کے لئے سارا مال چھوڑ دینے کا انعام

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی ہجری کے مشہور و معروف امام اور حافظ حدیث ہیں، فرماتے ہیں:

واللہ لاتجد فقد شی ترکتہ ابتغاء وجہ اللہ

''خدا کی قسم! تم جس چیز کو محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے چھوڑ دو گے تو اس کے نہ ملنے کا کوئی نقصان محسوس نہ کرو گے۔''

پھر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میں اور میرا بھائی دونوں ایک معاملہ میں شریک تھے جس سے بڑا نفع اور مال عظیم حاصل ہوا۔ پھر میرے دل میں اس مال کی طرف سے کچھ شبہ ہو گیا۔ میں نے محض خدا کے لئے اس کو چھوڑ دیا اور دست برداری دے دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری زندگی ہی میں سارا مال حلال طیب ہو کر ہمارے پاس لوٹ آیا کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا اور اس کا مال میرے والد کو بطور وراثت مل گیا، پھر والد کے انتقال کے بعد وہ کل مال مجھے مل گیا۔ (صفوۃ الصفوح لابن الجوزی، صفحہ ۳ ج ۴)

قرب قیامت کا سلام

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : بین یدی الساعة تسلیم الخاصة

''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب سلام صرف خاص لوگوں کو کہا جائے گا۔''

(۲) عامر بن اسودؒ فرماتے ہیں کہ:

ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے تو جماعت کھڑی تھی۔ پھر لوگوں نے رکوع کیا اور ہم بھی رکوع کرتے ہوئے ساتھ شامل ہو گئے۔ دریں اثناء ایک آدمی آیا اور کہنے لگا۔ ابوعبدالرحمٰن (ابن مسعود کی کنیت) آپ کو سلام (السلام علیکم)۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے حالت رکوع میں ہی فرمایا۔ ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا۔'' نماز کے اختتام پر کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے فلاں شخص کے سلام پر یہ کیوں کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا تھا؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ:

ان من أشراط الساعة اذا كانت التحية على المعرفة

''قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ سلام صرف معرفت کی بناء پر کہا جائے گا۔''

(۳) ابن مسعودی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

''اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کی ایک نشانی یہ ہے کہ آدمی صرف اسی آدمی سے سلام کرے جس سے وہ جان پہچان رکھتا ہو۔''

سلام کرنے کے فوائد:

(۱) السلام علیکم کا محدود ہونا اور صرف معرفت رکھنے والوں کا باہمی سلام کرنا قیامت کی ایک نشانی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودی رضی اللہ عنہ کے دور سے یہ نشانی ظاہر ہو چکی ہے اور بتدریج بڑھتی جا رہی ہے۔

(۳) نبی کریم ﷺ کا عام حکم ہے کہ:

یاایھا الناس افشوا السلام

''لوگو ! سلام کو عام کرو۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ:

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ''جب تو ملاقات کرے تو سلام کہہ۔''

(۴) موجودہ دور میں قیامت کی مذکورہ نشانی عروج پر ہے۔ لوگ صرف اسے ہی سلام کرتے ہیں جس کے ساتھ نشست و برخاست ہو، بلکہ وہاں بھی ایک بار (پہلی بار) سلام سارے دن کے لئے کافی سمجھ لی جاتی ہے۔

(۵) کچھ لوگ ہر آنے جانے والے سے سلام کرنا چاہتے ہیں مگر انہیں یہ پریشانی لاحق ہوتی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کا فرق کیسے کیا جائے۔ کیونکہ غیر مسلم سے سلام کی پہل کرنا درست نہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

لاتبدؤ الیھود والنصاریٰ بالسلام

''یہود و نصاریٰ سے سلام میں پہل مت کرو۔''

اور اکثر مسلمانوں نے بھی اپنی شکل وصورت، وضع قطع اور لباس اس طرح کا بنا رکھا ہے کہ ان میں اور غیر مسلموں میں فرق مشکل ہی نہیں ناممکن بن جاتا ہے۔

(۶) مذکورہ نشانی کا ظہور برے لوگوں پر ہوگا، لہذا ہمیں ''سلام'' عام کرتے ہوئے ان برے لوگوں کی فہرست میں شمولیت سے بچ جانا چاہئے کیونکہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

أفشوا السلام

''آپس میں سلام عام کردو۔''

ہر وقت غمزدہ رہنا

حدیث میں آیا۔ ان اللہ یحب کل قلب حزین (یعنی اللہ تعالیٰ ہر غمگین دل کو پسند کرتا ہے۔ یعنی جو آخرت کا حصہ کم ہو جانے پر غمگین ہو)۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کا جب انتقال ہوا تو وکیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''آج دنیا سے غم اٹھ گیا۔''

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ حالت تھی کہ جو شخص ان کو دیکھتا تو ان کے حزن وغم کی کیفیت دیکھ کر یہ گمان کرتا کہ ابھی ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے۔ یہی حالت ان کے دوستوں کی بھی تھی۔

اے دوست! تو بھی غم کو لازم کرتا کہ تجھے کوئی ایسا وقت نہ ملے جس میں خواہشات نفس میں مشغول ہو جائے۔ ورنہ تو دھوکے میں ہوگا۔ اے دوست! بیدار ہو جا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

رحم دل ٹکٹ چیکر

نواب مشتاق احمد خان ایجنٹ جنرل حیدرآباد دکن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ریل کے سفر کے دوران میں دیکھا کہ ایک بڑھیا اپنی گٹھری لئے ہوئے بڑی مشکل سے ان کے فرسٹ کلاس کے ڈبے میں داخل ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹکٹ چیکر نے آ کر سب کے ٹکٹ دیکھے۔ قیام پاکستان کے ابتدائی دن تھے۔ ان دونوں اول درجے اور تیسرے درجے میں کوئی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن بلاٹکٹ سفر کرنے والے سے ضرور پوچھ گچھ ہوتی تھی۔ بڑھیا کی باری آئی تو اس نے ٹکٹ چیکر سے التجا کرتے ہوئے کہا ''بیٹا میں اپنا سب کچھ کھو کر آئی ہوں، میری کل کائنات یہی گٹھری ہے، مجھ پر رحم کرو۔''

نواب صاحب خود ایک ریلوے افسر رہ چکے تھے۔ وہ خاموشی سے مشاہدہ کرتے رہے کہ دیکھیں کہ چیکر کیا کرتا ہے؟ چیکر نے جو کچھ کیا عام حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے اپنی کاپی سے رسید کاٹی اور روندھی ہوئی آواز میں بڑھیا کو جواب دیا۔ ''اماں مجھے معلوم ہے کہ تم کتنی مظلوم ہو، تمہی بتاؤ کہ ٹکٹ کے بغیر سفر کرنے سے پاکستان کیسے چلے گا، جس کے لئے تم نے اور میں نے بڑی قربانیاں دی ہیں، اس کے لئے رسید تو بنے گی تا کہ ملک کا نقصان نہ ہو، البتہ اس کی رقم میں اپنی جیب سے ادا کر دوں گا۔''

مال حلال کی نورانیت

ایک روایت میں ہے حضرت یوسف بن ارطات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو شیطان اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ یہ دیکھو اس کی غذا کیا ہے؟ اس کی خوراک کیسی ہے؟ اگر اس کا کھانا پینا مال حرام سے ہے، حرام کھاتا ہے، حرام پیتا ہے، حرام پہنتا ہے، تو شیطان اپنے دوستوں سے کہتا ہے کہ اب تم اس کی طرف سے بے فکر رہو، اب تمہیں اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ حرام کھانے سے اس کی عبادت اس کو بالکل فائدہ نہیں دے گی۔ (کتاب الکبائر)

بہر حال شیطان بھی اس کی غذا دیکھ کر بے فکر ہو جاتا ہے۔ البتہ شیطان اس شخص کی عبادت خراب کرنے کی فکر کرتا ہے جس کی غذا حلال ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کی عبادت کھری ہے اور یہ عبادت، اس کے لئے باعث نجات ہے۔ باعث قرب اور باعث رضامندی ہے اور یہ اللہ کا مقرب بندہ بنے گا اور اگر کوئی شخص حرام کھا رہا ہے، حرام پی رہا ہے، حرام پہن رہا ہے تو اس کی طرف سے بے فکر ہو جاتا ہے۔

شعلہ کے بیٹے انگارہ کا انجام

اولاد کا والدین پر حق ہے کہ ان کا نام اچھا تجویز کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

''تم لوگوں کو قیامت کے دن تمہارے اور تمہارے والدین کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس لئے اچھا نام رکھا کرو۔''

نام سے انسان کی شخصیت پہچانی جاتی ہے۔ انسان کا تعارف ہوتا ہے۔ اس لئے نام ایسا ہونا چاہئے جو ہمیں مسلمان ظاہر کرے۔ اللہ کا بندہ ہونا ظاہر کرے۔ حضور اکرم ﷺ بدنامی والے نام کو تبدیل کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے بنومغویہ کو بنورشدہ سے اور حزن کو سھل سے تبدیل کر دیا تھا اور حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بہترین اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں اور نام کا بھی اثر ہے۔''



امام مالک رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب موطا میں یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا ''جمرۃ'' (انگارہ)۔

پھر پوچھا ''کس کے بیٹے ہو؟''

اس نے کہا ''شہاب (شعلہ) کا۔''

پھر اس سے پوچھا ''کس سے تعلق ہے؟''

اس نے کہا ''حرقۃ (جلن) سے۔''
پھر اس سے پوچھا ''کہاں رہتے ہو؟''
اس شخص نے جواب دیا۔ ''حرۃ النار (آگ کے ٹیلے) پر۔''
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا ''کس جگہ؟''
اس نے جواب دیا ''دیاذات لظی (بھڑکنے والے ٹیلے) پر۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے فرمایا۔ ''جلدی سے تم گھر پہنچو، اس لئے کہ تمہارے اہل و عیال آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے ہیں۔'' اور واقعی ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ آج کل ہمارے ہاں نام ایسے رکھے جاتے ہیں جو بالکل غلط ہوتے ہیں۔ جیسے بعض نے نام رکھا ہے کلب اور کلب کا معنی ہے کتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے بچوں اور بچیوں کے نام صحابہ کرامؓ اور صحابیات کے نام پر رکھیں۔

بھنگن کا ٹوکرا اٹھوا دیا

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمہ ایک مرتبہ قصور تشریف لائے۔ آپ ہمراہ یاروں کے قبرستان تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک بھنگن بازار کا کوڑا کرکٹ جمع کر کے ٹوکری میں بھر کر کھڑی ہوئی تھی اور اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا۔ چونکہ وہ اکیلی اس نجاست کی ٹوکری کو اٹھانا چاہتی تھی۔ بچے کے سبب اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ جوں ہی آپ کی نظر پڑی، جھٹ آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس کی مدد کر کے وہ ٹوکری اٹھوا دی اور یاروں کو حیرت کی انتہاء نہ رہی۔ آپ پھر ان کے ہمراہ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔

(خزینہ معرفت صفحہ ۱۲۶ مؤلف صوفی محمد ابراہیم، مطبوعہ شرقپور شریف)

حقیقت میں خیرخواہ یا بدخواہ

ایک بادشاہ کا وزیر بڑا نیک سیرت تھا اور بادشاہ کا انتہائی وفادار اور خیر خواہ تھا۔ وہ ہر کام میں پہلے رضائے الٰہی کو مدنظر رکھتا تھا اور پھر بادشاہ کے حکم کی تعمیل کو ہر چیز پر مقدم رکھتا تھا۔ بادشاہ اس کی خوبیوں کا دل سے قدر دان تھا اور یہ بات وزیر کے دشمنوں کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی وہ ہمیشہ ایسے موقع کی تاک میں رہتے تھے کہ نیک سرشت وزیر کو بادشاہ کی نظروں سے گرا سکیں۔ ایک دفعہ ان حاسدوں کو یہ خبر ملی کہ وزیر نے کئی لوگوں کو اس شرط پر قرض دے رکھا ہے کہ جب بادشاہ مر جائے گا تو یہ قرض ان سے وصول کر لیا جائے گا۔

ایک حاسد بادشاہ کے پاس گیا اور کہا کہ:

''جہاں پناہ! یہ وزیر آپ کا خیر خواہ نہیں ہے۔ اس نے لوگوں کو اس شرط پر قرض دے رکھا ہے کہ آپ کے وفات پانے پر ان سے واپس لیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی موت کا خواہاں ہے تاکہ آپ کے بعد لوگوں سے روپیہ واپس لے کر گلچھڑے اڑائے۔''

بادشاہ نے وزیر کو بلایا اور پوچھا کہ ''یہ کیا معاملہ ہے؟''

وزیر نے دست بستہ عرض کی ''عالم پناہ یہ سچ ہے کہ میں نے اس شرط پر لوگوں کو روپے دیئے ہوئے ہیں، لیکن میں نے یہ بات خیر خواہی سے کی ہے بدخواہی سے نہیں۔ میری غرض تو یہ ہے کہ بے چارے مقروض ہمیشہ آپ کی زندگی اور سلامتی کے لئے دعا کرتے رہیں تاکہ انہیں قرض واپس کرنے کی نوبت نہ آئے:

غنیمت شمارند مرداں دعا
کہ جوشن بود پیش تیر بلا

''عقل مند آدمی دعا کو غنیمت جانتے ہیں تاکہ مصیبت کے تیر کے سامنے زرہ کا کام دے۔''

بادشاہ کو وزیر کا جواب بہت پسند آیا، اس نے حاسدوں کو سزا دی اور وزیر کا رتبہ اور بھی بڑھا دیا۔

چھ چیزوں کا مقابلہ چھ چیزوں سے

ایک بزرگ نے اپنے مریدوں اور طلبہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم چھ کے مقابلے میں چھ پر عمل کرو۔

۱۔ عوام کثرت اعمال میں مشغول ہوں تو تم حسن اعمال کی کوشش کرو۔

۲۔ عوام فضائل کے پیچھے لگ جائیں تو تم تکمیل فرائض کی جانب متوجہ ہو جاؤ۔

۳۔ عوام ظاہری اصلاح میں لگے ہوں تو تم اصلاح باطن کی فکر کرو۔

۴۔ عوام دنیا بنانے میں منہمک ہوں تو تم آخرت کو سنوارنے کی کوشش کرو۔

۵۔ عوام دوسروں کی عیب جوئی میں ہوں تو تم اپنے عیوب تلاش کرو۔

۶۔ عوام مخلوق کی رضا وخوشنودی کی تلاش میں ہوں تو تم خالق کی رضا حاصل کرنے کی جستجو کرو۔

یقیناً جو طالب علم ان بزرگ کے ان چھ نصائح پر عمل کرے گا وہ طالب علم دنیا اور آخرت میں کامیاب اور کامران رہے گا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (از اسلامی باتیں، مولانا محفوظ الحسن سنبھلی)

جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا:

شیخ سعید حلبی رحمہ اللہ ایک بزرگ تھے۔ آپ ایک دن دمشق کی ایک مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے۔ اس دن ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔ اس لئے پاؤں پھیلا کر درس دے رہے تھے۔ ابراہیم پاشا، محمد علی خدیو بانی سلطنت خدیویہ کا بیٹا تھا۔ وہ بڑا ظالم اور مغرور سپہ سالار تھا۔ اس کے جبر کی وجہ سے لوگ خوفزدہ رہتے تھے۔ وہ مسجد میں داخل ہوا۔ شیخ سعید حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ دروازے کی طرف پاؤں پھیلائے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو سارے طالب علم خوفزدہ ہو گئے۔ حفاظتی دستہ بھی ابراہیم پاشا کے ساتھ تھا۔ جلاد اور دیگر سپاہی بھی اس کے ہمراہ تھے۔ طلبہ سمجھے کہ اب ان کے استاد اپنے پاؤں سمیٹ لیں گے کہ وقت کے حکمران کا ادب بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن ان کی امید کے خلاف ان کے

استاد محترم نے پاؤں پھیلائے رکھے۔ ابراہیم پاشا ان کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔ طلبہ خوفزدہ تھے، وہ سمجھ رہے تھے اب ان کے استاد کی خیر نہیں۔ پاشا اپنے جلادوں کو حکم دے گا اور ان کا محترم و مقدس خون ان کے کپڑوں پر گرے گا۔ وہ ایسا نہیں چاہتے تھے۔

ابراہیم پاشا وہاں دیر تک کھڑا قرآن سنتا رہا۔ شیخ سعید حلبی رحمہ اللہ علیہ نے پاؤں پھیلائے رکھے۔ پھر اچانک ابراہیم پاشا پلٹا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد سے نکل گیا۔ یہ دیکھ کر سارے طلبہ حیران رہ گئے۔ پھر ابراہیم پاشا نے حضرت شیخ سعید حلبی رحمتہ اللہ علیہ کے لئے اشرفیوں کا ایک توڑا بھیجا اور سلام کہلوایا۔ اشرفیاں لانے والے صاحب نے کہا کہ ''حضرت یہ قبول کر لیجئے۔''

جواب میں حضرت شیخ سعید حلبی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''اپنے بادشاہ سے میرا سلام عرض کر دینا اور کہنا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، اگر مجھے ہاتھ پھیلانا ہوتا تو اس وقت پاؤں نہ پھیلاتا۔''

جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہوگے

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب زمانہ طالب علمی میں دورۂ حدیث مکمل کیا تو مہتمم صاحب نے جلسہ کے لئے انتظامات کئے کہ ہم دستار بندی کرواتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ اپنے ساتھ پانچ سات شاگردوں کو لے کر حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں گئے اور وہاں جا کر کہنے لگے کہ ''حضرت! ہم نے سنا ہے کہ مدرسہ والے طلباء کی دستار بندی کے لئے انتظامات کر رہے ہیں؟''

حضرت نے فرمایا ''ہاں۔''

کہنے لگے۔ ''حضرت ہماری گزارش یہ ہے کہ ہماری دستار بندی نہ کروائی جائے، ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں دیکھ کر یہ اعتراض کریں کہ ایسے نالائق طلباء کی دستار بندی کروادی گئی، کہیں مدرسے کی بدنامی نہ ہو۔''

حضرت شیخ الہندؒ جلال میں آ کر فرمانے لگے۔ ''آپ اپنے اساتذہ کے درمیان رہتے ہیں، اس لئے اپنے آپ کو کچھ نہیں پاتے۔ جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہوگے۔''

برائی کرنے والے سے احسان کرنا

ایک شخص کا گدھا کیچڑ میں پھنس گیا۔ بہت کوشش کی، لیکن اسے نکالنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ناچار تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ سنسان جنگل، شدید سردی اور تیز بارش پہلے ہی کچھ کم مصیبت نہ تھی، اب گدھے کی وجہ سے اسے رات بھر وہیں بیٹھنا پڑا تو جھلاہٹ میں اپنا دماغی توازن قائم نہ رکھ سکا اور بادشاہ وقت کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا۔ اتفاق سے بادشاہ شکار کھیلتے کھیلتے ادھر آنکلا۔ اس شخص کی گالیاں سن کر وہیں رک گیا اور ملازموں سے کہنے لگا کہ ''یہ شخص مجھ پر کیوں اتنا غصہ نکال رہا ہے؟''

انہوں نے کہا کہ ''عالی جاہ! ایسے ناکارہ اور بے ہودہ گو کا علاج تلوار ہی کر سکتی ہے۔ حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دی جائے۔''

عالی حوصلہ بادشاہ نے ان کا مشورہ رد کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ مصیبت انسان کو چڑچڑا اور بدمزاج بنا دیتی ہے۔ اس بے چارے کے گدھے کو کیچڑ سے نکلوایا اور انعام واکرام دے کر اس کا دل خوش کر دیا۔ اب وہ گالیوں کے بجائے بادشاہ کو دعائیں دینے لگا۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

''برائی کا بدلہ برائی سے دینا آسان ہے۔ اگر تو جوانمرد ہے تو برائی کرنے والے کے ساتھ احسان کر۔''

مخلوق خدا پر رحم

حضرت شیخ شبلیؒ نے ایک دفعہ شہر سے گندم خریدی اور گندم کی بوری کندھے پر اٹھا کر اپنے گاؤں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر بوری کا منہ کھلا تو گندم میں ایک چیونٹی نظر آئی جو بڑی بے چینی سے ادھر ادھر دوڑ رہی تھی۔ شیخ غریب چیونٹی کی پریشانی دیکھ کر سخت افسردہ ہوگئے اور رات بھر نہ سو سکے۔ صبح ہوتے ہی اسے پکڑا اور جہاں سے گندم لائے تھے وہیں لے جا کر چھوڑ آئے۔ شبلیؒ فرماتے تھے کہ یہ انسانیت سے بعید ہے کہ اس غریب چیونٹی کو گھر سے بے گھر کروں۔ اللہ تعالیٰ فردوسی کی قبر پر رحمت فرمائے، اس نے کیا خوب کہا:

میازار مورے کہ دانہ کشست
کہ جان دارد و جاں شریں خوشت

''اس چیونٹی کو نہ ستا جو ایک دانہ کھینچنے والی ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی جان رکھتی ہے اور جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔''

سیاہ اندروں باشد و سنگ دل
کہ خواہد کہ مورے شود تنگ دل

''وہ شخص بڑا سیاہ باطن اور ظالم ہے جس کے ہاتھ سے کسی چیونٹی کو بھی دکھ پہنچے۔''

مخلوق میں گمراہی کا سبب

حضرت امام محمد بن سہل بخاری رحمتہ اللہ فرماتے ہیں:

ہم لوگ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایسے میں انہوں نے بدعتیوں کے خلاف بات شروع کردی۔ ہم نے سوچا، یہ انہوں نے کیا شروع کردیا۔ یہ سوچ کر ہم نے ان سے عرض کیا ''حضرت اس ذکر کو چھوڑیئے، مہربانی فرما کر حدیث کا درس شروع کیجئے، یہ زیادہ بہتر ہے۔''

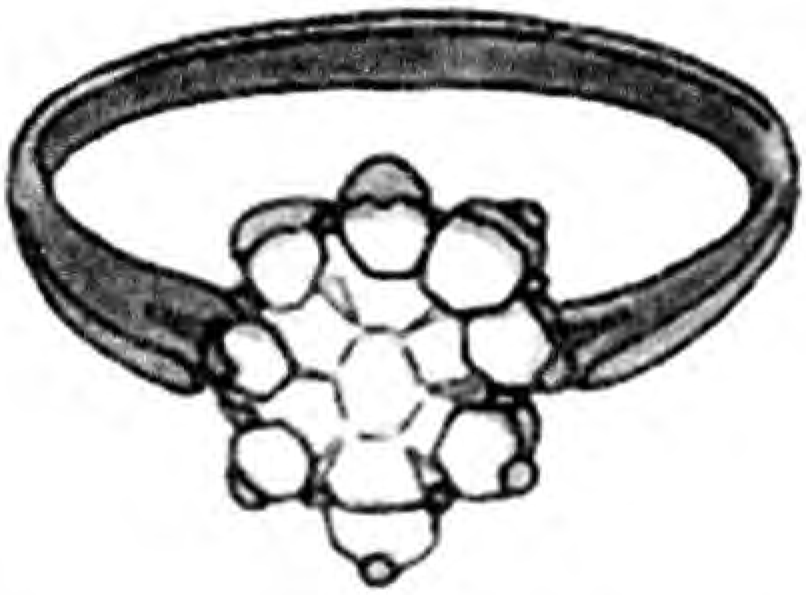
ہماری بات سن کر حجۃ الاسلام امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ''بدعتیوں کے رد میں بات کرنا مجھے ۶۰ سال کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔'' (تلبیس ابلیس، صفحہ ۱۶)

نیز امام صاحب فرماتے ہیں ''بدعتی شخص مخلوق کی گمراہی کا سبب ہے اور اس کی بیماری دوسروں کو لگتی ہے۔ اس لئے بدعتی سے پرہیز کی ضرورت ہے۔ اس کی صحبت اختیار کرنے میں خطرہ ہے کہ کہیں اس کی بدعت تم پر اثر انداز نہ ہوجائے اور اس کی نحوست تم میں نہ آجائے۔''

(احیاء العلوم)

سونے کی انگوٹھی

میرا ایک دوست بھی عجیب ہے، بس یوں کہہ لیں خبطی سا نظر آتا ہے، اس کی ساری باتیں عجیب ہیں، بلکہ عجیب ترین ہیں۔ جب بھی مجھ سے ملنے کے لئے آتا ہے اپنی بات شروع کر دیتا ہے۔ اب میں چاہے اپنا کوئی کام کر رہا ہوں، وہ چاہتا ہے کہ اس کی بات سنی جائے۔ اس کی طرف توجہ دی جائے، لیجئے ذرا آپ بھی اس کی باتوں کی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیں، آتے ہی اس کا پہلا جملہ یہ ہوتا ہے ''یار اختر! تم جانتے ہو، اس مسئلے میں ہمارے نبی ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟'' اس کا یہ خاص جملہ سن کر جب میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو وہ خود ہی کہہ اٹھتا ہے۔ ''اب تم پوچھو گے کونسے مسئلے میں؟ تو میں خود ہی بتا دیتا ہوں،



بیت الخلاء میں جانے کے بارے میں بھلا نبی اکرم ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔ شاید تم کہو بھلا یہ بات بھی پوچھنے کی ہے۔ اس میں بتانے والی کون سی بات ہے؟ یعنی ہر شخص بیت الخلاء میں جاتا ہے، اسے جانا پڑتا ہے، بیت الخلاء میں جانا اور فارغ ہو کر نکل آنا، اب بھلا یہ کوئی مسئلہ ہے...... تم یہی سوچ رہے ہونا؟''

یہ کہہ کر وہ ذرا دیر کے لئے خاموش ہو جاتا ہے۔ پھر میرا سر ہلتے دیکھ کر اس پر اور زیادہ جوش سوار ہو جاتا ہے۔ وہ کہنے لگتا ہے ''کیوں نہیں...... یہ بھی ایک مسئلہ ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے تو باریک سے باریک ترین بات کے بارے میں بھی بتایا ہے۔ ہر ہر مسئلہ واضح کیا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی نظر میری انگلی پر پڑ جاتی ہے، وہ اور زور سے چونک اٹھتا ہے۔ بیت الخلاء کو بھول کر میری انگلی کو ٹکر ٹکر دیکھنے لگتا ہے۔ پھر بوکھلائی ہوئی آواز میں کہتا ہے۔ ''یہ...... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں میرے دوست...... تمہارے ہاتھ کی انگلی میں سونے کی انگوٹھی......''

''ہاں! یہ سونے کی انگوٹھی ہے...... کل میری منگنی تھی، لڑکی والوں نے مجھے پہنائی ہے۔''

''اوہ! تو یہ بات ہے۔'' اس کی سرد آہ مجھے سنائی دی۔

''کیا بات ہے؟'' میں پوچھتا ہوں۔

''یہ...... یہ سونے کی انگوٹھی ہے۔''

جائز ذریعہ معاش کی برکت

ملتان میں کراٹے کے ایک بلیک بیلٹ آئے۔ وہ اپنے فن میں بڑے ماہر تھے۔ حتیٰ کہ تقریباً دو من کا آدمی بھی اگر ان کے پیٹ پر چھلانگیں مارتا تو وہ ٹس سے مس نہ ہوتے تھے۔ وہ جب سلسلہ میں بیعت ہوا تو اس میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جب دوبارہ کچھ عرصے بعد ملتان جانا ہوا تو اس نے اپنی کہانی سنائی کہ کراٹے کی دو کلاسیں تھیں۔ لڑکیوں کی کلاس میں نے فوری طور پر بند کروادی۔ بیوی فکر مند ہوئی کہ کام سست پڑ جائے گا۔ مگر میں ڈٹا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے عجیب راستہ کھول دیا۔ میرے دل میں آیا کہ کراٹے میں ہم جو مخصوص آواز نکالتے ہیں وہ بے معنی سی آواز ہے۔ کیوں نہ اس کے بجائے اللہ کہا کریں۔ ہم نے پھر اللہ کی آواز نکلوانی شروع کردی۔ ارد گرد کے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہوجاتے۔ حتیٰ کہ دیندار گھروں کے بچے بھی آنا شروع ہوگئے۔ جتنی لڑکیوں کی کلاس کم ہوئی تھی اس سے دگنی کلاس لڑکوں کی جمع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی فراخی فرمادی ورگناہوں سے بھی بچالیا۔

''تو پھر کیا ہوا؟ منگنیوں میں سونے کی نہیں تو کیا چاندی کی انگوٹھیاں پہنائی جاتی ہیں؟''

''مم...... میرا مطلب ہے...... ہمارے نبی ﷺ نے اس بارے میں کیا فرمایا ہے، کیا تم جانتے ہو؟''

''نن نہیں..... کیا آپ ﷺ نے اس مسئلے پر بھی کچھ فرمایا ہے؟''

''یہ پوچھو! آپ نے کس مسئلے میں کچھ نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ لو حدیث سنو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: (کتنے تعجب کی بات ہے کہ) تم میں سے کوئی شخص آگ کے انگارے کو اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا ہے۔ یعنی جو شخص اپنے ہاتھوں میں سونے کی کوئی چیز پہنے گا اس کا ہاتھ دوزخ میں جلایا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس شخص نے انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ اس سے کہا گیا اپنی انگوٹھی لے لو (اور) اس (کو بیچ کر یا ہدیہ کر کے اس) سے فائدہ اٹھالو۔ اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! نہیں، جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہو میں اس کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔'' (مسلم)

''اوہ..... اوہ......''

یہ حدیث سن کر میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ میرا ہاتھ سونے کی انگوٹھی انگلی سے نکالتا نظر آرہا ہے اور اس کے چہرے پر جوش کے بے پناہ آثار نظر آرہے ہیں۔ جیسے میرے بجائے اسے سونے کی انگوٹھی مل گئی ہو...... بلکہ ہیرے کی۔ میں سوچ رہا ہوں میرا یہ خبطی سا نظر آنے والا دوست بڑے بڑے عقلمندوں سے زیادہ عقلمند ہے۔

قرآن مجید کے واقعات ومعجزات:

قرآن حکیم میں بعض ایسے قصص بیان فرمائے گئے ہیں جس کو آج کل کے مادی دور کے لحاظ سے سمجھنا مشکل نظر آتا ہے۔ جیسے:

(۱) طوفان نوح علیہ السلام میں تمام دنیا کا ڈوب جانا۔

(۲) مکمل بربادی کائنات۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مصر پر مینڈکوں، جوؤں اور ٹڈی وغیرہ کی بارش ہونا اور تمام پانیوں کا خون میں بدل جانا۔

(۴) آندھی کا عذاب آنا۔

(۵) دو مشرق اور دو مغرب۔

(۶) آسمانی لشکر کا اہل ایمان کی مدد کرنا۔

(۷) پتھروں کی بارش۔

(۸) من وسلویٰ کا نزول۔

(۹) آسمانی چنگھاڑ اور منہ کے بل گر کر ہلاک ہونا۔

(۱۰) ہر طرف مکمل تاریکی کا پھیلنا۔

(۱۱) صرف اولاد نوح علیہ السلام ہی روئے زمین پر باقی بچی وغیرہ۔

مومن اور منافق میں فرق

۞ ......عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''مومن کی قوت دل میں ہوتی ہے اور کافر ومنافق کی طاقت ہاتھ میں۔''

۞ ......حاتم اصم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مومن کی علامت یہ ہے کہ عبادات بجالائے اور اس کے باوجود روتا رہے اور منافق کی نشانی یہ ہے کہ عمل کو بھول جائے اور ہنستا رہے۔''

۞ ......فضیل بن عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''مومن درخت خرما لگاتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا پھل کھٹا نہ ہو اور منافق کانٹے بوتا ہے اور خواہش کرتا ہے کہ اس پر چھوہارے لگیں۔''

اے دوست اس کو یاد رکھ اور موت سے پہلے اپنی تلاشی لے، اگر منافقوں کی عادات ہوں تو افسوس کر اور رو، اور بکثرت استغفار کر۔ فالحمدلله رب العلمين۔

ایسے واقعات جو عقل سے بالاتر لگتے ہیں، اللہ کے معجزات ہوتے ہیں اور معجزہ عقل کو عاجز کردینے والی چیز کو ہی کہتے ہیں۔

درسِ قرآن پر معاوضہ نہ لینا

میں بارہ سال تک ریڈیو پاکستان میں درس قرآن دیتا رہا اور میرے نزدیک اس پر معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں تھا۔ بہت سے اللہ کے بندے لیتے ہیں۔ ویسے قرآن پر معاوضہ لینا کوئی گناہ نہیں جائز ہے۔ مگر میں نے قصداً ضرورت مند ہونے کے باوجود نہیں لیا اور اگر لیتا تو بیس تیس ہزار روپے مجھے ملتا۔ لیکن میں نے صرف اس لئے نہیں لیا کہ اس لباس کا تقاضہ نہیں تھا۔ ہم کوئی درس دیں اور اس پر معاوضہ لیں یا کوئی وعظ کہیں اور اس پر نذرانہ وصول کریں۔ یہ اس وضع کے خلاف بات ہے۔ چاہے اپنی ذات میں وہ گناہ نہ ہو۔ مگر ہم نے چونکہ یہ وضع اختیار کر کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم اللہ والے ہیں، ہم دنیا کے طالب نہیں، اس لئے لینا مناسب نہ تھا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوستی

ایک دفعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ ''کسی کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا ''عمر کی ہیں۔''

انہوں نے پھر عرض کیا کہ ''میرے ابا جی کی کتنی ہیں؟''

حضور ﷺ نے فرمایا ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی غارِ ثور میں قیام کے دوران کی جانے والی نیکیاں آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں۔''

سفرِ ہجرت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سائے کی طرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ کبھی ایک طرف سے آڑ کرتے، کبھی دوسری طرف سے۔ حضور ﷺ نے پوچھا ''ابوبکر کیا بات ہے؟ بار بار ادھر ادھر کیوں ہو رہے ہو؟''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''اے اللہ کے رسول ﷺ دائیں جانب خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میں آپ ﷺ کے دائیں جانب ہو جاتا ہوں، کبھی بائیں جانب خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میں بائیں طرف ہو جاتا ہوں۔''

یہ شخص اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے

مولانا محمد علی مونگیری کی دعوت پر ایک مرتبہ حضرت کشمیریؒ قادیانیت کی تردید کے لئے مونگیر تشریف لے گئے تو تین روزہ اجتماع میں آپ کے مسلسل بیانات ہوئے تو علاقہ کا ایک بڑا ہندو سادھو پابندی سے ان اجتماعات میں شرکت کرتا۔ آخری دن اس کی زبان پر یہ کلمات بے اختیار جاری تھے کہ یہ شخص اپنے چہرے سے اسلام کی دعوت دیتا ہے۔

دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ بلیاوی کہتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز سردی کے زمانہ میں حضرت شاہ صاحب سبز پوشاک میں ملبوس دارالعلوم سے جامع مسجد کے لئے روانہ ہوئے۔ میری نظریں آپ پر پڑیں تو اپنے بارے میں خود اندیشہ ہوا کہ کہیں شاہ صاحب کو نظر نہ لگ جائے۔

''حیات انور'' میں مولانا منظور صاحب نعمانیؒ نے لکھا ہے کہ میں اور میرے ساتھ طلباء کی ایک بڑی تعداد درس حدیث میں حضرت کشمیریؒ سے علمی استفادہ کے ساتھ ساتھ ان کے حسن و جمال سے بھی آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔

مظفر نگر کے مشہور طبیب حکیم فتح محمد صاحب جو علاقہ کے ایک نہایت تجربہ کار حکیم اور خاندانی رئیس تھے، ان کا بیان ہے کہ میں بھرپور شباب میں جب کہ میرا جمال و رعنائی عروج پر تھی، دلی میں طب پڑھنے کے لئے گیا۔ حکیم اجمل صاحب کے والد سے بعض کتابیں پڑھنے کا پروگرام تھا۔ ملاقات ہوئی تو حکیم صاحب نے عربی میں میری قابلیت واستعداد کے متعلق کچھ سوالات کئے۔ ہیئت میں مزید کچھ کتابیں پڑھنے کے لئے حکم فرمایا اور یہ بھی کہ مولانا نذیر احمد صاحب محدث دہلوی سے پڑھوں۔

ہم اگر نہ جاگے تو......

ایوب خان کے زمانے میں آٹے کی قیمت میں اضافہ ہوا۔ ۲۰ روپے من آٹا ہوا تو اس کے خلاف نظمیں لکھی گئیں۔ آج کتنے روپے من آٹا ہوگیا؟ پھر بھی اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔ مگر لوگ بولتے ہی نہیں۔ اخلاقی قدریں بہت ہی زوال پذیر ہوچکی ہیں۔ یاد رکھیں،! اگر ہم نہیں سنبھلیں گے تو اللہ تعالیٰ پھر جگانے کے لئے کوئی دوسری قوم مسلط کردیا کرتا ہے جو ظلم و ستم کرکے جگاتی ہے۔

میں محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوا تو موصوف نے اپنی کبرسنی کا عذر کرتے ہوئے بتایا کہ دہلی میں ایک نووارد عالم مولانا انور شاہ کشمیری سنہری مسجد میں پڑھاتے ہیں، یہاں ان کتابوں کا درس صرف وہی دے سکیں گے۔ میں سنہری مسجد میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر کچھ وقت عنایت فرمایا۔ سبق کے لئے حاضر ہوتا تو آپ نظریں نیچی کئے ہوئے پڑھاتے۔ دو تین سال میں میری یہ تمنا کبھی پوری نہ ہوسکی کہ حضرت شاہ

صاحب نظر اٹھا کر مجھے دیکھیں۔

مرض الوفات میں مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب حضرت شاہ صاحب کی نبض دکھانے کے لئے دیو بند لے گئے۔ میں اس تصور کے ساتھ حاضر ہوا کہ چالیس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا ہے اور دوران تعلیم آپ نے مجھے کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، اب پہچاننے کا کیا سوال؟ لیکن میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ حاضری پر آپ نے میرا نام، سکونت اور دہلی میں پڑھنے کی تفصیلات سنائیں۔ متحیر ہوکر میں نے عرض کیا کہ ''حضرت! آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟''

فرمایا کہ ''آواز سے آپ کو پہچان لیا۔'' حضرت کشمیری کا تقویٰ اس قدر تھا کہ امرد (نوعمرلڑکا) سے بھی نظروں کی حفاظت فرماتے تھے۔

مظلوم کی بددعا، ظالم کو زمین نے نگل لیا

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کی موجودگی میں نماز کی حالت میں خلیفہ وقت نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرلیا تو آپ نے فرمایا کہ ''ایسی نماز قطعی بے حقیقت ہے اور قیامت میں تیری نماز گیند کی طرح منہ پر ماردی جائے گی۔''

خلیفہ نے جھڑک کر کہا ''خاموش رہو۔''

آپ نے فرمایا کہ ''حق گوئی میں خاموشی کیسی؟''

یہ سنتے ہی خلیفہ نے غضبناک ہوکر حکم دے دیا کہ ''اس کو پھانسی دے دو۔''

دوسرے دن ٹھیک پھانسی کے وقت آپ ایک بزرگ حضرت سفیان بن عیینہ کے زانو پر سر رکھے ہوئے پیر پھیلا کر آنکھیں بند کئے ہوئے تھے اور لوگوں نے کہا کہ ''پھانسی کا وقت قریب ہے۔''

تو فرمایا ''مجھے اس کا ذرہ برابر خوف نہیں، لیکن حق گوئی سے کبھی باز نہ آؤں گا۔'' پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ''اے اللہ، خلیفہ مجھے بے قصور سزا دینا چاہتا ہے۔ اس لئے اس کو بدلہ ملنا چاہئے۔''

اس دعا کے ساتھ ہی ایک دھماکہ کے ساتھ زمین شق ہوئی اور خلیفہ وزراء سمیت اس میں دھنستا چلا گیا۔ اور جب لوگوں نے عرض کیا کہ ''اتنی زود اثر دعا ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔''

فرمایا کہ ''میرے اظہار حق کی وجہ سے دعا زود اثر بن گئی۔

عبادت کو ضرورت پر ترجیح دینے کا انعام



ایک شخص عرب زمیندار تھا۔ عین جمعہ کی نماز کے وقت پانی کی باری تھی۔ جمعہ کے لئے جانے لگا تو دیکھا کہ اونٹ گم ہے۔ ادھر جمعہ کا وقت ہے۔ جمعہ بھی پڑھنا ہے۔ دل میں آیا، پہلے دین کا کام کرتے ہیں، جمعہ پڑھتے ہیں، وہاں دعائیں بھی کریں گے۔ جمعہ پڑھ کر گھر آیا۔ دیکھا تو اونٹ دروازے پر بندھا ہوا ہے۔ بیوی سے پوچھا ''یہ کیسے آیا؟''

بیوی نے کہا ''کتے بھونک رہے تھے، باہر نکل کر دیکھا تو پانچ چھ کتے اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ میں نے پکڑ کر باندھ دیا۔''

کتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس اونٹ کو گھر پہنچا دیا۔ اس اونٹ پر سوار ہو کر کھیت پر گیا۔ دیکھا پانی کھیت کو لگا ہوا ہے۔ ساتھ والا زمیندار بھی آ گیا۔ ساتھ والے زمیندار نے کہا کہ ''آج یہ ہوا کہ آپ کے کھیت کو پانی پہلے لگا، میرے کھیت کو پانی بعد میں لگا۔'' نتیجہ یہ نکلا کہ اگر دین کے کام کو ترجیح دیں گے تو دنیا کا کام بھی آسان ہو جائے گا۔

کیا یہ انسان ہیں؟

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک مرتبہ بازار سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک صاحب نظر بزرگ بازار سے گزر رہے تھے۔ ان کے چہرے کی نورانیت بتاتی تھی کہ وہ صاحب نظر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے قریب ہو کر سلام کیا۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا کہ ''احمد علی! انسان کہاں بستے ہیں؟''

کہنے لگے کہ ''میں گھبرا گیا کہ حضرت نے کیسا سوال پوچھا ہے۔ میں نے کہا حضرت! یہ سب انسان ہی تو

ہیں۔"

انہوں نے بڑی اجنبیت کی سی نظر لوگوں پر ڈالی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا "یہ سب انسان ہیں!!!"

ان کی بات میں ایسی تاثیر تھی کہ یہ سن کر میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں نے تھوڑی دیر کے لئے بازار پر نظر ڈالی تو مجھے پورا بازار کتے، بلے اور خنزیروں سے بھرا ہوا نظر آیا جب میری یہ کیفیت ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ وہ بزرگ غائب ہو چکے تھے۔

سرمہ کے فوائد:

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمے دانی تھی، آپ ﷺ ہر روز رات کو اس میں سے تین تین سلائی سرمے کی دونوں آنکھوں میں ڈالا کرتے تھے۔ (ترمذی)

سرمے کے بارے میں جدید تحقیق کیا کہتی ہے...... پڑھئے اور حیرت میں ڈوب جائیے۔

۞ ...... سرمہ اعلیٰ درجے کا اینٹی سپٹک ہے۔ یعنی بہترین جراثیم کش ہے۔

۞ ...... جدید تحقیق کے مطابق جب آنکھوں میں سرمہ ڈالا جاتا ہے تو سورج کی تیز شعاعیں آنکھوں کی پتلی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اور جن آنکھوں مین سرمہ نہیں لگایا جاتا، سورج کی تیز شعاعیں ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔

۞ ...... سرمے کے استعمال سے آنکھوں میں ککرے نہیں ہوتے، نہ پھنسی ہوتی ہے۔

۞ ...... آنکھیں دکھنے آجائیں تو سرمہ بے حد مفید ہے۔ یہاں تک کہ جو شخص مستقل طور پر سرمہ استعمال کرتا ہے اسے آشوب چشم کا مرض کم ہوتا ہے۔

۞ ...... آنکھوں کے زخم، خراش اور سوزش کے لئے سرمہ بہت مفید ہے۔ یہ ہر قسم کے متعدی امراض (چھوت کے امراض) ختم کر دیتا ہے۔

مستجاب الدعوات بننے کا نسخہ

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا کی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔"

حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ "کعبہ پر پہلی نظر پڑے تو اس وقت کونسی دعا کرنی چاہئے؟" کیونکہ اس وقت دعا کی قبولیت کے لمحات ہوتے ہیں اور پلک جھپکنے میں پہلی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

فرمایا "مستجاب الدعوات بننے کی دعا کرنی چاہئے، تاکہ آئندہ کے لئے مسئلہ حل ہو جائے۔"

......کہ سخت ہے انتقام اس کا

ارشادفرمایا۔ ''جب نیک انسان فوت ہوتا ہے تو زمین کے وہ ٹکڑے روتے ہیں کہ جہاں بیٹھ کر وہ عبادت کرتا تھا۔ آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں جہاں سے اس کا رزق اترتا تھا۔ نافرمان بندہ جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو بعض اوقات عبرت کی خاطر اللہ تعالیٰ کی پکڑ آجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں تگنی کا ناچ نچا دیتا ہے۔

ایک فرسٹ کلاس گزیٹیڈ افسر کا واقعہ ہے۔ افسروں کو جس طرح افسری کا مان ہوتا ہے، اس کو بھی افسری کا بڑا مان تھا۔ کار، کوٹھی وغیرہ سب کچھ موجود تھا۔ آج کل لوگوں نے پیسے کو عزت کا معیار بنایا ہوا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ اس کے پاس بھی خوب دنیاوی ساز و سامان تھا۔ اس کے گھر کے ساتھ ایک مسجد تھی، جس میں اسپیکر بھی لگا ہوا تھا۔ مسجد والوں نے صبح کی اذان دے دی، کیونکہ کچھ بوڑھے لوگ ہوتے ہیں جو اذان سن کر آتے ہیں۔ ویسے بھی اذان مسلمانوں کا شعار ہے، نماز کے لئے بلانے کا طریقہ ہے۔

اس افسر نے مؤذن کو منع کیا کہ صبح کی اذان نہ دیا کرو۔ میری نیند خراب ہوتی ہے۔

اس مردود کی باتوں پر اعتماد نہ کرنا

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل ذکر میں لکھا ہے کہ ایک آدمی نے شیطان کو دیکھا۔ وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا تھا۔ اور اس کا برا حال تھا۔ اس نے پوچھا ''یہ کیا ہوا؟''

کہنے لگا ''کیا بتاؤں کہ کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے میرے جگر کے کباب بنا دیئے ہیں اور انہوں نے مجھے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا ہے۔''

اس نے کہا ''وہ کون لوگ ہیں؟''

کہنے لگا کہ ''وہ بیچ شونیزیہ کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

وہ آدمی فوراً شونیزیہ کی مسجد میں گیا۔ جب وہ اس مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ متقی، پرہیزگار اور باخدا انسان بیٹھے اللہ کو یاد کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بھی یہ بات القا کر دی۔ چنانچہ جیسے ہی وہ مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ''اس مردود کی باتوں پر اعتماد نہ کرنا۔''

اس مؤذن نے پھر دوسرے دن اذان کہہ دی۔ وہ افسر آیا، اس نے اس مؤذن کے دو چار تھپڑ رسید کر دیئے کہ میں نے تجھے منع کیا ہے کہ صبح کی اذان نہ دیا کرو، میری نیند خراب ہوتی ہے۔

بس پھر کیا تھا۔ غیرت الٰہی جوش میں آ گئی۔ وہ مؤذن بے چارہ تو تھپڑ کھا کر خاموش ہو گیا مگر اس افسر کی پکڑ آ گئی۔ اس پر فالج کا حملہ ہوا اور ٹانگیں بھی بے کار ہو گئیں۔ افسرانہ مزاج تھا، بیوی خدمت کرتی، یہ پھر بھی جلی کٹی سناتا۔

بیوی میکے چلی گئی۔ بھائی کوفون کیا وہ اٹھا کر لے گیا۔ بھائی کے بچے چند دنوں میں تنگ ہو گئے کہ ہم خدمت کرتے ہیں، یہ ذرا ذرا سی بات پر گالیاں دیتا ہے۔ بھائی کے بچے اتنے ناراض ہوئے کہ انہوں نے اسے اٹھا کر باہر کہیں روڈ پر رکھ دیا۔ سورج طلوع ہوا، گرمی لگنے لگی، پسینہ آنے لگا۔ رات بھی روٹی نہ کھائی تھی، اب بھوک لگ رہی تھی۔ آنے جانے والوں سے روٹی مانگ رہا۔ فرسٹ کلاس گزیٹیڈ آفیسر تھا۔ مگر اللہ کی پکڑ میں آ گیا اور یہ حالت ہوگئی کہ آنے جانے والوں سے روٹی مانگ رہا تھا۔

کسی نے روٹی لا کر دی۔ کہا کھلا دو۔ اس نے کہا ٹائم نہیں ہے۔ اب ذرا منظر سوچئے اور عبرت حاصل کیجئے کہ روٹی کو پاؤں کے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے ساتھ پکڑ کر کھانی پڑ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ جب ناراض ہوتا ہے تو تگنی کا ناچ نچا دیتا ہے۔ یہ کاریں بہاریں یہیں رہ جائیں گی۔ ان پر تکبر نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اس دنیا میں بھی آ سکتی۔ عاجزی وانکساری کا سہارا لے کر چلو، ورنہ ٹھوکر کھا کر گر پڑو گے:

نہ جا اس کے تحمل پہ کہ بے ڈھب ہے گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ سخت ہے انتقام اس کا

پڑوس کی قیمت ایک ہزار دینار

ایک وقت ایسا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے پڑوس میں یہودی رہتا تھا۔ یہودی نے مکان بیچنا چاہا۔ ایک آدمی نے پوچھا ''کتنے میں بیچو گے؟''

کہنے لگا کہ ''میں دو ہزار دینار میں بیچوں گا۔''

اس خریدار نے کہا کہ ''اس علاقے میں اس قسم کے مکان کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار دینار ہے۔''

یہودی کہنے لگا کہ ''ہاں ٹھیک ہے۔ ایک ہزار دینار تو میرے مکان کی قیمت ہے اور ایک ہزار دینار عبداللہ ابن مبارکؒ کے پڑوس کی قیمت ہے۔''

ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کے پڑوس میں جو مکان ہوتے تھے ان مکانوں کی قیمتیں بڑھ جایا کرتی تھیں اور آج یہ وقت آ چکا ہے کہ یورپ کے بعض علاقوں میں مسلمان مکان لینے جاتے ہیں تو انہیں کوئی مکان بھی کرائے پر دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

امام شافعیؒ اور نائی

جب امام شافعیؒ (سر من رائی) پہنچے تو اس حال میں تھے کہ کپڑے بوسیدہ ہو چکے تھے اور بال بڑھے ہوئے تھے، وہ اپنی حالت درست کرنے کے لئے ایک نائی کے پاس آئے تو وہ ان کے خستہ حال کپڑوں کو دیکھ کر کراہیت سے بولا۔ ''کسی اور نائی کے پاس چلے جائیں۔''

امام شافعیؒ کو اس بات سے سخت تکلیف پہنچی۔ انہوں نے اپنے ساتھ آئے ایک لڑکے سے پوچھا ''تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟''

اس نے کہا ''دس دینار ہیں۔''

انہوں نے کہا ''یہ پیسے نائی کو دے دو۔''

تو اس نے وہ پیسے نائی کو دے دیئے اور امام شافعیؒ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیئے:

میرے بدن پر جو کپڑے ہیں، اگر انہیں بیچا جائے!
ایک پیسے میں تو وہ پیسہ بھی اس کی قیمت سے زیادہ ہوگا!
مگر ان کپڑوں میں چھپی ہے ایک ایسی روح!
جس کا مقام جہاں بھر کے انسانوں سے زیادہ ہوگا!
بوسیدہ میان، کند نہ کر سکی تلوار کی دھا!
جہاں پڑی ضرورت اس نے کیا ہے وار!
کیا ہوا اگر کپڑے میرے بوسیدہ ہیں!
کتنی ٹوٹی ہوئی میانوں میں تلواریں پوشیدہ ہیں!

زیادہ پسند:

سعید بن المسیب رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ ''آپ کو جنازہ میں شامل ہونا زیادہ پسند ہے یا مسجد میں بیٹھنا؟''

آپ نے فرمایا ''مسجد میں بیٹھنا مجھے زیادہ مرغوب ہے، کیونکہ میں جب تک مسجد میں بیٹھا رہوں گا فرشتے میرے لئے استغفار کرتے رہیں گے، یہ مجھے ایک یا دو تین قیراط ثواب لینے سے زیادہ پسند ہے۔''

پاگل:

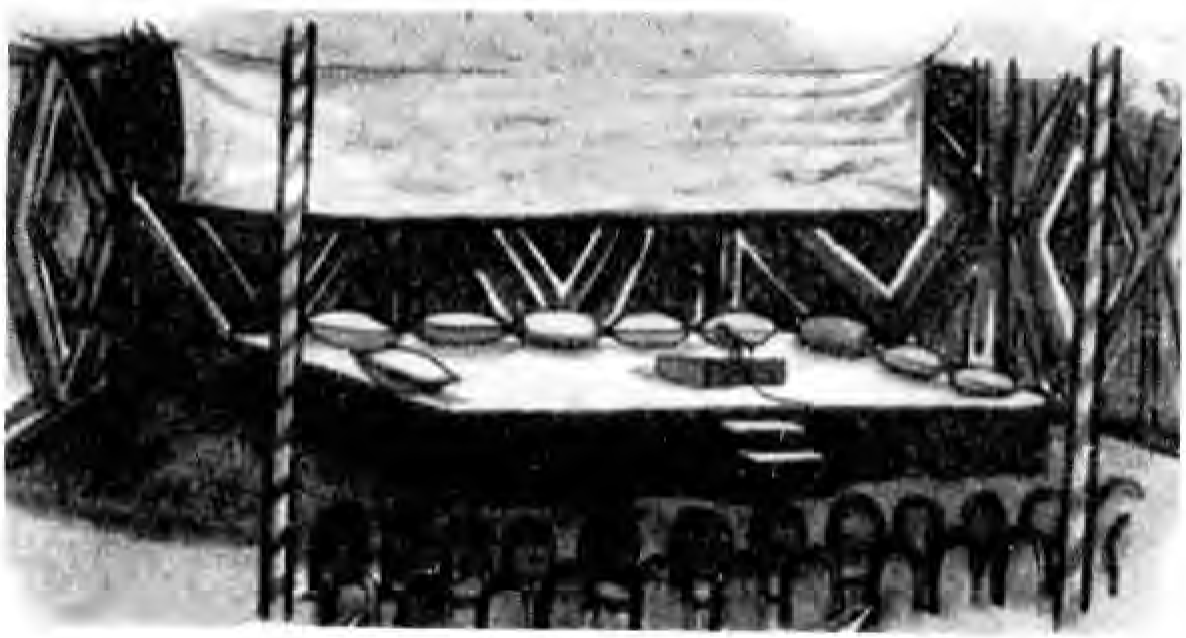
سمرقند کے ایک سفر میں ایک عالم ایک نوجوان کو اس عاجز سے ملانے کے لئے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر اس عاجز کو حیرت ہوئی اور پوچھا ''وہ کیسے؟''

اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹادیا۔ ہم نے دیکھا تو اس کی پیٹھ پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات موجود تھے۔ اس عاجز نے پوچھا ''یہ کیا معاملہ ہے؟''

اس نے اپنی داستان بیان کرنا شروع کی۔ وہ کہنے لگا۔ ''جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا۔ میں جان بوجھ کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا۔ ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے، مگر میں اللہ کے نام

تھوڑی سی اور سن لوں

خان غلام محمد خان نے سنایا کہ میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا ہوا تھا اور نہ ہی میرا سیاسی مسلک ان جیسا تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازہ کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے۔ میں بڑے ضروری کام میں تھا۔ اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی اتنی شہرت ہے اسے پانچ منٹ سن تو لوں۔



میری یہ عادت ہے کہ جلسہ میں ایک ساتھ بیٹھنا میری فطرت میں نہیں۔ میں پانچ منٹ تک شاہ جی کی تقریر کی لذت لیتا رہا۔ پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں، ان کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ پھر لیٹ گیا اور ساری رات لیٹے ہوئے تقریر سنتا رہا اور ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی۔ شاہ جی نے تقریر کے خاتمہ کا اعلان کیا تو مجھے خیال آیا کہ اوہو، ساری رات ختم ہوگئی۔ یہ شخص تقریر نہیں بلکہ جادو کر رہا تھا۔

پر مار کھاتے کھاتے نہ تھکتا۔ مجھے بجلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے، مگر میں نے برداشت کر لئے۔ مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، مجھے گرم چیزوں سے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے، مگر میں اس طرح محسوس کرواتا جیسے کوئی پاگل ہوتا ہے۔ میں جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا تھا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بجھوادیا۔ وہاں بھی میں نے ایک سال اسی طرح گزارا۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے۔ اس کا ذہنی توازن خراب ہے۔ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، یہ اپنے آپ ہی میں مگن رہتا ہے۔ لہذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ڈاکٹر کی رپورٹ پر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ جب میں باہر آیا تو میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی، میں وہیں دن میں پانچ مرتبہ اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں کھلے عام پڑھا کرتا تھا۔''

اس عاجز نے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا:

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہ ہوتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

یہ عاجز اس نوجوان کے چہرے کو بار بار دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی پر رشک کرتا رہا۔

ازل سے رچ گئی ہے سربلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کٹنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا

جیا کرتا ھے کیا یونھی مرنے والا

انسان کی زندگی کا دارومدار وقت پر ہے۔ وہی وقت جو نعمت عظمیٰ ہے، اس کی قدر و قیمت کا اندازہ تو صرف ایک سمجھدار شخص ہی کر سکتا ہے۔ وقت ایک خاص نعمت ہے، ان قدر دانوں کے لئے جو اسے غنیمت جانتے ہیں۔ احکام خداوندی بجالاتے ہیں اور اسی سعی میں رہتے ہیں کہ بن مانگے ملنے والے وقت کو دنیاوی کاموں میں ضائع کرنے کے بجائے اسے آخرت کے لئے خزانہ کرلیا جائے۔



دراصل ہماری زندگیاں وقت ہی کا دوسرا نام ہیں۔ جو اس کی قدر جانتے ہیں وہی فلاح پاتے ہیں۔

اور بے قدرے اس کے چھن جانے پر ترستے رہ جاتے ہیں کہ اے کاش! ہمیں توبہ کرنے کا ہی لمحہ میسر آ جاتا۔ مگر بے سود۔

پھر ہرگز ہرگز وقت لوٹ کر نہ آئے گا۔ پوچھئے ان لوگوں سے جوفوت ہو چکے ہیں اور انہوں نے وقت کی قدر نہ جانی۔ اب چلا چلا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے وقت ضائع کیا یا تھوڑی نیکیاں کیں۔ اب وارثوں کے ایصال ثواب کے منتظر ہیں، بھلا انہیں اپنے لئے وقت ملے تو وہ ان کو بھی پوچھ لیں، مگر وقت ہے کہ مثل برف کے کم ہو رہا ہے۔

۞......خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانے کی گردش اگرچہ عجیب چیز ہے مگر انسان کی غفلت اس سے بھی عجیب تر ہے۔

۞......حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اکثر وقت میں برکت کی دعا کرتا ہوں۔

۞......حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ دن اور راتیں تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں۔

چار چیزیں

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں جنت میں جنت سے بھی بہتر ہیں اور چار چیزیں جہنم سے بھی بدتر ہیں:

(۱) جنت میں ہمیشہ رہنا جنت سے بھی بہتر ہے۔
(۲) جنت میں فرشتوں کی خدمت جنت سے بھی بہتر ہے۔
(۳) جنت میں انبیاء علیہم السلام کا پڑوس جنت سے بھی بہتر ہے۔
(۴) جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی جنت سے بھی بہتر ہے۔

......☆......☆......☆......

(۱) جہنم میں ہمیشہ رہنا جہنم سے بھی بدتر ہے۔
(۲) جہنم میں کافروں کے لئے فرشتوں کی ڈانٹ ڈپٹ جہنم سے بھی بدتر ہے۔
(۳) جہنم میں شیطان کی ہمسائیگی جہنم سے بھی بدتر ہے۔
(۴) جہنم میں اللہ تعالیٰ کا غضب جہنم سے بھی برا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ دنیا تین دن کی ہے۔ ایک دن وہ جو گزر گیا جس کو کبھی حاصل نہیں کیا جا سکتا، دوسرا دن وہ جو آج ہے، اسے غنیمت جانو اور کر ڈالو۔ نیکی کا کوئی نہ کوئی کام اور تیسرا وہ دن جو ابھی آنے والا ہے، جس کی کسی کو کوئی خبر نہیں۔ معلوم نہیں کہ وہ ملتا بھی ہے کہ نہیں۔

ایک روایت ہے کہ جب دن طلوع ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ ''آج مجھ سے نیکی کر لو اور اگر نہیں کرو گے تو یاد رکھو میں دوبارہ نہیں آؤں گا۔''

امام شافعیؒ کا مشہور مقولہ ہے ''الوقت سیف فاقطع فی الخیر و الا قطعک'' کہ وقت تلوار کی مانند

ہے اس کو کسی نیکی میں پر کر، ورنہ وہ تمہیں کاٹ دے گا۔"

اس لئے صرف دنیاوی ترقی اور منزلوں کے وہم وگمان میں پڑے رہنا صرف غیر مسلموں کا کام ہے۔ انہیں دین کی کوئی فکر نہیں، انہی کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ تو صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے بالکل بے خبر ہیں۔ مگر افسوس کہ آج کے مسلمانوں میں کافروں کی اندھی تقلید کا مرض حد سے بڑھ گیا ہے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے مسلمانوں کی یہی حالت زار دیکھ کر فرمایا کہ:

یہی دھن ہے تجھ کو، رہوں سب سے بالا
ہو زینت نرالی، ہو فیشن نرالا
تجھے حسن ظاہر نے دھوکے میں ڈالا
جیا کرتا ہے کیا یونہی مرنے والا
جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت ہمارے ہاتھوں سے ریت کی مانند نکل جائے اور اس کی دھول ہمارے چہروں کے نشانات تک مٹا دے اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد اس بات کا یقین کرنا بھی محال ہو جائے کہ اس زمین پر ہمارا بھی وجود تھا تو کیوں نہ ہم فکر آخرت اور اس کی تیاری کے لئے بن مانگے وقت کی قدر جانیں۔ وہ وقت جو ہمیں رب العزت نے عطا کیا ہے اور بن مانگے عطا کیا ہے۔ کہیں دنیا کی ظاہری چمک دمک میں کھو کر ہم وقت کے ہاتھوں کھلونا نہ بن جائیں اور دوسروں سے عبرت سیکھنے کے بجائے خود تماشہ نہ بن جائیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ "اے لوگو! زندگی کو غنیمت سمجھو، اس سے پہلے کچھ کر لو کہ لوگ کہیں کہ وہ بھی مر گیا۔"

شہید کے چہرے کا نور

ایک مجاہد دوست نے مجھے بتایا کہ ایک دن ہم عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے مقام پر جانے لگے تو ہم نے دیکھا کہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر روشنی ہو رہی تھی۔ ہم نے اس پر توجہ نہ دی۔ دوسرے دن پھر وہی روشنی دکھائی دی۔ اس بار بھی ہم نے توجہ نہ دی۔ تیسرے دن روشنی پھر دکھائی دی تو ہم نے طے کیا کہ چل کر دیکھتے ہیں یہ روشنی کیسی ہے؟ چنانچہ ہم پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا وہاں ایک مجاہد شہید ہوا پڑا تھا۔ وہ روشنی اس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔ جس سے پورا پہاڑ روشن ہو رہا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی قبرستان سے گزرے تو اہل قبور سے مخاطب ہو کر فرمایا "اے قبرستان والو! اور اے

وہ لوگوں کہ جن کی ہڈیاں باقی رہ گئی ہیں اور اے وحشت اور تنہائی کے گھر والو! ذرا اتنا تو بتاؤ کہ تمہاری کیا خبریں ہیں؟ ہمارے پاس تو تمہاری یہ خبریں ہیں کہ تمہارے وہ مال جن کے تم مالک تھے، تقسیم کر دیئے گئے او ر بچے یتیم ہو گئے۔ تمہاری بیویوں نے دوسری شادیاں کر لیں۔ بس تمہاری یہ خبریں تو ہمارے پاس ہیں، اب تم بتاؤ تمہاری خبریں کیا ہیں؟''

پھر حضرت کمیل رضی اللہ عنہ جو آپ کے ساتھ تھے، سے مخاطب ہو کر کہا کہ ''اے کمیل! اگر انہیں بولنے کی اجازت مل جائے تو یہ یہی جواب دیں گے کہ بہترین توشہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا ''اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور اس کی خبر تجھے مرتے وقت معلوم ہو گی۔''

عقلمندوں کو چاہئے کہ وہ اس حقیقت سے عبرت حاصل کریں اور دنیا کی اس فانی اور زائل ہونے والی زندگی پر مست رہیں، بلکہ سلامتی

آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟

ہندوستان کے مشہور کمیونسٹ لیڈر ڈاکٹر محمد اشرف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی کو مسلمانوں کے تاریخی پس منظر پر سوچنا پڑا اور مجھے اس کام پر مقرر کیا گیا کہ اس کے بارے میں رپورٹ پیش کروں۔ میں اس مواد کی فراہمی کے لئے دیوبند حاضر ہوا۔ خلوت میں مطالعہ کتب کا بھی موقع ملا۔ مولانا کے یہاں تقریباً سبھی لوگ قیام اللیل کے عادی تھے۔

ایک دن تو میں رات کو بمشکل ایک گھنٹہ سویا تو فجر کے وقت تکبیر بالجہر سے اٹھ بیٹھا۔ دوسرے دن بھی یہی کیفیت ہوئی تو حضرت سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت تو درست ہو نہ ہو میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو جائے گا۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور علیحدہ کمرہ میں بندوبست کروا دیا۔

دیوبند کے قیام کی غالباً چوتھی رات تھی کہ میں اپنے بستر پر دراز تھا۔ رات کے دس بج چکے تھے، گھومنے پھرنے کی وجہ سے کچھ تھکن زیادہ تھی۔ چنانچہ لیمپ گل کیا اور سونے لگا۔ دروازہ کھلا رہتا تھا۔ مجھے کچھ غنودگی سی ہونی تھی۔ میں نے ایک ہاتھ ٹخنے پر محسوس کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے کسی نے میرے پاؤں کو دبانا شروع کر دیئے۔ میں چوکنا ہو گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا بنفس نفیس اس گناہگار کے پاؤں دبانے میں مصروف ہیں۔ میں نے جلدی سے پاؤں سکیڑ لئے اور بڑے ادب و لجاجت سے حضرت کو روکا۔

مولانا نے حسرت سے فرمایا۔ ''آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں؟ کیا میں اس قابل بھی نہیں کہ آپ جیسے مہمان کی خدمت کر سکوں۔''

مجھ پر اس ارشاد کے بعد جو گزری میرے لئے اس کا بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ ان کے اخلاق اور فراخدلی کا ادنیٰ سا نمونہ تھا۔

والے گھر جنت کی طرف آئیں جو ہر قسم کے رنج وغم سے پاک ہے اور فنا آفت اور زوال وغیرہ سے صحیح سالم ہے۔ وہ جنت جو منتظر ہے اپنے مکینوں کی جہاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہمارا انتظار کر رہی ہے، جہاں کی زندگی لطف سے بھرپور ہے، مگر یہ سب ممکن ہے کہ جب ہم وقت کی قدر جانیں اور ایک ایک لمحے کو آخرت کے لئے خزانہ کرلیں اور بچنے کی کوشش کریں اس جہنم سے کہ جس کی چار چیزیں خود اسے بھی بری ہیں اور پلٹ آئیں اپنے رب کی جانب کہ جس کی رحمت لامحدود ہے کہ جس نے جنت کو مسلمانوں کے لئے اپنی نعمتوں سے آراستہ کیا کہ جس کی چاروں چیزوں کا نعم البدل ہو ہی نہیں سکتا اور سب سے بڑھ کر دیدار الٰہی اور اس کی رضامندی۔

رب العزت تمام امت مسلمہ کو صراط مستقیم پر چلنے اور اس پر استقامت نصیب فرمائے۔

بابر بادشاہ کے سامنے جبل استقامت

مامون کے دور حکومت کی بات ہے۔ درباری ملاؤں نے بادشاہ وقت کو چکنی چپڑی باتوں سے یہ باور کروادیا کہ قرآن حادث ہے۔ قرآن اللہ کی مخلوق ہے اور جو یہ عقیدہ نہ رکھے وہ کافر ہے۔

بادشاہ نے رعایا میں اعلان کرادیا کہ جو شخص خلق قرآن کا عقیدہ نہ رکھے وہ کافر ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ چالیس ہزار سے زائد مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم قرآن کو اللہ کی صفت مانتے ہیں مخلوق نہیں۔

مامون نے قانون کا ڈنڈا استعمال کیا تو اکثریت اپنا موقف بدل گئی۔

خوف خدا اور تقویٰ کی علامت

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین) اپنا معمول بیان فرماتے ہیں کہ آج میری شادی کو پچپن سال ہوگئے، لیکن آج تک گھر والوں سے غصہ کی حالت میں لہجہ بدل کر بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ لوگ کرامت اس کو سمجھتے ہیں کہ کوئی ہوا میں اڑنے لگے، یا جلتی ہوئی آگ میں سے گزر جائے۔ لیکن حقیقی کرامت یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اتنا قریبی تعلق ہونے کے باوجود پچپن سال اس طرح گزارے کہ کبھی اہلیہ سے لہجہ بدل کر غصہ کی حالت میں بات کرنے کی نوبت نہیں آئی۔

خود حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ فرمایا کرتی تھیں کہ ساری عمر حضرت نے مجھے کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا۔ مثلاً کبھی یہ نہیں کہا کہ پانی پلادو یا یہ کام کردو، بلکہ میں نے اپنے شوق سے کوئی کام کرلیا تو کرلیا۔ یہ اہتمام کہ کبھی بیوی سے لہجہ بدل کر بات نہ کروں، یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک دل میں خدا کے خوف کا پہرا نہ ہو۔ تقویٰ کا پہرا نہ ہو، اس لئے کہ یہ کام نہ تو پولیس کراسکتی ہے اور نہ عدالت کراسکتی ہے۔

صرف ۴۰ باقی رہ گئے۔

جب ذرا مزید سختی ہوئی تو ۳۶ مزید نے بھی عقیدہ اور موقف بدل لیا۔ صرف چار باقی بچے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو چار بیڑیاں پہنا کر جیل میں ڈال دو، یہ سنتے ہی دو نے اپنے عقیدے سے رجوع کر لیا، باقی دو کو بیڑیاں پہنا کر جیل کی طرف روانہ کر دیا۔ راستے میں ایک کا انتقال ہو گیا۔ اب صرف ایک ہستی باقی رہ گئی تھی جو قرآن کو خالق کی صفت کہتی تھی، ان کو روزانہ بیڑیوں میں جکڑ کر لایا جاتا اور ان سے ان کے موقف کے بارے میں دریافت کیا جاتا وہ فرماتے ''میں قرآن کو حادث نہیں مان سکتا۔''

پھر درباری اور سرکاری وظیفہ خور ملاؤں سے ان کا مناظرہ کرایا جاتا۔ درباری ملا بدترین شکست سے دوچار ہوتے، مگر درباری ہونے کے ناطے ان کو فاتح قرار دیا جاتا۔ جب کوئی حربہ کارگر نہ ہوا تو ان کے لئے روزانہ چالیس کوڑوں کا حکم سنایا گیا...... ایک جلاد صرف دو کوڑے لگاتا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ وہ کوڑا اتنا سخت تھا کہ اگر ایک کوڑا ہاتھی کو مارا جاتا تو ہاتھی چنگھاڑ اٹھتا مگر داد دیجئے اس صاحب عزیمت اور جبل استقامت کو کہ اس قدر تشدد برداشت کرنے کے باوجود اپنے موقف میں تزلزل پیدا نہیں کیا...... تن تنہا ناموس قرآن و اسلام کی جنگ لڑی۔

یہ عظیم انسان، جبل استقامت ''امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ'' تھے۔ اس عظیم قربانی کی بناء پر خواب میں ننانوے بار آپ کو اللہ رب العزت کی زیارت نصیب ہوئی۔ آج دنیا میں اس عظیم مسلمان کا نام اور عقیدہ زندہ ہے مگر ان پر ظلم ڈھانے والے ظالم حکمرانوں کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔

نزول عیسیٰ ابن مریم

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمتہ اللہ علیہ سابق امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے ہیں کہ میں دو آدمیوں کی دعوت پر ضلع جالندھر کے ایک گاؤں میں تبلیغ اسلام اور مرزائیت کی تردید کے لئے گیا۔ وہاں مرزائی زیادہ تھے، مجھے شک ہوا کہ مقامی لوگ میری تقریر میں رکاوٹ نہ ڈالیں، صبح نماز اشراق کے بعد میں تھوڑی دیر سونے کے لئے لیٹ گیا کہ پھر شاید جمعہ کی وجہ سے سونے کا موقع نہ ملے۔

میں لیٹے لیٹے لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ اس دوران دو آدمی مرزائیت کے بارے میں جھگڑنے کے لئے بھی آئے، لیکن مجھے سوتا خیال کر کے واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد مجھے نیند نے آلیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت بزرگ آسمان سے نازل ہوئے۔ میں نے پوچھا ''آپ کون ہیں؟''

انہوں نے فرمایا ''میں عیسیٰ ابن مریم ہوں۔''



میں نے عرض کیا ''آپؑ کے نزول کا وقت تو ابھی بہت دور ہے، آپؑ پہلے ہی کیوں تشریف لے آئے؟''

انہوں نے غصے سے فرمایا ''جب تم لوگ میری حیات ثابت نہ کرو تو میں خود نہ آتا تو کیا کرتا۔''

میں نے عرض کیا ''حضرت ناراض نہ ہوں، آپؑ کی حیات ثابت کرنا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ضرور ثابت کروں گا۔''

چنانچہ بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنے میز بانوں پر جو مرزائیوں کے رشتے دار بھی تھے، واضح کر دیا کہ ''آپ مجھے قادیانیت کے خلاف تقریر کرنے کی اجازت نہ دیں گے تو میں بازار میں جا کر تقریر کروں گا۔''

یہ سن کر سب نے مجھے تقریر کی اجازت دے دی۔ جمعہ کی نماز کے بعد میں نے جامع مسجد میں چار گھنٹے مرزائیت کی بھرپور تردید کی۔ بعد میں، میں نے ایک مولانا صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے میرے خواب کی تائید میں ایک حدیث بیان کی کہ ''شیطان انبیاء علیہ السلام کی شکل میں خواب میں دکھائی نہیں دے سکتا۔''

بوڑھے والدین کے ساتھ ناروا سلوک:

وہ دونوں بے تحاشا روتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ رات تاریک تھی، تاریکی اور سناٹے میں ان کی سسکیاں دور تک جا رہی تھی۔ ایسے میں چند آدمی ان کے سامنے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان میں سے ایک نے ان سے پوچھا ''تم دونوں کون ہو، رات کے وقت کہاں جا رہے ہو اور اس طرح کیوں رو رہے ہو؟''

انہوں نے بتایا کہ ''ہم میاں بیوی ہیں، ہمارے بیٹے نے ہمیں گھر سے نکال دیا ہے۔ اب ہمیں اپنی منزل کا تو پتہ نہیں، اس وقت کسی سرائے کی تلاش میں جا رہے ہیں تاکہ رات گزار سکیں۔''

ان لوگوں نے دونوں میاں بیوی کا جائزہ لیا۔ وہ بہت بوڑھے اور کمزور تھے۔ ان میں سے ایک نوجوان ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ان سے کہا۔ ''بابا! آپ دونوں ہمارے ساتھ آئیں، ہم آپ کو مہمان خانے میں ٹھہرائیں گے۔''

وہ دونوں ان کے ساتھ چل پڑے۔ مہمان خانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ وہاں ان کی رات اچھی گزری، انہیں ہر طرح کا آرام ملا۔ کھانا بھی دیا گیا، دوسرے دن انہیں عدالت میں پیش کیا گیا۔ قاضی کو ساری بات بتائی گئی۔ انہوں

نے اسی وقت ان کے بیٹے کو عدالت میں طلب کرلیا۔ اس کا بیان لیا۔ اس نے اقرار کیا کہ اس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو گھر سے نکالا ہے۔ قاضی نے پانی سے بھرا ایک گھڑا لانے کا حکم دیا۔ گھڑا آیا تو اس کے پیٹ کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا۔ جب گھڑا باندھ دیا گیا تو قاضی نے اس سے کہا۔ ''اگر یہ گھڑا ٹوٹ گیا یا اس سے پانی گرا تو پھر تجھے سزائے موت دی جائے گی۔''

بوڑھے کا بیٹا گھڑا پیٹ سے بندھنے سے بہت پریشان ہوا۔ اب نہ وہ سو سکتا، نہ سکون سے بیٹھ کر کوئی چیز کھا سکتا، نہ استنجا کرسکتا تھا، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ شام کے وقت اس کے ماں باپ کو اس کے سامنے لایا گیا۔ دونوں بیٹے کی حالت دیکھ کر بری طرح بے چین ہوگئے۔ ماں کی آنکھوں میں تو آنسو آگئے۔ انہوں نے قاضی صاحب سے کہا ''مہربانی فرما کر آپ اسے رہا کردیں۔ گھڑا اتروا دیں۔ ہم سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جارہی۔''

قاضی صاحب نے گھڑا اتروا دیا اور بولے ''تیری ماں نے تجھے نو ماہ پیٹ میں رکھا اور تیرے پیٹ سے اس گھڑے کو باندھے نو گھنٹے بھی نہیں ہوئے تو تیری کیا حالت ہوگئی۔ انہوں نے تجھے پالا پوسا، ہر طرح کی تکلیف خود اٹھائی، تجھے آرام پہنچایا، یہاں تک کہ آج جب کہ تو نے انہیں گھر سے نکال دیا، اس وقت بھی یہ تجھے تکلیف میں دیکھ کر برداشت نہیں کرسکے..... اور تو انہیں ان کی مہربانیوں کا یہ صلہ دینا چاہتا ہے کہ اس عمر میں یہ دھکے کھاتے پھریں۔''

قاضی کی باتیں تیر کی طرح اس کے دل و دماغ میں اترتی چلی گئیں۔ وہ روتے ہوئے اپنے ماں باپ کے قدموں میں گر گیا۔ اس نے ان سے معافی مانگی، انہیں گھر لے گیا اور کبھی کوئی تکلیف نہ دینے کا وعدہ کیا۔

ہم نے آپ کو تو یہ بتایا ہی نہیں کہ یہ کس دور کی بات ہے۔ اس دور کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ یہ افغانستان کا واقعہ ہے۔ طالبان کے دور کی بات ہے۔ بوڑھے ماں باپ کو جو لاٹھیوں والے افراد ملے تھے وہ دراصل طالبان پولیس تھی۔ وہ رات کے وقت گشت پر تھے۔

آج انہی فرشتہ صفت لوگوں کو دہشت گرد مشہور کردیا گیا ہے۔ جنہوں نے ایک مثالی اسلامی حکومت قائم کی تھی۔ سچ یہ ہے کہ جوان جیسے لوگوں کو دہشت گرد کہے، وہ خود دہشت گرد ہے۔